ای مسلمان دگر اعجاز سلیمان آموز
دیدہ برخانم تو اہرمنے نیست کہ نیست

سیرۃ سلیمان

مؤلفہ

مولوی صالح محمد صاحب بلوچ ادیب فاضل تونسوی

بفرمایش

بی۔ ڈی عندلیب (منشی فاضل) تاجر کتب
تونسہ شریف (ڈیرہ غازیخان)

مطبوعہ
فیروز پرنٹنگ ورکس ۱۱۹ سرکلر روڈ لاہور میں
باہتمام عبدالحمید خان منیجر

پیشکش

ایک مورِ بے مایہ شہنشاہِ زماں سلیمانِ انس وجا

خدمت میں اپنی عقیدت کا گلدستہ

نذر کرتا ہے

ویں طرفہ بین ز فیض جنابش عجب

مورے ہمی کند بہ سلیماں حکایت

سیرۃ سلیمان رح

حصۂ اوّل

جس میں

جعفر قوم اور اُس کا وطن سلسلۂ نسب خاندانی حالات۔
ولادت۔ بشارات قبل از ولادت طفولیت و تحصیلِ علم۔
بچپن کی سیرت تلاشِ محبوب پیر سے پہلی ملاقات۔
بیعت زمانہ سلوک و مجاہدات حصولِ نعمتِ روحانی۔
قیام اندر پہاڑ۔ ہجرت تونسہ۔ تونسہ کے تاریخی حالات۔
سلسلۂ بیعت وفات۔ متروکات۔ شمائل۔ لباس۔
خوراک کے مفصّل حالات دئے گئے

✣

فہرست مضامین

تمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ کتاب

جن لوگوں کی طبیعتوں پر مغرب کا رنگ گہرا چڑھ گیا۔ بدقسمتی سے اُن میں یہ یقین بڑھتا گیا۔ کہ تصوف اسلام سے الگ کوئی راہ ہے جس نے قوم میں تعطل اور رہبانیت کی بنیاد ڈالی ۔

لیکن حق یہ ہے۔ کہ اسلام میں جن لوگوں نے عشقِ حقیقی کا جام نوش کر کے تزکیہ نفوس کیا۔ اور اُن پر اسرارِ باطن کی کھڑکی کھول دی گئی۔ بشرطیکہ اُن کا قدم صراطِ مستقیم شریعتِ حقہ سے اِدھر اُدھر نہ ہٹا۔ وہی لوگ صوفی کہلانے لگے۔ اس گروہ کے باکمال بزرگ از قسم "خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ" بابا فریدالدین اجودھنی رحمۃ اللہ علیہ" وغیرہم وہ لوگ تھے۔ جو اسلام کے عالم باعمل اور اسلامی اخلاق کے سچے نمونے تھے۔ جن کو قرآن کریم نے اپنی اصطلاح میں "الصّالحین" یا "عباد اللہ" یا "عباد الرحمٰن" کے نام سے پکارا۔ یہی وہ گروہ ہے۔ جو خدا کی روحانی نعمتوں کا مورد۔ اور جس کے نقشِ قدم پر چلنے اور رہنے کی تلقین ہر مسلمان کو نماز میں کی گئی ہے ۔

اس نے قوم میں تعطّل اور بزدلی کی فضا نہیں پیدا کی۔ بلکہ اسی گروہ کے زمزمہ ہائے عرفان نے قوم کو بیدار کیا۔ جد و جہد کی سرفروشیاں تحصیل علوم میں ریاضات کی سخت کوشیاں۔ عبادت الٰہی میں لذت کی سرمستیاں۔ عشقِ حقیقی کی بادہ پرستیاں۔ انہی باکمال بزرگوں کی شوریدہ زندگیوں سے قوم میں پیدا ہوئیں۔ جن کے سب سے بڑے امام خود

آں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں ۔

اِن اَوراق میں آخری زمانہ کے ایک عارف کامل کا تذکرہ انہی واقعات سے پُر ہے ۔

اور جن زندگیوں میں کہ یہ رنگ نہیں ۔ وہ حقیقت میں صُوفی نہ تھے ۔ بلکہ متصوّف تھے ۔ جو انحطاطِ ملّت کے وقت پیدا ہوئے ۔ جن کو دیکھ کر دنیا نے دھوکا کھایا ۔

کمالاتِ روحانی کی پہلی اور آخری بلند سے بلند سیڑھی عشق کی لذّتِ سوز و گداز ہے ۔ عشق سے اتباعِ سنّت کا شوق ۔ اور عبادتِ الٰہی میں ذوق حاصل ہوتا ہے ۔ یہ ذوق تزکیہ نفوس کراتا اور مکارمِ اخلاق سکھاتا ہے ۔ جس سے کہ انسانی رُوح آخر کار پایۂ کمال پر پہنچتی ہے ۔ اور جب کبھی کسی مردِ کامل کو روحانی عروج نصیب ہو جاتا ہے ۔ تو اُس سے کیا کیا نتائج اور کن کن محاسن کی جلوہ آرائیاں ہوتی ہیں ۔ یہ تذکرہ اِن باتوں کا صاف آئینہ ہے ۔

یہ کتاب آخری زمانہ کی ایک ایسی مقدس ہستی کی سیرت ہے ۔ جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ کاملہ زمانۂ آخر تک جُنیدؒ اور رومؒ کے مظاہر پیدا کرتا رہا ۔

نیز اس میں دورِ حاضر کے سجادہ نشین حضرات کے لئے درسِ عبرت ہے ۔ جس سے یہ نظر آتا ہے کہ جن نقشِ پا کے آپ پیروکار ہونے کے مدّعی ہیں ۔ وُہ نقشِ قدم کیا تھا ۔ جس سے وہ خود ہی دیکھ لیں کہ ہم اس کے قریب تر یا دُور تر چل رہے ہیں ۔

دَورِ حاضر کا یہ عارفِ کامل پنجاب کے بہت سے سجّادہ نشینوں کا مورثِ روحانی ہے ۔ یعنی یہ وہ شمعِ معرفت ہے جس سے کہ وہ سب چراغ روشن ہوئے ۔ اِس لئے بھی آپ کا تذکرہ سب کے لئے یکساں شہابِ ثاقب ہے ۔

جناب خواجہ محمدؐ سلیمان صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے جتنے ملفوظ قلمبند ہوئے۔ اُن میں سے اکثر زمانہ کی بد مذاقی نے ناپید اکر دئے۔ اَور جو ہیں وہ چند صوفی منش معتقدین کے جزو دان کا مایۂ ناز تبرک ہیں۔ جو بیشتر تلاش کے بعد کمتر ملتے ہیں۔ اَور وہ سب کے سب چراغ سحری ہیں۔ وہ وقت دُور نہیں کہ دُوسری نسلوں میں ان کا ایک نسخہ بھی ہاتھ نہ لگ سکے! اور ان کے سامنے مقدس مزارات کے بغیر کچھ نہ رہے ۔

اِن کے علاوہ اِن سب ملفوظوں کی زبان بے محاورہ فارسی اَور ہندی۔ پنجابی آمیز مخلوط زبان ہے۔ جس سے ہر طبقہ کے آدمی یکساں فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ سب سے بڑی کمی یہ کہ اگر ان کو بہ حیثیتِ سیرت دیکھا جائے تو اِن میں کچھ بھی نہیں ملتا ۔

اِس لیئے ایک ایسی تالیف کی ضرورت تھی۔ جو سادہ مگر عالمانہ اُردو میں ہو۔ اَور وہ صاحبِ سیرت کی اصلی سیرت اَور پاک زندگی پر بالترتیب رُوشنی ڈال سکے۔ اَور یہ کہ اُسے ہاتھ میں لے کر پڑھنے والا دوسری تالیفات سے بے نیاز ہو جائے ۔

صحیح روایات کا وہ ذخیرہ جو اب تک سینوں میں محفوظ چلا آتا ہے۔ اَور اِن کتب میں نہیں ہے۔ اِن کے متعلق خوف تھا کہ آنے والی نسلیں بالکل بھلا دیں۔ یا اُن کا چہرہ بگاڑ دیں۔ اِس تالیف میں اُن کو حسب موقعہ ذکر کر دیا گیا ۔

مَیں نے کوئی بھی واقعہ حوالہ معتبر کے بغیر نہیں لکھا۔ اَور وہ تمام حوالے حاشیہ پر درج کر دئے۔ یہاں پر مَیں نے امانت کا حق ادا کیا۔ بعض واقعات کا اعادہ اور اجمال کرنا پڑا۔ جس سے اُن میں جدت اَور تفصیل کی رُوح نہ رہی لیکن جن لوگوں کے دل تالیف کے درد سے آشنا ہیں۔ وہ مجھے معذور رکھینگے ۔

مَیں نے اِس پر چند سال دیدہ ریزی اَور خوشہ چینی میں بسر کئے۔ اِس پر

بھی مجھے اپنی تہی دستی پر افسوس آتا ہے۔ کہ صاحب سیرۃ کے محاسن کی تصویر کو اس آئینہ میں رونما کرنے سے قاصر رہا ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو زداماں گلہ دارد

تاہم مجھے تسلی ہے کہ اس چمنستانِ عرفان و جمال کی عطر بے زبان بہت کچھ اس گلدستہ میں موجود ہیں۔ جو عقیدت اور اخلاص کے ساتھ پیش کرتا ہوں ؎

چوں سرشتند زخاکِ قدمت طینتِ ما
چہ عجب گر بوزد بوئے تو از تربتِ ما

صالح محمد صالح
تونسہ شریف
۲۶ ردسمبر سنہ ۱۹۳۵ء

آغاز کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

جعفر قوم اور اُس کا اصلی وطن

کوہ سلیمان کی دو بلند ترین چوٹیوں "تخت سلیمان" اور "فورٹ منرو" کے درمیان تقریباً وسط میں ایک پہاڑ ہے جسے گڑگوجی کہتے ہیں۔ اس کے عین شمال مشرق میں ورگ کا وہ وسیع اور شاداب خطہ کوہستانی واقع ہے جسے بجا طور پر کوہ سلیمان کا قلب کہنا چاہئیے۔ گڑگوجی اس طویل کوہستان میں ریڑھ کی ہڈی کا کام دیتا ہے۔ ورگ۔ گڑگوجی اور اُس کے وسیع دامن۔ مناظرِ قدرت کی دلچسپیوں کا مرقع ہیں۔ جو بلحاظ اپنی سرسبزی اور نظر فریب گھاٹیوں کے تمام کوہستان میں ممتاز ہیں۔ عرب کی طرح پہاڑی اقوام بھی قبائل میں منقسم ہیں۔ یہاں قدیم الایام سے ایک قبیلہ آباد چلا آتا ہے۔ جو جعفر کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا مورثِ اعلیٰ "جعفر خاں" قوم کا پٹھان اور اپنے خاندان کا مشہور دلاور سردار تھا۔ جس کی ابتدائی سکونت مرانہ (کوہستان شیرانی) میں تھی۔ گزران کی قلت اور عیال کی کثرت سے تنگ آکر جعفر نے ملک گیری کا قصد کیا۔ اور اپنے خاندان کے دلیر نوجوانوں

کو ساتھ لے کر درگ تک آیا۔ اس وقت درگ میں "گھنہ" نام ایک ہندو حاکم حکمران تھا معمولی مقابلہ کے بعد گھنہ مارا گیا۔ اور باقی ہندو بھاگ کر راجہ سنگر کے پاس آکر پناہ گزین ہوئے۔ جس کی حکومت درگ کی نشیبی وادیوں سے لے کر دہ سنگھڑ تک پھیلی ہوئی تھی۔ جعفر نے سنگر کو بھی شکست فاش دی۔ اور اُسے اس کی قوم سمیت پہاڑ سے خارج کر کے درگ میں مستقل سکونت اختیار کی۔ جعفر کی تیسری پشت میں رحیم داد ایک بڑے کنبے کا شیخ تھا۔ جس کے چھ بیٹے تھے۔ اُس نے اپنے بیٹوں کے اصرار سے درگ پر قناعت نہ کر کے گڑ گوجی پر قبضہ کیا۔ اور اپنے باہمت بیٹوں کی مدد سے پہاڑ کاٹ کر گڑ گوجی میں میٹھے پانی کا چشمہ جاری کیا۔ یہاں پیر رحیم داد خاں کی نسل سے ایک قبیلہ چلا۔ جو "رمدانی" کہلاتا ہے۔ (رمدانی۔ رحیمدانی کا مخفف ہے) اس چشمہ کے متعلق مشہور ہے۔ کہ جب رحیم داد کے لڑکے پہاڑ کاٹ کر چشمے کو دُور تک لے آئے۔ تو رستہ میں ایک چٹان حائل ہو گئی۔ جس کے توڑنے کے لئے ان کے مضبوط بازو شل ہو گئے اور وہ جی ہار کر بیٹھ رہے۔ اتنے میں ایک چرواہے نے آکر اطلاع دی۔ کہ میں نے اس پہاڑ پر ایک بزرگ کو دیکھا۔ جس نے اپنے نیزے کی انی خشک زمین پر ماری۔ اور پانی ظاہر ہو گیا۔ اور اُس کے ساتھ اُس نے وضو کیا۔ یہ لوگ دوڑ کر اس پیر مرد کے پاس پہنچے۔ اور (روحانی) امداد طلب کی۔ آپ کے ہمراہ ایک گویا تھا۔ آپ نے دُور سے ایک تکبیر کہی اور گویّے نے اُن کے حکم سے نیزے کی انی چٹان پر دے ماری۔ خدا کی قدرت کہ چٹان کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اور پانی دو چشموں میں پھُوٹ کر بہنے لگا۔ یہ دونو چشمے اب تک جاری ہیں۔ یہ بزرگ حضرت سیّد ابن یمین تھے۔ جو بہت باکمال اور صاحب کرامت بزرگ ہو گزرے ہیں۔[۱] ان کا مزار گڑ گوجی میں اب تک مرجع خلائق ہے۔ دیوان ابن یمین (مطبوعہ) انہی کا عارفانہ کلام ہے۔ یہ روایت خواہ خوش اعتقادی کا

---

[۱] ملفوظ راحت العاشقین نسخہ قلمی کتب خانہ محمودیہ تونسہ شریف صفحات ۳۷ تا ۳۹ ۔

مبنی ہوتا ہم اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے۔ کہ رحیم داد سید ابن یمین کا ہمعصر تھا۔ جو جعفر کی تیسری پشت میں سے تھا۔ جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ جعفر قبیلہ سید ابن یمین کے زمانہ سے ایک صدی پیشتر درگ میں آ کر آباد ہوا بعض لوگ اس قبیلہ کو حضرت جعفر صادق رضؓ سے منسوب کرکے سید بتاتے ہیں +

پہاڑ اور عرفان

کوہستان کی زمین عموماً اور اس کا یہ خطہ خصوصاً انسان کو درجہ عرفان کے بہت قریب لے جاتا ہے۔ جوں جوں انسان اس کی چوٹیوں پر چڑھتا ہے۔ ظاہراً وہ خدا کے قریب جاتا نظر آتا ہے۔ اس کی ناہموار سنگلاخ زمینیں۔ گہرے پرعظمت غار ۔ اُس کے وسیع دامن انسانی معصیت کی آلودگیوں سے پاک ۔ اس کی سر بفلک چوٹیاں انسانی مکاریوں اور انسان نما شیطانوں کی بدکاریوں سے ناآشنا ہوتی ہیں۔ اس کی تازہ روح پرور ہوا میں انسان کے بدبودار اور زہر آلود سانسوں کی آمیزش نہیں ہوتی۔ الغرض فطرت اپنے تمام رازوں اور پاکیزگیوں کے ساتھ اس کی پُرمعنی اور ہیبت ناک خد و خال میں پنہاں ہوتی ہے۔ گویا خدا کی تمام حقیقتیں ان قدرتی برجوں کے اندر سربمہر ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام بڑے بڑے عارف پہاڑوں پر پیدا ہوئے۔ اور پہاڑوں کی بلند اور آزاد چوٹیوں کو عرفانِ حقیقی کا زینہ بنایا +

ہمارا تذکرہ بارھویں صدی ہجری کے آخر سے آغاز ہوتا ہے۔ اس وقت تک درگ اور گڑگوجی پر رہنے والی معدود ہستیاں اپنے گرد و پیش کی طرح تمام برائیوں سے آزاد تھے اور اُن کی سیرت میں فطری خوبیوں کے تمام خد و خال پورے طور سے نمایاں تھے۔ ان کی نگاہ قدرت کے ان معارف کے بغیر کہیں نہیں اُٹھتی تھی۔ ان کی سادہ زندگی ابلیسی چالوں سے محض ناآشنا تھی۔ یہ چند مقدس ہستیاں قدرتی چشموں سے سیراب اور اپنے مالک کی بے انتہا نعمتوں سے شاداب ہو کر شکریۂ حق کے سوا کچھ نہیں جانتی تھیں۔ گویا فطرت

کہ ان قدرتی مناظر نے ان کی نگاہ کو عرفان کے لئے خاص کر رکھا تھا۔
چنانچہ اس آخری زمانہ تک سب کے سب زن و مرد عابد۔ تہجد گزار
پاک باز۔ دیندار اور اسلام کی سادہ اور پاکیزہ زندگی کا نمونہ تھے۔ پہاڑ کی
اس پتھریلی زمین میں ہزاروں لعل بے بہا پوشیدہ تھے۔ جو بسا اوقات چمکے
اور چمک کر خاک میں مل گئے۔ سینکڑوں خوشنما پھول کھلے اور کھل کر مرجھا گئے

واقف نشد کسے ز خزان و بہارِ ما
مانندِ گلبنے کہ بہ ویرانہ بود ہد

ان کی چمک دمک اور مہک لہک کا دائرہ اثر صرف یہی سنگلاخ وادیاں ہیں
اور دنیا کو ان کے فیض سے بہرہ یاب ہونے کا موقع نہ ملا۔
لیکن مادہ موجود تھا۔ آخر قدرت نے اس سنگلاخ وادی سے ایسا ہیرا
چمکایا جس نے آفتاب و ماہتاب کی روشنی کو شرمایا۔ یہ ہیرا وہ کوہِ نور ثابت
ہوا جس نے سب نورانی چہروں کو ماند اور دیکھنے والی آنکھوں کو چکاچوند
کر دیا۔ اس کا اُجالا دنیا میں پھیلا۔ مغرب سے مشرق تک آفاق میں چمکا۔
معارف اور دقائق کے وہ راز عالم آشکارا کئے جن سے سینے خالی ہو چکے
تھے۔ ہدایت اور رحمت کے وہ چشمے بہائے جن سے دنیا قیامت تک
سیراب رہے گی

ہماں نورِ جہاں آرا کہ شد اندر عرب پیدا
ہماںا در عجب ہم آمد بہ کہ دفترِّ افغانی

نام اور خاندانی حالات

آپ کا نام نامی "سلیمان" جو بعد میں حضرت خواجہ محمد سلیمان کے نام سے ملقب ہوئے۔ والد کا نام زکریا بن "عبد الوہاب" بن "عمر" بن "خان محمد"۔ والدہ بی بی زلیخا۔ جو زکریا کے اپنے خاندان کی مایۂ ناز خاتون تھیں۔ آپ ۱۱۸۳ھ مطابق ۱۷۶۹ء کوہستان گڑگوجی میں پیدا ہوئے۔ زکریا اس جعفر قبیلہ کے سردار تھے۔

جو ربدانی سالارانی کہلاتا ہے۔ تمام قبائل جعفر میں زکریا کا خاندان شرافتِ نسبی کے اعتبار سے مشہور اور علم وفضل کا گھرانہ تھا۔ افغانوں کے پہاڑی قبائل کے نام زن و مرد عجیب طرح بلانہ اور اوٹ پٹانگ سے ہوتے ہیں۔ لیکن پانچ پشتوں تک آپ کے آباؤ اجداد کے اسماء الرّجال پر غور کی جائے تو قدیم سے اس قبیلہ کا تعلق علم اور تہذیب سے نظر آتا ہے۔ چنانچہ آپ کے خاندان کے دُوسرے نام یہ ہیں۔ بھائی یوسف جو عالمِ شباب میں راہئے ملکِ بقا ہوئے۔ آپ کی چار بہنیں۔ بی بی حلیمہ۔ بی بی فاطمہ۔ بی بی حوّا۔ بی بی بائی تھیں۔ جو اپنے ہم کفو جعفروں سے بیاہی گئیں۔ بی بی حلیمہ کے خاوند کا نام اسمٰعیل۔ بی بی حوّا کے شوہر کا نام الیاس تھا۔ بی بی فاطمہ کے شوہر محمدؐ۔ اور بی بی بائی کے والی ابراہیم تھے[1]۔

یہ نام ظاہر کرتے ہیں کہ جدِّ امجد علمی مذاق کے آدمی تھے اور قبائلِ درگ میں آپ کا سارا خاندان شعور اور مراتب علمی کے اعتبار سے طغرائے امتیاز رکھتا تھا۔

آپ کا نام شروع میں مانہ مشہور تھا۔ جو سلیمان کا مخفف ہے۔ یہ عرف زمانہ یتیمی سے عالمِ شباب تک آپ کے ہمراہ رہا۔ پہاڑی اقوام میں عادت ہے کہ وہ دُوسروں کے نام کو بدل کر پکارتے ہیں۔ مفلسی اور یتیمی تغیرِ نام کا زیادہ باعث ہوتی ہے۔ آپ نے بھی یہ نام یتیمی سے لیا۔ جس کو آخر کار اُن کے قدر شناس پیر نے درست کر دیا۔

بشارات بی بی زلیخا صاحبہ فرماتی ہیں کہ ہم گھر میں تھے کہ ایک فقیر سُرخ رُو۔ سفید مُو قلندرانہ لباس میں دروازہ پر آیا۔ اور دستک دی صاحبِ خانہ باہر نکلے پُوچھا کہ یہ کس کا مکان ہے؟ آپ نے مناسب جواب دیا۔ فرمایا۔ تمہیں مبارک ہو۔ کہ تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے۔ جو

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۴۱۔

قطب الاقطاب ۔ بہت بابرکت اور صاحب لنگر ہوگا ۔ دنیا اُس کے ظاہری اور باطنی فیوض سے بہرہ یاب ہوگی ۔ قیامت تک اُس کا فیض جاری رہے گا ۔ جا ، اور جو کچھ کہ حاضر ہے ۔ لا ۔ تاکہ میں بھی اُس کے لنگر سے تبرک حاصل کروں ۔ مبادا کہ اُن کے ظہور سے پہلے میری زندگی کا چراغ گل ہو جائے ۔ آپ تازہ طعام پکوا کر لائے اور اُس بزرگ نے چند لقمے تناول فرمائے[1] ۔

آپ کی پیدائش کے بعد ایک فقیر آیا ۔ پوچھا کہ یہاں کس کے گھر میں لڑکا پیدا ہؤا ہے ، لوگوں نے پتہ دیا ۔ اور معصوم کے تمام جسم مبارک کو ادب سے چوما ۔ اور کہنے لگا کہ مبارک ہو کہ یہ بچہ غوث الاعظم منبع انوار ہوگا[2] ۔

صاحب مناقب المحبوبین لکھتے ہیں کہ گڑگوجی میں ایک چشمہ تھا ۔ جس پر جعفر قوم کی عورتیں پانی لانے کیلئے آیا کرتی تھیں ۔ ایک شخص فقیرانہ لباس میں آیا ۔ اور تھر پر بیٹھ گیا ۔ بی بی صاحبہ جب پانی لانے کیلئے آتیں ۔ تو با ادب کھڑا ہو جاتا ۔ اور جب آنکھ سے اوجھل ہو جاتیں ، بیٹھ جاتا ۔ لوگوں نے پہلے اُسے جھڑکا ۔ مگر پھر اُس نے بیان کیا کہ میں اس قطب الاقطاب کی تعظیم کرتا ہوں جو اِس بی بی صاحبہ کے بُرج حمل میں جلوہ افروز ہے[3] ۔

یہ تینوں واقعے الگ الگ ہیں ۔ جو مختلف اوقات میں ظاہر ہوئے[4] ۔ ظہور واقعہ کے بعد ایسی روایات کا عوام میں پھیل جانا خالی از تعجب نہیں ہؤا کرتا ۔ لیکن یہ تینوں واقعے آپ کے حصولِ نعمت اور مجاہدے سے پہلے پھیل چکے تھے ۔ پہلا واقعہ جناب مائی صاحبہ کی زبانی گھر میں اب تک سینہ بسینہ روایت ہوتا آیا ہے ۔ والدہ صاحبہ کی ثقہ بیانی میں کچھ شبہ نہیں ۔ اور روایت کی صحت تواتر کے ساتھ ثابت ہے ۔

اُس وقت پہاڑ ایک مردم خیز خطہ تھا ۔ عام سے عام آدمی بھی اپنے معمولی

---

[1] منتخب صفحہ ۴ ۔ [2] مناقب سلیمانی صفحہ ۱۲ ۔ [3] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۴۱

[4] یہی خیال صاحب مناقب المحبوبین کا ہے ۔ دیکھو صفحہ مناقب المحبوبین ۔

کاروبار زندگی میں رہ کر عارف باللہ تھے ۔

صاحب منتخب لکھتے ہیں۔ کہ میں ایک دن آپ کی مجلس میں حاضر تھا۔ درگ کے متعلق ذکر ہو رہا تھا۔ کہ وہ بہت مردم خیز خطہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پہاڑ میں بہت سے صاحب نسبت بزرگ رہتے ہیں۔ کہ کسی کو اُن کے حال کی اطلاع نہیں ہوتی۔ چنانچہ میں چھوٹا سا لڑکا تھا۔ ایک شخص درگ میں رہتا تھا۔ جو نائی کا کام کیا کرتا تھا۔ ظاہری علوم سے محض اُمّی تھا۔ صرف قرآن شریف کے پانچ سیپارے بطور ناظرہ پڑھا ہوا تھا۔ اُسے میرے سر کے بال مونڈنے کا بڑا خیال رہتا تھا۔ مگر میرا سر دُکھتا تھا۔ اس لئے میں اُسے دیکھ کر بھاگ جاتا تھا۔ اور اُسے اپنے پاس نہ آنے دیتا تھا۔ جب وہ میرے پاس آنے کی کوشش کرتا۔ تو میں اُسے پتھر مارتا۔ وہ مجھے کھانے پینے کی مختلف چیزیں دکھاتا۔ دلاسا دیتا۔ اور پکڑنے کی کوشش کرتا۔ اور جس حیلہ سے کہ ممکن ہوتا۔ پکڑ کر میرے سر کے بال مونڈ لیتا تھا۔ اس کا یہ کام میرے حق میں لوگوں کے لئے عجیب تھا۔ جب لوگ اس کی اتنی کوشش میرے حق میں دیکھتے۔ تو اُسے ملامت کرتے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا تجھے کیا حاجت ہے۔ کہ زکریا کے بیٹے کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے؟ اُس نے کہا مجھے اس کے ساتھ کچھ حاجت نہیں۔ مگر یہ کہ وہ میرا جنازہ پڑھے گا۔ میرے لئے دُعائے مغفرت کریگا۔ اور اُس کی دعا کی برکت سے مجھے نجات ہوگی ۔

مدت مدید کے بعد میں ایک روز سندھ سے اپنے وطن مالوف ستانگھر ڈکو واپس آ رہا تھا۔ یاران خاں نام ایک جعفر میرے ہمراہ تھا۔ ایک پہاڑی سے لوگوں کی گفتگو کی آواز ہمارے کانوں میں پہنچی۔ یاران خاں نے کہا۔ تم یہاں ٹھیر جاؤ۔ میں جا کر دیکھوں کہ یہ کون لوگ ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ بلوچ ہیں۔ جو ڈاکہ مارنے کے لئے آ رہے ہیں۔ اس لئے میں ایک پتھر کے پیچھے ہو بیٹھا۔ یاران خاں واپس آیا اور کہا آؤ۔ کوئی اندیشہ نہیں۔ کیونکہ یہ جعفر لوگ ہیں جب

ہم پاس پہنچے تو دیکھا کہ چند آدمی جنازہ لئے کھڑے ہیں۔ اور امام کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہم نے پوچھا کہ یہ میّت کس کی ہے؟ لوگوں نے اس حجام کا نام لیا جو بچپن میں میری حجامت کیا کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ میرے جنازے کا امام یہی لڑکا ہوگا۔ مَیں نے نماز جنازہ کی امامت کی۔ اُسے دفن کیا۔ اور دُعائے مغفرت کی ؛

صاحب مناقب لکھتے ہیں۔ کہ جس شخص نے حجام سے پوچھا تھا۔ کہ کیا فائدہ ہے کہ تم اس لڑکے کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہو۔ وہ اس جنازے میں موجود تھا۔ وہ کہتا تھا کہ جب ہم جنازہ لائے ہوئے امام کی انتظار کر رہے تھے۔ تو مجھے اس شخص کی پیشینگوئی یاد آئی۔ چونکہ حضور عرصہ سے اپنے وطن مالوف سے غائب تھے۔ ان کے آنے اور نماز جنازہ پڑھنے کا قیاس تک نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے مجھے انکار پیدا ہوا۔ کہ آپ اِتنے میں تشریف لائے۔ مجھے اس وقت حق الیقین ہو گیا کہ وہ بزرگ صاحب نسبت عارف تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؛

جہاں اس قصّہ سے حجام کی نسبت صاحب نسبت اور عارف کامل ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ کس قدر آسانی کے ساتھ آپ کے آنیوالے کمال کی بشارت کا پتہ چلتا ہے۔ آنسرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی سیرت میں بحیرہ راہب کا قصّہ اسی قسم کا ہے۔ جو عام طور پر مذکور ہے ؛

تونسہ شریف میں میاں محمد جعفر عرف مَدَّڑ ایک شخص رہا کرتا تھا۔ جسے آنحضور استادزادہ پکار کر اس پر بے حد نوازش فرمایا کرتے تھے۔ ان کے والد ماجد حاجی صاحب درگ میں حضرت کے استاد تھے۔ حضور اپنی زبان دُرفشاں سے حاجی[1] صاحب کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ جو مؤلف مناقب کے والد نے اپنے

[1] سب کے سب ملفوظوں کی ورق گردانی کے باوجود حاجی صاحب کا اصلی نام معلوم نہیں ہو سکا۔ ان کی اولاد میں مَدَّڑ خاندان کے چند آدمی تونسہ میں ملتے ہیں۔ مگر وہ بھی اپنے جد امجد کے نام سے لاعلم ہیں ؛

کانوں سے سنا۔ اور مؤلف کو سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ میں بچپن میں پند نامہ شیخ عطار حاجی صاحب سے پڑھا کرتا تھا۔ اور ان کے ہاں رہا کرتا تھا۔ حاجی صاحب کھانا۔ کپڑا مجھے گھر سے دیا کرتے تھے۔ انہوں نے چند آسان سی خدمات میرے سپرد کر رکھی تھیں۔ چنانچہ میں وقتِ تعلیم کے بعد اُن کے بچھڑے لے کر جاتا۔ اور چرالاتا تھا۔ وہ بوڑھے آدمی تھے۔ ان کی عورت جوان اور بدخو تھی۔ وہ مجھے خواہ مخواہ تنگ کیا کرتی تھی۔ ایک دن وہ دلیا پکا رہی تھی۔ کسی معاملہ پر بات بڑھ گئی۔ میں نے پتھر کھینچ مارا۔ ہنڈیا ٹوٹ گئی۔ میں ڈر سے بھاگا اور ایک درخت کے پاس جا کر ملول بیٹھ رہا۔ حاجی صاحب جب گھر تشریف لائے تو میرے بھاگ جانے کا حال اُن کو معلوم ہوا۔ میرے پیچھے دوڑے اور مجھے اس تنہائی میں پا کر بے حد رحمت اور شفقت فرمائی۔ مجھے منالائے۔ اور پھر سندھ کی طرف طلبِ علم کے لئے روانہ ہونے کی ہدایت کی۔ فرمایا تم بہت خوش نصیب ہو۔ علوم ظاہری اور کمالِ باطنی تمہارے پاؤں چومیں گے۔ دنیا کے بزرگ اور حاکم تمہارے زیرِ نگیں ہوں گے۔ میں اُس وقت سے پہلے مر جاؤنگا۔ یہ عورت دوسرا خاوند کریگی۔ میرے تمام مال اور اولاد کو ضائع کر دیگی۔ جب خدا کی مدد تیری دستگیری کرے تو میرے بیٹے کو اپنے دامنِ عاطفت میں لانا۔ اس کا مال واپس دلانا۔ اس کی ہر طرح خبرگیری کرنا۔ اس کے ایمان کی حفاظت کرنا۔ اسی طرح میرے واقعاتِ زندگی کے متعلق بھی بہت سی پیشینگوئیاں فرماتے گئے۔ چنانچہ جب مجھے کوئی واقعہ پیش آتا تو مجھے فوراً حاجی صاحب یاد آتے ؛

صاحب مناقب لکھتے ہیں۔ کہ آپ نے اپنے بزرگ اُستاد کی وصیت کو کماحقہٗ سرانجام دیا۔ چنانچہ قیام تونسہ میں اُس کے بیٹے کو ہمراہ لائے اور بے حد عنایات کیں وہ آستانِ فیض نشان پر نہایت آسودہ زندگی بسر کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ حضور کے روبرو فوت ہوا۔ وفات کے وقت آپ اس کے بالیں پر گئے۔ ایمان تلقین کیا اور آہستہ سے فرمایا کہ تمہارے باپ کی آخری وصیت یہ تھی۔ جو

ہیں نے پوری کر دی ۔ فی امان اللہ کہ کر رخصت ہوئے ۔ ابھی رستے میں تھے کہ
اُس نے جان بحق تسلیم کی[۱] ؀

چونکہ پہاڑی لوگوں کے زہد اور ورع کا ذکر آ گیا ہے ایک اور روایت خالی از دلچسپی ہو گی ۔ کتاب نافع السالکین میں آپ کی زبانی مروی ہے ۔ کہ ہمارے وطن پہاڑ میں جعفر قوم سے ایک مرد تھا ۔ عالم اور فقیہہ ۔ ایک شخص کسی شرعی مسئلہ کے پوچھنے کے لئے ان کی خدمت میں آیا ۔ دیکھا کہ وہ ہل چلانے میں مصروف ہے ۔ سائل نے اُس کا ہل اپنے ہاتھ میں پکڑنے کا ارادہ کیا تاکہ مدد دے ۔ عالم نے اُس کی وجہ پوچھی ۔ سائل نے اپنی غرض و غایت بیان کی ۔ آپ بہت برہم ہوئے ۔ اور جس لکڑی سے بیل ہانک رہے تھے ۔ اُس کے ساتھ اُسے پیٹنے لگے ۔ کہا دور ہو ۔ تو مجھے اس ذرا سی رشوت میں ملوث کرنا چاہتا ہے ۔ جب کام سے فارغ ہو لونگا ۔ تو تجھے مسئلہ شرعی بتلاؤنگا ۔ اللہ اللہ کس قدر زہد اور اتقا تھا ۔ جب یہ کیفیت تھی تو آپ جیسے مردانِ کامل کا پیدا ہونا تعجب خیز نہیں ؀

عالم طفولیت اور تحصیل علم

جیسا کہ عادت الٰہی جاری ہے ۔ آپ کی پیدائش سے تھوڑے دنوں بعد شفیق باپ کا سایہ ان کے سر سے اُٹھ گیا ۔ وہ دُرِ یتیم ہو کر تنہا مادرِ مشفق کی گود میں پلنے لگے ۔ شریف ماں پر یہ زمانہ بے حد عسرت کا تھا ۔ جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی ۔ تو لائق ماں نے اِس تنگی اور پریشانی کے باوجود آپ کو حافظ قرآن کے سپرد کیا ۔ مُلّا یوسف جعفر صرف پندرہ سیپارے کلام مجید کے حافظ تھے ۔ آپ نے ابتدائی پندرہ سیپارے ان سے حفظ کئے ۔ پھر حاجی صاحب کی شاگردی میں داخل ہوئے ۔ جو اِن دنوں پہاڑ میں ایک باخدا شخص تھے ۔ یہی حاجی صاحب ہیں ۔ جنہوں نے آپ کی نسبت آپ کے آئندہ کمالات کی پیشینگوئی فرمائی تھی ۔ حاجی صاحب نہ صرف اُن کے اُستاد تھے بلکہ مُربی بھی تھے ۔ کھانا ۔ پہننا اپنے ہاں سے دیتے ۔ اور فارغ اوقات میں

[۱] منتخب المناقب مطبوعہ صفحہ ۶ - ۷ ؀

ان سے بچھڑے چرانے کی خدمت لیتے تھے۔ یا لم قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد
پندنامہ شیخ عطار تک اُن کی خدمت میں پڑھا۔ اِس کے بعد حاجی صاحب نے اُن کو
چند ارشادات کے ساتھ دامنِ پہاڑ (علاقہ سنگھڑ) میں تحصیل علم کے لئے بھیج دیا۔
حاجی صاحب سے جُدا ہونے کی وجہ صاحب مناقب المحبوبین نے اس کی عورت
کی بدخوئی اور ہنڈیا کے توڑنے کا واقعہ قرار دی ہے۔ مگر یہ واقعہ آپ کے سنگھڑ
(تونسہ) میں آنے کا باعث نہیں ہوا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ خود حاجی صاحب
پندنامہ سے زائد علم پڑھانے سے قاصر تھے۔ اور آپ کے نصیبۂ ازلی اور جوہر
ذاتی سے بخوبی واقف تھے وہ چاہتے تھے کہ گلشن معرفت کا یہ سدا بہار پھول
علوم ظاہری کی کامل آبیاری میں پروان چڑھے۔ سنگھڑ میں چونکہ علم کا چرچا تھا۔
اُن کو وہاں جانے کی ترغیب دی۔ عقلمند ماں کی تلقین اور شفیق اُستاد کی ترغیب
آپ کو پہاڑ کی بلندی سے دامنِ پہاڑ کی پستی میں لے آئی۔ اس جستجو نے صرف آٹھ
برس کی عمر میں اُن کو مصیبت زدہ ماں کی آغوش محبّت سے جُدا کیا۔ اس کے
بعد علم کی یہ پیاس آپ کو مختلف گھاٹوں پہ لے گئی۔ اور گھر واپس نہ آئے۔
جب تک عشقِ الٰہی کی لہر نے آکر اسے نہ بجھایا۔ غرض آٹھ برس کی عمر میں اپنے
وطن مالوف کو خیرباد کہہ کر اوّل تونسہ (تحصیل سنگھڑ) میں آئے۔ جہاں آکر میاں
حسن علی کے حلقۂ درس میں داخل ہوئے۔ جو ان دنوں تونسہ کی ایک مسجد[1] میں فارسی
نثر کا درس دیتے تھے۔ پیارے شاگرد کی آزاد فطرت اور پاکیزہ سیرت یہاں بھی
کام آئی۔ اُس نے اُستاد کے دل پر جادو کا کام کیا۔ اپنا مربیانہ ہاتھ اُن کے
سر پر رکھا۔ اور کھانے پہننے کی ضرورت سے بے نیاز کر کے ان کا وقت تحصیل علم
کے لئے فارغ کر دیا۔ کچھ عرصہ قیام کیا۔ اور یہاں رہ کر فارسی نثر کی مروجہ کتابیں
ختم کیں۔ پھر نظم فارسی کے لئے آپ تونسہ چھوڑ کر میاں ولی محمدؒ ارائیں کے

---

[1] یہ مسجد بغیر قبہ عرف بگی مسیت کے نام سے تونسہ کے جنوب میں واقع تھی۔ جہاں اب پہاڑی نالہ کا طاس ہے۔
گاؤں کا یہ حصہ پہاڑی نالہ سے منہدم ہو گیا تھا۔ مسجد کے متولی نے مسجد کا سامان اٹھا کر اسے گاؤں
کے شمال میں تعمیر کیا۔ جو اب تک موجود ہے۔ اور اب بھی اسی نام سے موسوم ہے۔

حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ جو دریائے سندھ کے کنارے لانگہ نام ایک بستی میں پڑھایا کرتے تھے۔

علومِ ظاہری کی جستجو کشاں کشاں آپ کو کوٹ مٹھن تک لے گئی۔ جو انتہائے مغرب میں پنج ند کے کنارے ایک خوش منظر مقام ہے۔ اس وقت کوٹ مٹھن میں علم کا دریا بہ رہا تھا۔ وہاں قاضی عاقل محمد صاحب مرید خاص اور مجاز عام خواجہ نور محمد صاحب مہاروی رحمۃ اللہ علیہ افادہ خلائق کے لئے مرجع خلائق بنے ہوئے تھے۔ ان کے فرزند ہوشمند قاضی احمد علی صاحب متبحر عالم تھے۔ جن کی برکت سے وہاں ایک مدرسۃ العلوم (کالج) قائم تھا۔ جس میں علوم معقول اور منقول عربیہ دینیہ کی انتہائی تعلیم دی جاتی تھی قاضی احمد علی صاحب خود اس مدرسہ کے صدر مدرس تھے۔ وہاں آپ نے عربی پڑھنا شروع کیا۔ قطبی تک آپ نے وہاں تعلیم پائی[1]۔

بچپن کے اخلاق خدا کی شان ہے کہ وہ مصوّرِ فطرت جو تصویر اپنے لئے خاص کرتا ہے اس کے خط و خال کے رنگ روپ باقی چہروں سے الگ نمایاں کر دیتا ہے۔ بچپن ہی سے نظر آتا تھا کہ آپ کی فطرت مشیّت کا پوشیدہ راز اپنے اندر رکھتی ہے۔

ان کی اوائل عمر کی سیدھی سادہ طرز زندگی میں ایک عجیب طرح کی معشوقیت اور لاابالی پن تھا۔ بچپن میں وہ کسی چیز کے مالک نہ تھے۔ مگر جیب اور جو کچھ ہاتھ لگتا دوسروں کو دے دیتے تھے۔ مبدء فیاض سے عجب سیر چشمی اور بلند نظری لے کر آئے تھے کہ متواتر فاقوں اور بے حد ضرورت کے موقعوں پر بھی اپنی چیز دوسروں کو بخشدی۔ جب آپ چار برس کے ہوئے تو ماں نے دو گائیں خرید دیں۔ تاکہ ان کا گھی بیچ کر کنبہ کا گزارہ کرے۔ آپ دن بھر گائیں چراتے اور رات کو واپس آتے۔ لیکن جب موقعہ پاتے ان کا گھی اور دودھ اٹھا کر مسکینوں اور غریبوں میں بانٹ آتے[2]۔

ایک دفعہ مکتب میں تھے۔ استاد میاں حسن علی نے آپ کو مزدوری کے لئے

---

[1] مناقب المحبوبین مطبوعہ صفحہ ۱۵۲۔ [2] مناقب سلیمانی صفحہ ۱۳۔

بھیجا۔ تاکہ چند روز کی دست مزد سے آپ کے اخراجات تعلیم کی کفالت ہو سکے۔ پہلے دن جو کچھ مزدوری ملی اُس کا آٹا خرید کیا۔ چودہ روٹیاں پکوائیں۔ ایک آدھ آپ کھائی۔ باقی لوگوں میں بانٹ دیں۔ اَور خالی ہاتھ واپس آئے[1]۔

جن دنوں آپ سفر دہلی میں تھے۔ حد درجہ کا قحط تھا۔ ایک روپیہ کہیں سے ملا۔ کسی نے مانگا اُسے دے دیا۔ اسی سفر میں بیش قیمت ہنڈی ملی۔ تو لیتے ہم سفر کو بخش دی۔ یہ انعامات تفصیل سے آگے مذکور ہونگے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بچپن سے ہی امانت اور دیانت میں آپ کا نام مشہور ہو گیا تھا۔ چنانچہ جب آپ میاں حسن علی کے مکتب میں پڑھتے تھے تو لوگ اپنی امانتیں اُن کے پاس چھوڑ جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مسافر مسجد کے کسی طاقچہ میں گیارہ روپے نقد چھوڑ گیا۔ جب بہت مدّت کے بعد واپس آیا تو آپ نے یہ نقدی اُسے گن کر دے دی[2]۔

مبدءِ فیاض نے اُن کو جو آزاد فطرت بخشی تھی۔ اور جس آزاد خطہ میں آپ کی نشو و نما ہوئی تھی وہ لجاجت اور بھکیارہ پن سے کوسوں دُور تھی۔ ناتے پہ فاقے کرتے۔ مگر کسی کے آگے دست سوال دراز نہ کرتے۔ آپ کے اُستاد کا قول تھا کہ روہیلہ کو گداگری نہیں آتی[3]۔

طبیعت میں بے حد قناعت اور صبوری تھی۔ اِس لئے کچھ آگیا۔ تو کھا لیا۔ ورنہ پڑے رہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میاں حسن علی کے مکتب میں مجھے ایک ہمسایہ کے گھر سے نانِ وظیفہ[4] ملتی تھی۔ ہمسایہ کے گھر میں ایک کتا تھا۔ جو مجھے بہت ستاتا تھا۔ مَیں ایک ٹیلہ سے جھانکا کرتا۔ اگر کتا گھر پر نہ ہوتا۔ تو جاتا۔ اور نانِ وظیفہ لے آتا۔ ورنہ پڑا رہتا۔ آستانِ نوری پر جن دنوں آپ سالکانہ زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ لانگری (اقسام طعام) کو بے غوری کا حکم تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۳۔ [2] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۷۱۔ [3] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۷۵۔
[4] اس زمانہ کا دستور تھا کہ مکتب کے مستحق طلبا کو الگ الگ گھروں کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ جن سے کہ وہ بلا ناغہ روٹی لایا کرتے تھے۔ اس روٹی کو نانِ وظیفہ سے موسوم کرتے تھے۔

جاتا تو وہ بدسلوکی سے پیش آتا۔ اور میرے برتن کو ٹھکرا دیتا۔ مَیں لوٹ آتا اور پڑا رہتا۔ اِسی طرح کبھی کبھی روز فاقہ میں گذر جاتے[1]۔

کسی سخت سے سخت تکلیف کو آپ خفیف سا محسوس کرتے۔ ایک دفعہ پاؤں پر بچھو نے کاٹا۔ کانٹا سمجھ کر چل دیئے[2]۔ دلیری اور توکل کے باعث سندھ جیسے مہیب دریا کے گہرے نالوں سے۔ برج کی چوٹیوں سے، گہری خندقوں میں حسب ضرورت کودنے سے دریغ نہ کیا۔

ایک دفعہ آپ کے اُستاد نے ایک قریشی طالب علم کے ساتھ انہیں بھیجا۔ کہ دریائے سندھ کے پار جا کر فلاں کتاب لے آؤ۔ آپ فرماتے ہیں ساون کا مہینہ تھا۔ رستہ میں گہرا نالہ حائل ہو گیا۔ ہم دونوں تیرنا نہیں جانتے تھے۔ مَیں نے کنارے کے ایک درخت پر چڑھ کر زور سے پھلانگ لگائی اور پار ہو گیا[3]۔

ایسا ہی جب آپ پر اپنے پیر کی زیارت کا جذبہ غالب ہؤا۔ تو کوہ درگ کی اونچی فصیل سے ایک غار اور گہری خندق میں کود پڑے۔ جسے عالم سلوک میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

بچپن ہی سے تحصیل علم کا یہ شوق تھا۔ کہ اس کے حصول میں مادرِ مشفق کی تمام انتہائی پریشانیوں سے پیٹھ پھیر لی۔ آٹھ سال کی عمر میں بچھڑے اور بلوغت تک واپس نہ گئے۔ جب تک ان کو اپنے پیشوا نے مجبور نہ کیا۔ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ بچپن سے ہی آپ کے ارادے بلند اور عزم راسخ تھا۔ اُن کے اُستاد میاں ولی محمدؒ کا چھوٹا بھائی میاں تقی محمدؒ ان کا ہم درس تھا۔ اس سے وعدہ کیا کہ اگر مَیں بادشاہ بن گیا تو تمہیں وزیر بناؤنگا۔ آخرکار جب سلطنتِ روحانی کے وارث ہوئے۔ تو اسے بُلا کر اپنا وعدہ پُورا کیا[4]۔

عالم طفولیت سے ہی راسخ العقیدت اور مستجاب الدعوات مشہور تھے۔ جب

---

[1] تفصیل ملاحظہ ہو نرمانہ سلوک دی ہدایت نامہ۔ [2] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۴۶۔
[3] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۵۰۔ [4] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۹۳۔

آپ بستی لانگ میں میاں ولی محمدؒ کی مسجد میں پڑھتے تھے۔ ایک ہندو دکاندار کی لڑکی (مادرزاد) شل تھی۔ وہ آپ کے پاس آیا۔ اور دعا مانگی۔ فرمایا۔ ہمیشہ اس مسجد میں جھاڑو دیا کرو۔ اور رات کو روشنی کیا کرو۔ تمہاری لڑکی کو آرام ہو جائیگا۔ اس نے تعمیل کی۔ خدا نے لڑکی کو شفا دی[1]۔

شروع سے آپ کے بشرہ سے رُشد اور سعادت کے آثار ٹپکتے تھے۔ آپ نہایت مقبول صورت اور پسندیدہ سیرت تھے۔ چنانچہ جب پہلی دفعہ ان کو اپنے پیر روشن ضمیر نے دیکھا۔ تو فرمایا "آں بسیار بلند ہمت و وسیع نہمت بنظر مے آید[2]" (بیشک بڑا عالی ہمت اور بلند ارادہ شخص معلوم ہوتا ہے)۔

یہ ہے آپ کے بچپن کی سیرت کی ابتدائی تصویر اور اُس کے ممتاز خط و خال سچ ہے ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی　　　مے تافت ستارۂ بلندی

تلاشِ محبوب

ابھی آپ نے صحیفۂ حیات کا پندرھواں ورق نہیں اُلٹا تھا کہ اوجِ معرفت کا یہ شہباز بلند پرواز اس شکاری کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ جس کی تلاش میں وہ مدت سے سرگرداں و پریشان تھا۔ یہی شہباز تھا جس کے کمال کی بشارت اس خدا نما کامل نے حضرت مولانا فخر الدینؒ سے سُنی تھی۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے۔ کہ سلسلہ چشتیہ کے بہت بڑے بزرگ حضرت فخر الدین محمدؒ اورنگ آبادی دہلی میں علوم ظاہری اور باطنی کے فردِ کامل تھے۔ ان کی وجہ سے دہلی انوارِ الٰہی کا مرکز بن رہی تھی۔ مولانائے فخر کا آستانہ رازہائے نبوت کا کاشانہ تھا۔ یہ قدوسی صفت عارف دنیاداری کے لباس میں معرفت کے دریا مشرق سے مغرب کو بہا رہا تھا۔ اور گلشن معرفت کا یہ پھول چار دانگ عالم میں اپنی بہاریں لٹا رہا تھا۔ اُنھوں نے اپنے خلیفہ اعظم خواجہ نور محمد صاحب[3] مہاروی

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۵۰۔　[2] صفحہ ۱۱ منتخب۔

[3] آپ کا لقب تصنیف سایُں اور ملفوظوں میں قبلہ عالم درج ہے۔ اس لئے اس کتاب میں جب قبلہ عالم کا نام آئے۔ اس سے مراد خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

(ریاست بہاول پور) کو ایما کیا۔ کہ کوہستان سلیمان کی بلند چوٹیوں پر ایک شہباز بلند پرواز ہے۔ کہ اگر اسے ہاتھ میں لاکر سدھا دیا جائے تو اسکی پرواز سدرۃ المنتہیٰ تک ہوگی۔ آپ نے صراحتاً فرما دیا۔ کہ (فلاں شکل میں) کوہستان سلیمان کا ایک روہیلہ فقیر ہے۔ جو ملک سلیمان کا وارث ہوگا۔ نصیبۂ ازلی اس کی تلاش میں اور عاشق سرمدی اس محبوب ازلی کیلئے بےقرار ہے۔ جاؤ اور جتنی جلدی ممکن ہو اس گوہر مقصود کو ہاتھ میں لاؤ۔ اس بنا پر ان کو ریگستان مہاران میں رہ کر تشنہ لبی تھی۔ اور نعمت کی اتنی سیرابی کے باوجود وہ پیاسے تھے۔ روحانیت کے ہزاروں متلاشی ان کی بارگاہ میں آتے۔ اور حصہ پاتے۔ مگر جس محبوب کی تلاش ان کو تھی۔ وہ آنکھوں سے اوجھل تھا۔ ہر سال ملک مغرب کو سفر کرتے کہ شاید وہ گوہر مقصود ہاتھ لگے۔ میاں نور محمدؒ نارووالہ کو (جن کے حلقۂ ارادت میں سنگھڑ کے لوگ تھے) حکم تھا کہ اگر مغربی پہاڑوں سے یہ شہباز بلند پرواز پکڑ لاؤ گے۔ تو رضائے مرشدی کا تمغہ تمہارے بازوئے سعادت پر بندھے گا۔ لیکن انہیں شاید خبر نہ تھی۔ کہ جس معشوق ناز کی تڑپ ان کو ہے وہ آپکے قریب (کوٹ مٹھن) میں علوم ظاہری کی گود میں پل رہے ہیں[1] ؏

امر معروف کا عزم ادھر یہ حال کہ ان دنوں افغانی خون رگوں میں اُبل رہا تھا۔ کامل فطرت کی صحیح تربیت نے آپ کی حرارت مذہبی اور خلاقی جرأت میں آگ لگا دی تھی۔ یہاں تک کہ کسی خلاف شریعت کام کو دیکھ کر برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ اس لئے ایک تیز چھری بغل میں دبا رکھی تھی۔ جہاں زبان سے اصلاح نہ ہو سکتی تھی۔ اس سے کام لیتے۔ ایک دن کوٹ مٹھن میں ایک لونڈہ ناچ رہا تھا۔ اور لوگ اس کے تماشا دیکھنے کیلئے جمع تھے۔ جوں ہی آپ نے سنا کتاب بند کرکے دوڑے۔ اور بھرے مجمع میں پکڑ کر اس کے سر کے بال کاٹ دیئے۔ اس کے کان کی جھلی بھی بالوں کے ساتھ رخصت ہوگئی۔ انہوں نے شور مچایا۔ اور فریاد قاضی صاحب تک لائے۔ قاضی صاحب نے ہر چند سمجھایا۔ مگر وہ اپنے ارادے سے باز نہ آئے[2] ؏

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳ ؏ [2] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۰۲ - ۱۰۳ ؏

قاضی صاحب بھی خواجہ نور محمدؒ صاحبؒ کے مرید خاص تھے۔ فقراء ان کے پیرو مرشد کی بزرگی اور کمالات کے ذکر رہتے تھے۔ تاہم جب آپ سنتے کہ حضرت قبلہ عالمؒ بر سرِ عام راگ سنتے اور اُن کے مرید رقص کرتے ہیں تو آپ کو یہ طریقہ ناپسند آتا۔ اس لئے عزم کیا۔ کہ کسی طرح پہنچکر حضرت قبلہ عالمؒ پر ہی امر معروف کا یہ حربہ چلایا جائے ؞

ایک دفعہ حضرت قبلہ عالمؒ اس درِ مقصود کی تلاش میں گھر سے نکلے۔ اور مقام اُچ تشریف لائے۔ جہاں سید جلال الدین بخاریؒ کا مرقد ہے۔ قاضی صاحب اپنے چند شاگردوں سمیت اُن کی زیارت کے لئے موضع اُچ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے امر معروف کے لئے یہ موقع غنیمت سمجھا اور قافلہ کے ساتھ ہو لئے ؞

مُحب سے پہلی ملاقات

مُحبّ اور محبوب کے درمیان ملاقات کا یہ سب سے پہلا موقعہ ہے۔ محبوب کا پیمانۂ دل نفرت اور بیزاری کے جذبات سے لبریز اور محبّ کا دریائے حیات محبّت اور بے قراری کے جوش میں موج خیز ہے۔ در اصل اچ کا یہ مقام اچ نہیں۔ بلکہ آپ کے اوجِ کمال اور دونو کے راز و نیاز کا سنگھم یا مقامِ وصال ثابت ہوا ؞

ہم اس ملاقات کا مختصر تذکرہ خود انہی کے اپنے الفاظ میں کر دینا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ جو آپ نے اپنے پیرزادہ میاں نور احمدؒ جی کے اصرار پر مجبور ہو کر اُن کے روبرو کیا[2] ؞

چھوکرے کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ کہ مَیں حضرت قبلہ عالمؒ پر امر معروف کی نیّت سے فقیروں کے ہمراہ اُچ کی طرف روانہ ہوا۔ رستہ میں پنج ند حائل تھا۔ ہم ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ جب کشتی دریا کے میانہ میں پہنچی۔ تو اُسے سوراخ ہو گیا۔ اور پانی بھرنے لگا۔ ملاح ہار گئے۔ موسم بے حد طغیانی کا تھا۔ لوگوں میں ہڑبونگ مچ گیا۔ مَیں نے اپنے ساتھی سے

---

[1] مناقب صفحہ ۱۰۳ ؞ [2] منتخب صفحہ ۹ ؞

کہا۔ اگر کشتی ڈوب گئی تو ہم سب کا خون اس بزرگ کی گردن پر ہے۔ اگر وُہ صاحبِ کرامت ہیں تو کشتی بچ نکلے گی! اتنے میں کشتی نے موجِ دریا کے ساتھ ایک دھکا کھایا۔ اور اچھل کر کنارے پر جا لگی۔ مجھے دل میں اعتراف پیدا ہو گیا تاہم امرِ معروف کی ہوک میرے سینہ میں باقی تھی ؛

جب ہم وہاں پہنچے۔ تو دیکھا۔ کہ لوگوں کے ایک گروہ کے بیچ میں ایک بزرگ نہایت سادہ لباس میں مجلس آرا ہیں۔ ان کی سادگی دیکھ کر میرا یقین اور بڑھ گیا۔ تین روز ہم اُن کی خدمت میں رہے۔ مگر مجھے اپنا کام کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ میں دیکھتا رہا۔ کہ آپ بارہا میری طرف گھور گھور کر دیکھتے اور قاضی صاحب سے میرے متعلق کچھ پُوچھتے ہیں۔ قاضی صاحب کو میرے ارادہ کا علم تھا۔ اُنہوں نے غائبانہ میرا تعارف کرایا۔ اور جتلایا۔ کہ یہ فقیر آپ کی خدمت میں امرِ معروف کی نیّت سے حاضر ہوُا ہے۔ یہ سُن کر فرمایا بڑا عالی ہمّت اور بلند ارادہ شخص معلوم ہوتا ہے ؛

بیعتِ اتّفاقیہ

آخری روز مَیں نے بڑی حسرت کے ساتھ اپنے ساتھی سے کہا۔ کہ افسوس ہم اپنا کام نہ کرسکے۔ اور اب وہ جا رہے ہیں۔ چلو۔ سلام کرکے رخصت تو ہو لیں۔ مَیں نے سلام کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ابھی مَیں چند قدم پیچھے تھا۔ کہ فوراً حضرت نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ نہیں معلوم کیا تھا؟ کہ لرزہ میرے جسم پر اور بےحسّی میری رُوح پر غالب آ گئی۔ چُھری میرے ہاتھ سے گر پڑی۔ جو میرے ساتھی نے اُٹھالی۔ آپ دیر تک میرے دائیں ہاتھ کو پکڑے رہے۔ یہاں تک کہ جو آتا اُسے دُوسرے ہاتھ سے رخصت کرتے۔ یا دُعا مانگتے۔ اس حالت میں چل دیئے۔ اور ایسے تیز چلتے تھے کہ میرے قدم اُکھڑ جاتے تھے۔ مَیں کھچا کھچ بھاگ رہا تھا۔ یہاں تک کہ میرے ایک پاؤں سے جوتا نکل پڑا۔ اِس صورت میں مجھے جناب سیّد السّادات کے روضۂ اطہر میں لے گئے۔ اور مزار کے سرہانے ٹھیرا دیا۔ میرا دل اڑ گیا۔

جی میں آیا۔ کہ خدا کرے میرا ہاتھ کبھی نہ چھوڑیں۔ اپنے دونو ہاتھ میرے ہاتھ سمیت مزار پر رکھ کر گھنٹہ تک چُپ چاپ کھڑے رہے۔ پھر اپنے مبارک ہاتھوں کو اُٹھایا۔ اور فاتحہ پڑھ کر دروازے پر تشریف لائے۔ روضہ کے اندر جتنے لوگ تھے۔ سب کو رخصت کیا۔ محل کا دریچہ بائیں ہاتھ سے بند کر کے بیٹھ گئے۔ اور مجھے بھی بٹھا دیا۔ لیکن اب تک بھی میرے ہاتھ کو نہ چھوڑا۔ کچھ کلام خود پڑھی اور کچھ مجھے پڑھائی۔ اور میرے سینہ پر دم کی۔ آخر اپنے دونو ہاتھ میرے سینہ پر ملے۔ اور میرے ہاتھوں کو چھوڑ کر فرمایا۔" اے میاں! جہاں علم حاصل کرنا چاہیے۔ جا اور پڑھ۔ اتنا کہ کر فوراً باہر چلے گئے[۱]۔

اس بیعت میں فاروقی رنگ

آپ کی بیعت کا یہ قصہ سیرتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت فاروق اعظم رض کے واقعہ بیعت کے ساتھ کس قدر رنگ مماثلت رکھتا ہے۔

دونو معاندانہ جذبات کے ساتھ عرصہ سے گھل رہے ہیں۔ فاروق اعظم رض کے گلے میں انکار اور اصرار کی تلوار حمائل ہے۔ جو چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ کاشانۂ نبوت کا چراغ گُل کرے۔ سلیمان زمان کے بغل میں امر معروف کی تیز چھری ہے۔ جس کو نورِ محمدی کے خلاف چلانا چاہتا ہے۔

اُدھر خزانۂ رحمت کا سب سے بڑا کلید بردار محمد صلے اللہ علیہ وسلم سجدہ سحری میں دست بدعا ہے کہ الہٰی! عمر سے اسلام کو تقویت دے۔ اِدھر پرتوِ رحمت نورِ محمدؐ عرصہ سے بے قرار ہے۔ کہ الہٰی! اِس شہبازِ کوہستانی کا شکار میرے ہاتھ میں دے، جنابِ رحمۃ للعالمینؐ کی غرض اس کے ساتھ اسلام اور توحید کی توقیر اور توقع علمبرداری ہے۔ نور محمدی کا منشا گنہگاران اُمت کی مغفرت۔ ہدایت کی اُمید واری۔ دونو معاندانہ جذبات کے ساتھ جاتے اور محبت سے سینہ لبریز واپس آتے ہیں۔ پہلے کی رقت قلبی کا باعث بہنوئی کا واقعہ ہوتا ہے۔ دوسرے کی توجہ کو کشتی کی سلامتی کا قصہ اپنی طرف کھینچتا ہے۔ وہاں

کلامِ باقی کا افسوں کارگر ہوتا ہے۔ یہاں نورِ محمدؐ کا عکس رخسار بلا واسطہ جلوہ ڈالتا ہے ÷

ہاں فرق ہے تو یہ۔ کہ وہاں انوارِ نبوّت اپنے گوہر مراد کو صرف طرفۃ العین میں انکار اور کفر کے اندھیرے غار سے اُٹھا کر عرفان الٰہی کے نورانی تاج سے تا بنک دیتے ہیں۔ مگر یہاں قادر انداز کرامت اپنے شہبازِ مقصود کو گھنٹوں کی لگاتار تیر ہائے نگاہ سے نشانہ کر کے دامِ محبت میں گرفتار کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ کہ وہاں خاک یثرب کا یہ گوہرِ مقصود انوار نبوّت کی صرف ایک جھلک سے بزم رسالت کا مایۂ ناز ہیرا بن جاتا ہے۔ مگر میدان مہاران کے شکاری کا یہ شہباز مقصود چھ سال دشتِ مقصود کی آبلہ پائی کے بعد سدرۃ المنتہٰی پر آشیانہ نشین ہوتا ہے۔ یہ دو قصّے درحقیقت نبوّت اور ولایت میں بین فرق کے گواہِ عادل ہیں ÷

طبیعت میں فوری انقلاب حضرت قبلۂ عالم کی بیعت کے بعد آپ کی طبیعت یک بخت پلٹ گئی۔ یا یہ بانکپن اور رعنائی کہ معشوقِ ازلی اپنے عاشقِ حقیقی کو چھری کٹاری سے ملنا چاہتا ہے۔ یا یہ کہ دیوانہ وار اُس کے پیچھے دوڑ رہا ہے ÷

آپ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت قبلۂ عالم صاحبؒ سوار ہو کر چلے گئے۔ مَیں بڑے نقشہ تک وہاں حیران ہو کر کھڑا رہا۔ پہلے چاہا کہ ان کے پیچھے دوڑ کر چلا جاؤں۔ مگر ہیبت نے میرا دامن پکڑا۔ اور بلا اجازت جانا مناسب نہ سمجھا۔ ہر روز کشمش تھی اور بے حد انتظار میں ایک عجیب کشمکش میں گرفتار تھا۔ آخر میں نے خیال کو یہاں ٹھیرایا کہ جو کچھ حضور نے فرمایا۔ وہی کیا جائے۔ بتلائے ہوئے وظیفہ پڑھنے کے لئے میرے پاس تسبیح نہیں تھی۔ آستانہ کی اینٹ توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کئے۔ اور سو سنگریزے دامن میں باندھ کر چل دیا۔ مٹھن کوٹ میں پہنچ کر تحصیل علوم میں مشغول ہوا۔ لیکن میرا دل اپنے پیر کی

طرف کھچا رہتا تھا۔ ایک ماہ کے بعد پھر مہار شریف میں حاضر ہوا۔ ہفتہ کے بعد حکم ہوا۔ کہ جا میاں! علم پڑھ۔ چار و ناچار پھر کوٹ مٹھن میں آیا۔ لیکن رات دن دلی اضطراب بڑھتا جاتا تھا۔ مشکل سے ایک مہینہ کوٹ میں گزرتا۔ اور پھر مہار شریف چلا جاتا۔ لیکن حضرت قبلۂ عالم رح مجھے ایک ہفتہ سے زیادہ اپنے پاس نہ ٹھیرنے دیتے۔ اس لئے کبھی ادھر کبھی اُدھر سرگرداں رہتا۔ جتنا کہ مَیں اپنی طبیعت کو تحصیلِ علم کے مشغلہ میں لگاتا۔ مہار شریف کا خیال مجھے اس سے ہٹاتا۔ ایک بار کوٹ مٹھن کو خیرباد کہہ کر مہار شریف کے مستقل قیام کا عزم بالجزم کیا جب مَیں وہاں پہنچا تو آپ نے فرمایا۔ کیوں آئے ہو؟ مَیں نے اپنا ارادہ پیش کیا۔ مگر حکم ہوا۔ کہ جا۔ اور پڑھ۔ اور یہ شعر پڑھا ؎

بےعلم چوں شمع باید گداخت ۔۔۔ کہ بےعلم نتواں خدا را شناخت

ناچار واپسی پر مجبور ہوا۔ واللہ اعلم۔ کیا راز تھا۔ کہ حضرت قبلۂ عالم رح ظاہر طور پر مجھے اپنے اوجھل رکھنا چاہتے تھے۔ مگر میرے دل کو اپنی طرف کھینچتے تھے۔ آخر مجھے خیال ہوا۔ کہ دہلی مولانائے صاحب کی خدمت میں پہنچ کر دل کی تسلی حاصل کروں +

اصل یہ ہے کہ فطرت کامل اور سعید تھی۔ اس کا ظرف وسیع اور ہمّت کا پیمانہ اسرارِ عرفان کی گنجائش کے لئے بہت بڑا بنایا گیا۔ مبدائے فیاض نے ان کی خلقتِ صحیح میں تمام مادے یہ تمام و کمال ودیعت کر رکھے تھے۔ جو اس بڑے بوجھ کے تحمل کے لئے ضروری ہیں۔ یہ رازہائے فطرت ابتک علومِ ظاہری کے پردوں میں مخفی تھے +

حضرت قبلۂ عالم رح کی بیعت اور انوارِ ولایت کا مقناطیسی اثر سازِ فطرت پر مضراب ثابت ہوا۔ وہ کچھ دکھایا جو اس سے پہلے نہ دیکھا تھا۔ وہ نغمہ ہوش ربا سنا دیا۔ جو پہلے کبھی نہ سنا تھا۔ عشقِ الٰہی نے گھر کر لیا۔ حضرت قبلۂ عالم صاحب نے انہیں عرفان اور ذوق کی پہلی سیڑھی پر بٹھا کر شاہدِ مقصود کو ذرا اوجھل

کر دیا۔ اِس لئے ایک آگ تھی جو سینہ میں بھڑک اُٹھی۔ ایک ہوک تھی۔ جو دل میں پیدا ہو گئی۔ کہ اگر نکلے تو کون و مکان کو خاک سیاہ کر دے ؛

بارود خانۂ فطرت میں عشقِ الٰہی کی بتی سُلگانے اور جمالِ جہاں آرا کی ایک جھلک دکھانے کے بعد منزلِ عرفان کے اس اہتمامی تلقین کا آخری فقرہ یہ تھا۔ کہ "جا۔ اور پڑھ" حقیقت میں یہ ارشاد جتنا کہ سادہ اور مختصر ہے۔ اتنا ہی مشکل اور متنبر ہے۔ جب ایک معشوق طنّاز اپنے پورے جوبن اور رعنائی کے ساتھ جھلک دکھا کر دل چھین لے اور اپنے شعلہ رخسار سے متاعِ صبر سکون کو سوختہ کر دے۔ تو اُس وقت 'جا' کا ہجران نصیب لفظ محبوب کی زبانی دل پر جو اثر ڈالتا۔ اور کانوں کو جتنا گراں گزرتا ہے۔ اس کا اندازہ کرنے کے لئے الفاظ کا پیمانہ کافی نہیں۔ یہ وہ وادی ہے، جہاں حضرت موسیٰ کلیم اذہب کا ارشاد پانے کے بعد باوجود اتنی اولوالعزمی اور پائے ثبات کے 'خرّ موسیٰ صَعِقًا' کی زمین پر گر پڑتے ہیں۔ اور عجز و انکساری کی زمین سے اُٹھنے نہیں پاتے۔ جب تک کہ اُٹھائے نہیں جاتے ؛

اور "پڑھ" کا ارشاد وہ مقدس ارشاد ہے۔ جہاں سے نزولِ وحی کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ وہ فقرہ ہے۔ جو سب سے پہلے روح الامینؑ کی زبانی حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سنتے اور "مَا اَنَا بِقَارِیٍ" کے اعتراف سے 'اَدّبنی' کے مدرسۂ عرفان سے پہلا سبق حاصل کرتے ہیں۔ الغرض یہ اتّفاق کی بات ہے۔ کہ جن دو پیارے لفظوں سے بحرِ معرفت کے دو سب سے بڑے شناور کلیم اور حبیب مخاطب کئے گئے اُنہی دو متبرک الفاظ سے اوجِ عرفان کا یہ شہباز پکارا گیا ؛

زمانۂ سلوک و مجاہدات

پہلا مجاہدہ جدائی

سب سے کٹھن منزل عبادت اور اُس کا سیدھا اور کامیاب راستہ عشق ہے۔ سالک میں عشق و محبّت کا غلبہ جس قدر تیز اور اس کا احتراق جتنا شدید ہوتا ہے۔ اُتنا جلد محبوب کے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ جب عشق الٰہی کی تیز آگ متاعِ باطل کو سوخت کر دیتی ہے۔ تو دل میں طاعت کی لذّت اور عبادت کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے! ور شرابِ محبت کے لنڈھانے کے لئے سالک کا پیمانۂ دل جتنا زیادہ وسیع اور ظرف کشادہ ہوتا ہے۔ اس میں اثرات کے قبول کرنے کی قابلیت اتنی زیادہ ہوتی ہے۔ اِس لئے رہبرِ کامل نے اپنے عالی مشرب سالک کے دل میں عشق کا شعلہ پیدا کر کے اِسے اور بھڑکانا چاہا جس کے لئے جدائی ایک مؤثر ذریعہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جونہی طالبِ دیدار قریب آتا ہے۔ ایک جھلک دکھا کر ہٹا دیا جاتا ہے۔ پھر آتا ہے اور ہانکا جاتا ہے۔ مہینوں کی اس لگاتار مشقِ ستم نے جب صبر و سکون کا پیمانہ لبریز کر دیا — تو وہ دل جس کی فطرت سلیم تھی۔ لیکن وطن کے جغرافیہ نے اسے پتھر بنا رکھا تھا۔ پگھل کر گداز ہو گیا۔ معشوق کے اس اندازِ تغافل نے اِس کو آنے والی تجلّیات کے ہضم کرنے کیلئے تیار کر دیا ؎

صاحبِ مناقب لکھتے ہیں کہ ظاہری علم حاصل کرنے کے بہانہ سے آپ کا اصل مقصود شمعِ رخسار سے پروانہ کی عارضی جدائی تھا۔ تاکہ ہجران نصیبی۔ جذبۂ محبت کی زیادتی اور کمال کا موجب ہو۔ جیسا کہ مسلکِ عشق کی سب سے بڑے راز دان صلعم اپنے پیارے صحابی حضرت ابوہریرہ رضؓ سے خطاب کر کے فرماتے ہیں۔ یَا اَبَا هُرَيرَة زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا۔ (ہر روز میا تا دوستی زیادہ شود) در اصل یہ ایک مجاہدہ تھا۔ جو اوّل اوّل آپ کے لئے تجویز ہوا ؎

دُوسرا مجاہدہ سفر اس کے بعد ایک اور مجاہدہ تجویز ہؤا۔ جس میں آپ کی قوتِ ایمان کا امتحان طاقت برداشت کی ترقی اور مدارج کا عروج مقصود تھا۔ یعنی ایک لمبا اور مہیب سفر جس کے لئے آپ فوراً مستعد ہو گئے۔ اور اُسے اپنی تسکینِ قلب کا موجب قرار دیا۔ جہاں یہ سفر ایک بھاری مجاہدہ تھا۔ وہاں اس کے حالات بڑے عجیب ہیں۔ جس سے یہ پایا جاتا ہے۔ کہ جادۂ سلوک کی اس ابتدائی منزل میں آپ کو عرفان کا وہ درجہ نصیب تھا۔ اور آپ پر فیض باطنی کے وہ دروازے کھولے گئے۔ جو مدتوں کی بادیہ پیمائی کے بعد بھی دوسرے عارفوں کو نصیب نہیں ہوتے ؛

اس سفر کی روایات میں کچھ اختلاف ہے۔ اور آپ کے تمام تذکرہ نویسوں نے زیادہ تفصیل سے کام لیا ہے۔ اِس لئے ہم بالاجمال صرف انہی روایات کو لیتے ہیں جو آپ نے اپنی زبانی بیان فرمائیں ؛

سفر دہلی کے حالات اور مزارات سے فیوض باطنی ۱۱۹۹ھ مطابق ۱۸۴۹ سنہ بکرمی آخر سال میں آپ عازم سفر ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر سولہ برس کی تھی ؛

آپ فرماتے ہیں۔ کہ میں کوٹ مٹھن سے روانہ ہؤا۔ پہلی رات اُچ سید جلال الدین بخاری رح میں شب باش ہؤا۔ اور مزار کے دروازے کے قریب سو رہا۔ خواب میں دیکھا۔ کہ مجھے ایک بزرگ کہہ رہا ہے۔ کہ میاں! تم نے دہلی دیکھی ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ اُس نے کہا۔ کہ آ تجھے دہلی لے چلوں۔ جاگا۔ تو میں نے سوچا کہ شاید میرے دن بھر کے خیالات کا نتیجہ ہے۔ تیسرے روز بہاولپور پہنچا۔ وہاں سے خیال آیا۔ کہ حضرت قبلہ عالم ٹھیرنے نہیں دیتے۔ سیدھے دہلی چلے جانا چاہئے۔ نہ تو میرے پاس زادِ راہ تھا۔ اور نہ میں رستہ سے واقف۔ مگر خدا کے بھروسہ پر بیکانیر کا رستہ لیا۔ خدا نے اپنی عنایت سے میری ہمراہی کا سامان پیدا کر دیا۔ کہ ایک قافلہ مل گیا۔ رات دن اس قافلہ کے ساتھ چلتا رہا۔ اور چند روز میں بیکانیر

پہنچ گیا[1]۔ جب اس سے آگے بڑھا۔ تو کہیں نہ کہیں ساتھی مل جاتا رہا۔ تقریباً مہینہ بھر[2] میں ہم دہلی پہنچے۔ ابھی چند کوس دہلی سے باقی تھے۔ کہ حضرت مولانا[3] کے وصال کی خبر سُنی۔ مجھے یقین نہ آیا۔ جب شہر میں داخل ہوا۔ تو حضرت مولانا رح کے مدرسہ کا پتہ پوچھ کر وہاں پہنچا۔ مدرسے کے دروازے پر ایک نانبائی کی دکان تھی۔ ادھیڑ عمر کا طباخ وہاں بیٹھا تھا۔ مَیں نے اس سے پوچھا کہ کیا مولانا صاحب کا مدرسہ یہی ہے؟ تو اُس نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ کہ اے میاں! شاید تم پنجاب سے آئے ہو۔ اور جو شخص کہ پنجابیوں کا خریدار تھا۔ وہ اس دارِ فانی سے کُوچ کر گیا۔ تب مجھے یقین آیا۔ اور ایک غشی کی سی حالت مجھ پر طاری ہو گئی۔ جب میری حالت سنبھلی۔ تو وہ شخص میرے پاس آیا۔ میرا بازو پکڑا۔ اور کہا۔ کہ میاں! غمگین نہ ہو۔ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ کے مطابق وہ زندہ ہیں۔ اور یقیناً تمہارے مطلوب سے آگاہ۔ آ۔ کہ مَیں تمہیں اُن کے مدرسہ میں لے چلوں۔ پس وُہ مجھے وہاں لے گیا۔ مَیں نے دیکھا کہ سینکڑوں لوگ جمع ہیں اور قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں۔ مجھے اپنے رہبر نے مزار کے متولی میاں شمس الدین سے ملایا۔ اور میرا سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ وہ مجھ سے بغل گیر ہوئے۔ مصافحہ کیا اور اپنے پاس بٹھا کر کہنے لگے کہ افسوس حضرت مولانا صاحبؒ کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کا لفظ سُن کر پھر سامعین میں ایک جوش و خروش پیدا ہوا۔ اور ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگے۔ مَیں نے پوچھا کہ یہ مجمع کیسا ہے؟ معلوم ہوا کہ آج مولانا صاحبؒ کی قل خوانی کا روز ہے۔ کچھ دیر کے بعد قرآن شریف کا ختم پڑھا گیا۔ شیرینی اور عطریات تقسیم ہوئے۔ اس کے بعد سب نے مزار پاک پر جانے کی تیاری کی۔ خلیفہ نے مجھے فرمایا۔ کہ آپکا ایک دندان مبارک آپ کی زندگی میں شہید ہو گیا تھا۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی۔ کہ اسے میرے جسم کے ساتھ مدفون کرنا۔ مگر

---

[1] منتخب صفحہ ۱۸ ۔ [2] منتخب صفحہ ۲۰-۲۱ ۔
[3] مولانا فخر الدین محمد اورنگ آبادی ثم جہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے مراد ہے ۔

وہاں کے روز ہم سب کو اس کا دفن کرنا بھول گیا۔ آج ہم اسے لحد مبارک میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اس تقریب سے تمہیں زیارت کی سعادت نصیب ہو جائیگی۔ اور ممکن ہے کہ محض تمہاری خوش بختی کے لئے یہ اسباب پیدا کئے گئے ہوں۔ پس ایک ڈبیا سے آپ کے دُرِ دندان کو نکالا۔ مرقد کو سر کے سامنے کھول کر چہرۂ انور کو بے نقاب کیا۔ اور دُرِ دندان کو مرکزِ نور میں جگہ دی ۔

پُورے چالیس روز حضرت مولانا صاحبؒ کے مزار پر بیٹھ کر فیوضِ باطنی حاصل کئے۔ پھر ایک ہفتہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحؒ کے مزار پر بیٹھے۔ وہاں سے سلطان المشائخ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی رحؒ کے مزار کی زیارت کی۔ کشتۂ عشق و محبت امیر خسروؒ کے سرہانے قطراتِ اشک بہائے۔ وہاں سے اجمیر خواجہ بزرگ رحؒ کے دربار میں پہنچے۔ سنہ ۱۸۴۱[1] بکرمی اساڑھ کے مہینے موسم گرما کے عین شباب میں اجمیر سے رخصت ہو کر براستہ بیکانیر و بھٹنیر[2]۔ واپس ہو کر تن تنہا پیدل اس لق و دق بیابان کو طے کیا۔ فرخ نگر۔ کانود۔ چوڑو۔ اور دیگر مختلف مقامات پر ٹھیرتے ہوتے مہار شریف پہنچے ۔

سفرِ دہلی کے چند تذکرے

تبرکِ قلم کا واقعہ

حضرت صاحبزادہ کے اصرار پر تامل کے بعد فرمایا:۔ صبح کا وقت تھا۔ مَیں ایک دن حضرت مولانا صاحبؒ کے مزار مبارک کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص سفید ریش۔ مومنی صورت اندر آیا۔ سلام کہا۔ اور میرے ساتھ ہاتھ ملایا۔ کہا کہ اے میاں! پنجاب کے پہاڑی علاقوں سے حضرت مولانا رحؒ کی زیارت کے لئے تم آئے ہو؟ مَیں نے کہا۔ مَیں بھی آیا۔ ممکن ہے کوئی

---

[1] مناقب المحبوبین میں سن درج ہے۔ سنہ ۱۸۴۱ بکرمی مطابق سنہ ۱۱۹۹ھ ۔

[2] منتخب صفحہ ۳۹۔ آپ نے رمضان المبارک کا چاند بھٹنیر میں دیکھا ۔

اور بھی ہوں - کہا - کیا تم مولوی نور محمد صاحب نُہار والہ کے مرید ہو؟ مَیں نے کہا - ہاں - پھر میرے سر سے کلاہ اُتار کر ٹٹولنے لگا - مَیں نے پوچھا کیا دیکھتے ہو - اُس نے کہا زخم کا ایک نشان تلاش کرتا ہوں - جو مَیں نے پا لیا - میرا مطلب تم ہی سے ہے - مَیں حضرت مولانا رح کا خادم ہوں - آپ نے وصال کے وقت مجھے ایک امانت دی تھی - اور وصیت فرمائی تھی - کہ ان علامات والے شخص کو دینا - جو میری موت کے بعد میرے مزار پر آئے گا - اب تک مَیں تلاش میں رہا - رات مجھے خواب میں فرمایا - کہ وہ عزیز چند روز سے میرے مزار پہ بیٹھا ہے - کیوں تم نے میری وصیت کو پُورا نہیں کیا - اُنہوں نے آپ کو سلام دیا - اور فرمایا - تم پوری تسلی کرو - کہ تم ہم میں سے ہو - یہ ایک امانت مجھے دی ہے کہ مَیں آپ کے حوالہ کروں - اُس نے مجھے بانس کی لکڑی کی ایک نلکی دی - جس کا سرا اوپر سے بند تھا - مَیں نے کھولا - تو اُس کے اندر ایک فولادی قلم نکلا - جسے مَیں نے چوما - اور آنکھوں پہ رکھا[1] ؎

پرندوں کا سلام

مولوی محمد امین ایک صوفی منش عالم باعمل تھے - آپ کی زبانی روایت کرتے ہیں - کہ جب مَیں دہلی کو جا رہا تھا - تو پرندے اِردگرد سے آکر زبانِ فصیح سے کہتے تھے - اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَاسُلَیْمَان حی - اور حی کے لفظ کو لمبا کھینچتے تھے[2] عارف رومیؒ اس واقعہ کو اپنے آئینہء دل میں چھ سو سال پہلے دیکھ رہے ہیں - اور فرماتے ہیں ؎

جملہ مُرغاں ترک کردہ جیک جیک
باسلیماں گشتہ افصح من اخیک

کھوپری کا بیان

مولوی محمد عابد سوکڑی جس کی عبادت اور تقوی کی نظیر مادرِ گیتی پھر نہیں پیدا کر سکتی - آپ کی زبانی روایت کرتے ہیں - کہ سفرِ ہندوستان میں مَیں نے ایک جگہ کھوپری کی ہڈیاں پڑی ہوئی پائیں - دیکھا کہ

[1] منتخب صفحہ ۲۳ ؎ . [2] منتخب صفحہ ۲۰ ؎

وہ عجیب و غریب خطوط سے مزیّن ہیں۔ مَیں نے اُس کو پاؤں سے ہلایا تاکہ اُسے اُلٹ کر دیکھ سکوں تو آواز آئی ؎

برسرِ من لت مزن اے خام پوست
زانکہ ایں سرّے ہست از اسرارِ دوست[1]

یہ وہ مقام ہے۔ جو "عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل" کی حدیث قدسی کو صحیح ثابت کرتا ہے۔ کہ اس عیسٰے نفس کے خاک پا کے مساس سے کھوپڑی کو زبانِ قال بخشی گئی یا اسے زبانِ حال سمجھیں ؛

ایک امیر کابل کا استقبال شہر کانوڑ موضع کوٹ پتلی ریاست بیکانیر میں علی محمد خاں افغان ایک امیر تھا۔ جو نواب نجف خاں کی طرف سے صُوبے دار تھا۔ شاہ عزت اللہ نقشبند ابوالعلائی سکنہ بگڑا سے بیعت رکھتا تھا؛

جب آپ کانوڑ میں پہنچے۔ تو ایک مسجد میں آکر اُترے۔ وہ امیر بڑے کر و فر کے ساتھ آیا۔ اور آپ سے بغلگیر ہو کر دعوت دی۔ آپ نے بطریقِ سنت اجابت کی۔ آخر رات کے وقت جب آپ مصروفِ عبادت تھے۔ تو فقیرانہ لباس میں آیا۔ اُن سے سفر کا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مَیں حیران ہُوا اور پُوچھا۔ کہ تم نے اپنے تئیں کیوں چھپا رکھا ہے۔ اُس نے کہا مجھے اپنے پیر کا ارشاد ہے۔ پھر میرے ساتھ ایسی اونچی باتیں کیں۔ جن سے مجھے تعجب آتا تھا۔ جب رخصت ہُوا تو بے حد اصرار کے ساتھ بیکانیر کے کسی مہاجن کے نام مجھے ایک ہنڈی دی۔ تاکہ مَیں اُسے ضرورت کے وقت کام میں لاؤں۔ اور ایک بڑا لڈو خربوزہ کے برابر دیا۔ اور کہا۔ اس کا آدھا ایک فقیر کا حصّہ ہے۔ جو رستے میں تمہیں ملے گا۔ جب مَیں قصبہ سنگھانہ کے رستہ میں تھا۔ تو دُور سے ایک ملنگ آتا ہُوا دکھائی دیا جس کی بغل میں ایک چُھری تھی۔ میرے قریب آیا

[1] منتخب صفحہ ۱۹ ۔ مناقب المحبوبین صفحہ ۱۶۲ ؛

تو بھری آواز سے بول اُٹھا۔ کہ میرا حصّہ مجھے دو۔ مَیں نے لڈو حوالہ کیا۔ اُس نے آدھا حِصّہ چھُری سے کاٹ کر میرے حوالہ کیا[۱]۔

سفر میں آپ کی فطری خوبیوں کا اظہار

اِتنے صعُوبت ناک سفر کی تکالیف اور گھٹا ٹوپ اندھیرا بھی آپ کی فطری خوبیوں کی چمک دمک کو ماند نہ کرسکا۔ مولٰنا شبلی رح سیرۃ النبیؐ میں لکھتے ہیں۔ کہ کسی صفت کا کمال اُس کے عاجزانہ پہلو سے دیکھنا چاہئے۔ مثلاً ایک شخص تنگ دست ہے لیکن کسی چیز کا مالک ہوتا ہے۔ فوراً بخش دیتا ہے۔ ایک آدمی صاحب اقبال اور ذی مرتبہ ہے لیکن ادنےٰ سے ادنےٰ آدمیوں کے ساتھ تواضع اور انکسار سے پیش آتا ہے۔ ٹھیک اسی معیار پر سفر کے ایام میں آپ کے اخلاق کو پرکھیں۔

جن دنوں آپ نے یہ سفر اختیار کیا۔ ملک مارواڑ میں سخت قحط تھا۔ غلّہ روپیہ اور اشرفی سے بھی نہ مل سکتا تھا۔ اِس لئے زر و جواہر کے انبار بھی مالداروں کی زیست کو نہ بڑھا سکے۔ ہزاروں آدمی بھوک سے ہلاک ہو گئے۔ مُردہ لاشیں خندقوں میں دھکیل دی جاتیں۔ جو بے گور و کفن طعمۂ زاغ و زغن بنتیں۔

اِس ہیبت ناک حالت میں آپ نے سفر کیا۔ اور زادِ راہ کے لئے ایک کوڑی بھی ساتھ نہ لی۔ تاہم آپ فرماتے ہیں۔ کہ کبھی آٹھویں پہر کبھی چوتھے پہر مجھے کچھ نہ کچھ مل جایا کرتا[۲]۔

توکل کا یہ وہ درجہ ہے۔ جو محراب میں زکریاؑ اور مریمؑ کو نصیب ہوا۔ ایک شخص آپ کے ساتھ ہو لیا۔ اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں کہیں سے کھانا مل جاتا ہے۔ خدا کے لئے مجھے بھی کچھ دیجئے۔ آپ نے ایک روپیہ غیب سے پایا تھا۔ جو تھوڑا سا خرچ کرکے اُسے دے دیا[۳]۔

ایک اور شخص آپ کا ہمسفر ہوا۔ رستہ میں چوروں کا ڈر تھا۔ وہ شخص ڈر

۱؎ منتخب صفحہ ۳۴۔ ۲؎ منتخب صفحہ ۱۸۔ ۳؎ منتخب صفحہ ۱۹۔

کے مارے کانپ رہا تھا۔ ہرچند اُس کی تسلی کی مگر اس کا خوف دُور نہ ہؤا۔ خیال آیا۔ کہ شاید اس کی جیب میں کچھ نقدی ہے۔ یہ نقدی چھین لی۔ اور اس کے سامنے دُور پھینک دی۔ فرمایا۔ اَب بے خوف ہو۔ وہ شخص دَاڑھیں مار کر رونے اور کہنے لگا۔ آپ چپ چاپ سُنتے گئے۔ اور مُسکراتے رہے۔ یہاں تک کہ امیر مردِ کامل کے مہمان ہوئے۔ اُس نے ستّر[1] روپے کی ہُنڈی بطور زادِ راہ اُن کو دی۔ اور آپ نے ہم سفر کو بخشدی[2]۔

آپ نے واپسی پر یہ صعوبت ناک سفر موسم گرما کے عین شباب میں طے کیا صحرا۔ ریگستان۔ گرمی کی شدّت۔ پانی کی نایابی۔ رستوں کی ناواقفیت اور دشوار گذاری۔ دن بھر سفر کرتے اور رات کو صبح تک خدا کی عبادت میں سربسجود رہتے۔ بیچھ میں رمضان کا چاند دیکھا۔ اور سحور۔ افطار کے لئے کچھ نہ ہوتا۔ برابر پیدل سفر کرتے گئے۔ اور ایک روزہ بھی قضا نہ ہونے دیا۔ ایک دفعہ دن بھر قافلہ کے ساتھ چلتے رہے۔ رات کو قافلہ سستانے کیلئے اُترا۔ تو آپ مشغولِ عبادت ہو گئے۔ یہاں تک کہ تہجّد کا وقت آگیا۔ آپ مصروف تھے۔ کہ قافلہ چل دیا۔ لیکن عزم و توکل کا شہسوار جبینِ نیاز اطمینان کی خاک پر گھستا رہا۔ اور جب فارغ ہؤا۔ تو تن تنہا چل دیا۔ رستہ بھول گیا۔ اور پیاس کی شدّت سے جان لبوں پر آگئی۔ خدا کی قدرت غیب سے ایک مرد نمودار ہؤا۔ جس نے پانی دیا۔ اور رہبری کی[3]۔

سفرِ دہلی پر ایک اجمالی نگاہ

خوفِ طوالت سے ہم نے بیشتر واقعات چھوڑ دئے۔ شروع سے لے کر آخر تک آپ کے اس سفر کے حالات پر اجمالی نظر ڈالی۔

بچپن کی عمر۔ ہزار دل کوس کا سفر۔ نہ رستوں سے خبر نہ زادِ راہ۔ نہ رہبر۔

---

[1] صاحب منتخب نے ہنڈی کی رقم تعیین نہیں کی۔ چند سلطانی کا لفظ لکھا۔ صفحہ ۴۴۔ لیکن صاحب مناقب المحبوبین نے بحوالہ خلیفہ محمد اکرام لکھتے ہیں۔ کہ یہ ہنڈی ستر روپے کی تھی۔ صفحہ ۱۶۳ مناقب المحبوبین۔
[2] منتخب صفحہ ۳۷۔
[3] منتخب صفحہ ۳۸۔

لق و دق بیابان - نہ گھاس کا پتہ - نہ پانی کا نشان - ایک مسافر تنِ تنہا جا رہا ہے - اتنی سخت منزلیں - دن کی کڑکتی دھوپ - رات کا اندھیرا اس کے عزم و استقلال کے قدم کو نہیں روک سکتا - زادِ راہ کے لئے کوڑی پاس نہیں - لیکن توکل الٰہی کے توشہ خانہ سے آپ بھی کھاتا ہے - دوسروں کو بھی کھلاتا ہے - اس شہر آشوب خون آشام قحط کے دنوں میں بھوکا - پیاسا مسافر جب اس کے چہرہ کو دیکھتا ہے - تو اسے شکم سیر سمجھ کر پیچھے لگ پڑتا ہے - اس تنگی او نایابی میں جو کچھ پاتا ہے - دوسروں کو دے دیتا ہے - رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جہاں کوئی رہبر نہیں ملتا - دستِ غیب اور نورانی صورتیں اُس کی رہبری کے لئے آموجود ہوتی ہیں - ابھی آپ بواڑی میں ہیں - مگر ملہمِ غیب اُس کے آنے کی اطلاع دہلی میں پہنچاتے اور اپنے خادموں کو سُناتا ہے - وادیٔ منفعت میں پہنچتا ہے - کہ خود شاہدِ مقصود مزار سے نکل کر بغل گیر ہوتا ہے[1] - وہاں گمنام ہو کر قدم رکھتا ہے - لیکن امانت کی فولادی تاروں اور پیامِ ربانی کے اشاروں سے پہچانا جاتا ہے - مرکزِ نور میں دیدِ دلداران ٹھیرانے کے لئے سب کو بھول جاتا ہے - مگر آپ کا دستِ خاص اُسے ٹھکانے لگاتا ہے - دن بھر بھٹی کی مانند جھلستی ہوئی ریت میں سفر کرتا ہے - مگر رات کو خدائے قدوس کی عبادت میں سانس بھرتا ہے - روزوں کے دن آجاتے ہیں - تو روزوں کے ساتھ دن کو سفر جاری - اور رات کو پھر وہی عبادت گذاری ہے - عبادتِ معبود کی سچی لذّت - اس کا افطار اور سحور فقط خیال ہے - جہاں قافلہ سستانے کیلئے ٹھیر جاتا ہے - وہاں ہی منزلِ سلوک کا مسافر عبادتِ حق میں آرام پاتا ہے - قافلہ نکل جاتا ہے - لیکن اُس کی لذّت اور محویت اُس کو قافلہ کی ہمراہی سے بے نیاز کر دیتی ہے - بڑے بڑے عارف مسجد کا نو دا اُس کی خدمت

[1] صاحب مناقب المحبوبین غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب دہلوی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا - کہ رات میں حضرت مولانا صاحب کے مزار پر معتکف تھا - تو سر اُٹھایا - تو دیکھا کہ حضرت مولانا صاحب مزار سے باہر نکلے اور بغلگیر ہو گئے - لیکن منتخب یا دیگر کسی ملفوظ میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں - اس لئے ہمیں یہ واقعہ ترک کرنا پڑا ؂

گذاری اپنے لئے مایۂ ناز اور دینداری خیال کرتے ہیں ؎

ہمارا خیال ہے کہ منزلِ سلوک کا یہ سفر اس اولوالعزم سالک کے پائے ثبات کا امتحان تھا جس میں وہ پورا نکلا۔ اس لئے اس کا ایک ایک قدم عرفان و حقیقت کی سیڑھی ثابت ہوا۔ اس تمام سفر میں تشنہ لب مسافر کے عزم و استقلال۔ زہد و تعبد۔ جد و سخا۔ توکل۔ ہمت مردانہ کو خوب ٹھوک بجا کر دیکھا گیا۔ اور نظر آیا کہ خدائے قدوس کا یہ پاکباز عابد عشقِ الٰہی میں دُرِ یکدانہ ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ منزلِ سلوک کی اس کٹھن منزل میں آپ کی رُوح میں وہ جھلک بخشی گئی۔ جو طیورِ آسمانی کی ہمزبانی سے شوکتِ سلیمان اور مردہ کھوپری کی گویائی سے دمِ مسیحائی میں تھی ؎

ثبات و استقلال کے امتحان کے بعد اب وہ وقت آتا ہے۔ کہ وہ رُوحانی مدبر اپنے کیمیائے صحبت سے سونے کو کندن بنائے۔ عبادات و ریاضتِ شاقہ۔ فاقہ کشی۔ برہنگی سے اس میں عشقِ الٰہی کا جوش۔ عبودی اور قوتِ برداشت پیدا کرے۔ اور اور اُس کے ظرف کو ایسا اُجلا کرے جو ایک بھاری امانت۔ اصلاح نفوس کی ذمہ داری۔ عرفانِ الٰہی کی تجلی کا متحمل ہو سکے ؎

تیسرا مجاہدہ ریاضتِ شاقہ

واپسی سفر کے دُوسرے روز پیر طریقت نے آپ کو بلایا۔ کہ کسی علیحدہ جگہ پر بیٹھ کر خدا کی عبادت کرو۔ اور میرے پاس صرف ایک وقتِ معین پر آیا کرو۔ صاحب مناقب لکھتے ہیں کہ اس کے بعد آپ ایک مسجد میں بیٹھ گئے۔ اور روز و شب خدا کی عبادت کرنے لگے۔ دن کو اکثر اوقات وقوفِ قلبی اور پاس انفاس کی مشق کرتے۔ اور رات کو جہر کے ساتھ خدا کی یاد فرماتے۔ ایک وقتِ معین پر اپنے باکمال پیر کی خدمت میں آ کر جمالِ جہاں آرا سے آنکھوں کو روشن کرتے۔ اور اس وقت سلوک اور تصوف کی کتب کا درس لیتے۔ چنانچہ کتاب آداب الطالبین۔ نفحات۔ لوائحہ۔ عشرۂ کاملہ۔ فصوص الحکم اور سلوک کی بہت سی معتبر کتابیں آپ نے اپنے پیر سے سبقاً سبقاً پڑھیں ؎

چوتھا مجاہدہ فاقہ کشی

فاقہ ایک بڑا مجاہدہ ہے۔ آں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اکثر وقت فاقے سے رہتے[1]۔ امامنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تمام اہلِ بیت رضی نے تین روز متواتر بے سحور و افطار کے روزہ رکھا۔ جس پر آیت تطہیر نازل ہوئی[2]۔ حضرت بابا گنج شکر جتے کامل بارہ سال کھجور کے دانے پر گزارہ کیا۔ بیشتر صحابہ صائم الدہر رہتے یا سات سات دن ایام وصال کے روزے رکھتے۔ ہر ماہ میں ایام بیض۔ عشرہ محرم اور ہفتہ میں جمعرات۔ دوشنبہ روزوں کے لئے مخصوص تھے۔ کفارہ اور نذروں کے روزے ان کے علاوہ تھے[3]۔ اور مقصود کسی طریقہ سے پیٹ کو خالی رکھنا تھا۔ اور یہ اس لئے کہ فاقہ سے نفس میں جذباتِ شہوانی قتل ہوجاتے ہیں۔ شب بیداری اور عبادت کے لئے کھڑا رہ سکتے ہیں۔

گلستان میں بلبلِ شیراز نے ایک قوی اور دوسرے ضعیف شخص کا چشم دید قصہ لکھ کر بنی نوع انسان کو دکھایا ہے۔ کہ فاقہ کشی مصائب میں سلامتی اور بسیار خوری ہلاکت کا موجب ہوتی ہے۔ علامہ غزالی رح لکھتے ہیں۔ کہ بسیار خوری سے رُوحِ انسانی ہلاک ہوجاتی ہے۔ بلبلِ شیراز کا خیال ہے۔ کہ نورِ معرفت پیٹ کو خالی رکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ پیر باکمال کو اپنے شاگرد کی اس ریاضت کا بڑا خیال تھا۔ لانگری (قسام طعام) کو حکم تھا۔ کہ اسے پیٹ بھر کبھی نہ دیا کرو۔ بھوک سے بے تاب ہو کر جب کبھی آپ نے کھا لیا۔ یا کھانے کا ارادہ کیا تو رہبرِ کامل نے فوراً جھڑک دیا۔

آپ ایک پہاڑی مرد نوجوان تھے۔ معدہ قوی اور قوتِ ہضم بہت تیز تھی۔ تو بھی دو دو تین تین دن بھوکے رہنے کے بعد آدھی روٹی کا ٹکڑا آپ کو ملتا۔ آپ کا بیان ہے کہ مجھے دوسرے فقیروں کی طرح کھانا نہیں ملتا تھا۔ اگرچہ سب کچھ موجود ہوتا۔ لیکن جب میں جاتا۔ غلام رسول قسام میرے پیالہ کو

[1] سیرۃ النبی شبلی نعمانی ۔ [2] تفسیر حسینی سورہ دہر سیپارہ ۲۹۔ [3] اسدہ صحابہ رض

چمچہ سے توڑ دیتے - اور کبھی آدھی روٹی کبھی اس سے بھی کم دیتے - کبھی ایسا تیز گھورتے کہ میں خالی ہاتھ واپس آتا - آخر میں مجھے معلوم ہوا کہ اس میں حضرت کا ایما تھا[۱] ؛

ایک دن سفر میں تین روز کے بھوکے رہے - چوتھے دن چادر بیچکر چاول خرید کئے - ہنڈیا ٹوٹ گئی - اور چاول ضائع ہو گئے - اس پر بھی جب آپ پیر روشن ضمیر سے ملے - تو جھڑک کے گئے[۲] سلسلہ چشتیہ میں شغل ہے - کہ تین دن بلا سحور و افطار روزے رکھتے - اگر ان تین دنوں میں اثر ظاہر نہ ہو تو تین دن اور بڑھا دیتے ہیں - اسی طرح تین تین دن بڑھاتے جاتے ہیں - ایک دفعہ سات روز ایام وصال کے روزے رکھے - متواتر رات دن کبھی بھی نہ کھایا پیا ساتویں دن حضرت قبلہ عالم رح اُن کے مکان پر خود تشریف لے گئے - اور فرمایا روزہ کھول دو - تمہارا شغل پورا ہو گیا ہے ؛

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی اس قسم کے روزے رکھتے تھے جن کو ایام وصال کہا جاتا ہے دیکھو اسوۂ صحابہ[۳] ؛

پانچواں مجاہدہ - عریانی بدن

سردی کے موسم میں بدن کی عریانی - برداشت اور تحمل مصائب کے لئے بڑا مجاہدہ ہے - اس سے قدر نعمت اور غربا کے حق میں علمی امداد کا یقین پیدا ہوتا ہے - آں سرور کائنات بابی انت و اُمی نے کئی سال کڑاکے کی سردی صرف ایک کمبل میں کاٹی - یہی کمبل غار حرا میں آخر تک آپ کا رفیق رہا - نزول وحی کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شب بیداری اور عبادت گذاری درجۂ اتم پر پہنچ گئی - تو ہمارے حبیب کو کمل پوش کے پیارے نام سے پکارا گیا :-

یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ط اے کمل لپٹنے والے رات کو نماز میں کھڑے ہا کرو مگر تھوڑی رات -

---

[۱] منتخب صفحہ ۴۴ ؛ [۲] منتخب صفحہ ۴۵ اس قصہ کی تفصیل آگے آتی ہے ؛ [۳] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۲۵

ہوں سیاہ کار میرے عیب کُھلے جاتے ہیں
کملی والے - مجھے کملی میں چھپالے - آ جا ؛

دنیا نے اپنے خزانے حضرت صحابہؓ کے پاؤں پر اُگل دئے ؛ ارین کی نعمت اور دنیا کی بادشاہت سے مالامال کئے گئے ۔ تاہم اُن کے فاتح اعظم کا لباس کھدر کے سترہ پیوند والے کرتے کے سوا نہ تھا ۔ اور کرۂ ارضی کی سینکڑوں گزشتیں آپ نے اُسی میں بسر کیں ؛

غرض پیر کامل نے اپنے رُوحانی شاگرد کا ایک قدم بھی اِس رستے سے اِدھر اُدھر نہ ہونے دیا ۔ آپ فرماتے ہیں جب مَیں تُمار شریف پہنچا ۔ اور سخت سردی کا موسم آیا ۔ تو حضورؒ نے تمام فقیروں کو روئی دار کپڑے ۔ اور بعض کو کمل اوڑھنے کے لئے عطا کئے ۔ مگر اس مسکین فقیر کو کچھ بھی نہ دیا ۔ اگر کبھی کوئی گرم کپڑا مجھے میسّر آ جاتا ۔ تو چھین کر دوسروں کو دے دیتے ۔ اور فرماتے ۔ کہ پہاڑی لوگ قوی تن ہوتے ہیں ۔ اِسے ضرورت نہیں ۔ مَیں لکڑیوں کا گٹھا چُن لاتا ۔ اور ساری رات آگ تاپ کر گذارہ کرتا لے ؛

چھٹا مجاہدہ تغافل

یہ ایک معشوقانہ انداز اور عاشق کی رقّتِ قلبی کا بڑا راز ہے ۔ تغافل سالک کیلئے امتحان اور اُس کی تربیت کا سامان ہوتا ہے ۔ وہ اپنے ہر ایک فعل پر پچھتاتا اور خفیہ الحاح کرتا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات صحابہؓ کے قول سے منہ پھیر لیتے تھے ۔ کبھی کسی صحابی کو اس کے فعل پر اپنی شیریں کلامی سے محروم فرما دیتے ۔ مرارہ بن کعبؓ بڑے پایہ کے صحابی تھے ۔ کسی عذر کی وجہ سے جہاد میں شامل نہ ہو سکے تو آپؐ نے چالیس روز تک اس سے بولنا چالنا بند کر دیا ۔ الغرض تغافل سے توبہ اور انابت کا ولولہ ایسا غالب آتا ہے ۔ کہ محبت الٰہی اور رافتِ نبوی اُس پر مشتاقانہ دوڑتی ہے ۔ یہی طریق رہبر کامل نے بارہا آپ سے برتا ؛

لے مناقب المحبوبین صفحہ ۱۷۰ ؛

ایک دفعہ آپ سخت بیمار ہوئے۔ اور کئی روز تک بخار رہا۔ لیکن آپ نے (باوجود اطلاع) خبرگیری نہ کی۔ ان کی دیکھا دیکھی سے کوئی اور بھی اُن کی عیادت کے لئے نہ گیا۔ آپ شدت مرض سے بڑتے رہے۔ آخر افاقہ پاکر مسجد کے دروازے پر جا بیٹھے۔ جہاں حضور کا گذر تھا۔ تجاہل عارفانہ کے طور پر فرمایا۔ وسیلہ تمہیں کیا ہوگیا۔ اور اک نگاہِ ناز ڈالی ــــ تھوڑی سی تدبیر کی۔ آرام ہو گیا[1]۔

تربیتِ رُوحانی

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیرِ طریقت کو آپ کی روحانی تربیت کا خاص خیال تھا۔ بڑے اہتمام سے آپ کی نگرانی اور رہبری کی جاتی۔ خواہ حاضر۔ خواہ غائب۔ ہر حالت میں چشمِ ولایت آپ پر رہتی۔ اور جہاں کہیں ذرا سی چوک واقع ہوتی۔ نورِ ولایت سے دیکھتے۔ اور فوراً جھڑک دیتے۔

ایک دفعہ آپ مسجد میں مصروفِ مطالعہ تھے۔ اور چند روز سے افطار نصیب نہیں ہوا تھا۔ چند کبوتر صحنِ مسجد میں آکر اترے۔ انہوں نے انگوٹھے کے ساتھ اپنی درمیانی انگلی کو ملا کر ایک سنگریزہ اس زور سے پھینکا۔ کہ کبوتر کے لگا۔ اور وہ پھڑک کر گر گیا۔ آپ نے جلدی سے اٹھ کر اُسے ذبح کیا۔ اور بھوننے لگے۔ دیکھا کہ ایک فقیر دوڑتا ہوا آرہا ہے۔ آتے ہی کہا۔ قبلہ عالمؒ تمہیں بلاتے ہیں۔ حاضر ہوئے تو فرمایا۔ "اے روہیلہ! تم یہاں یادِ خدا کے لئے آئے ہو۔ یا پرندوں کا گوشت کھانے کیلئے؟" فرماتے ہیں۔ میں شرمسار ہوا۔ اور نیچی نگاہ کرلی[2]۔

ایک بار سفر میں آپ کو تین روز کھانا نہیں دیا گیا۔ چوتھے روز چادر بیچ کر چاول خرید کئے۔ چولھے پر چڑھائے۔ اتفاق سے ہنڈیا ٹوٹ گئی۔ اور چاول مٹی پر گر کر ضائع ہو گئے۔ قافلہ چل دیا۔ آپ تن تنہا چل کھڑے ہوئے۔ مگر رستہ

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۶۱۔ [2] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۶۹۔

بھول گئے۔ اتنے میں ایک شیر نکلا۔ خدا خدا کر کے جان بچی۔ جب پیرِ طریقت کی خدمت میں آ کر قدمبوس ہوئے۔ تو مسکرا کر فرمایا۔ میاں جی! خوب چاول کھائے۔ اگر نہیں شیر کھا جاتا تو چاول کس کام آتے۔ آپ فرماتے ہیں۔ میں شرمسار ہوا۔ اور سمجھا کہ حضور کو خدا تعالیٰ نے میرے حال پر کس قدر غائبانہ نظرِ عطا کی ہے[1]۔

وجہ حلال

آپ کو اس امر کا بڑا خیال تھا۔ کہ وجہ حلال کے بغیر آپ کے منہ میں کوئی نوالہ نہ جانے پائے۔ کیونکہ تصوّف کا مسئلہ ہے۔ کہ اگر عارف وجہ حلال کے سوا کوئی نوالہ کھالے۔ تو ذکرِ الٰہی کی لذّت اور نورِ ولایت اس سے چھین لیا جاتا ہے۔ پس آپ کو حکم تھا۔ کہ صرف وہی کھاؤ جو نہیں میرے لنگر سے ملے، غائبانہ اگر کچھ ملتا تو فوراً چھین لیتے۔

چونکہ آپ شب و روز عبادتِ الٰہی۔ ذکر فکر میں بسر کرتے۔ خوف ہوا کہ دماغ پر اس کا اثر نہ پڑ جائے۔ اس لئے رات کو دودھ پینے کا حکم دیا۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ میں تلاش میں تھا۔ کہ کسی ایسے گھر سے دودھ خرید کروں۔ جس میں گائے چوری کے طور پر نہ آئی ہو۔ کیونکہ اس علاقہ کے لوگ مویشی چرانے میں بدنام تھے۔ مسجد کے ہمسایہ میں ایک شخص رہتا تھا۔ جس پر کبھی بھی چوری کا گمان نہ گزرتا تھا۔ میں نے اُس کے گھر سے دودھ خریدنا شروع کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ گائے چوری کی ہے۔ میں نے توبہ کی۔ اور پھر دودھ نہ پیا[2]۔

ایک رات سخت سردی تھی۔ میں چولھے پر بیٹھا آگ تاپ رہا تھا۔ ایک شخص نے مجھے ننگا دیکھ کر اپنا سینہ کمل اُتار کر دے دیا۔ جب قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ہوئی تو وہ کمل مجھ سے چھین کر ایک دوسرے فقیر کو دیدیا۔ اور فرمایا۔ تم پہاڑی مرد ہو۔ سردی تم پر اثر نہیں کرتی۔ ناچار پھر آگ سلگائی اور رات بسر کی[3]۔ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس کامل مربی نے آپ کی تربیت بڑے اہتمام سے کی۔ اور آپ کو آنے والی ذمہ داریوں کے لئے پورے طور پر تیار کیا۔

[1] منتخب صفحہ ۴۶ - ۴۷۔ [2] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۶۵۔ [3] مناقب المحبوبین ۱۷۱۔

باطنی توجّہ

اس ظاہری تربیت کے علاوہ ہمیشہ آپ پر باطنی توجہ رہا کرتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ آپ بہت جلد اپنی روحانیت کے ارتقائے منازل پر ترقی کرتے گئے۔ چنانچہ حضرت قبلہ عالم رح اپنی توجہ اور تربیت کے دوران میں فرماتے ہیں:-

"این طفلک در دریافت کردن و گرفتن چیزے از ما مارا متعجّب و حیران گردانیدہ حق تعالیٰ ایں اچہ وسیع و پرحوصلہ نمودہ کہ ہرچہ بگیرد۔ استعداد و قابلیّت نوق آں داشتہ باشد"[1]

ترجمہ۔ اس لڑکے نے (روحانی اسرار) کے اور (نعمت الٰہی) کے حاصل کرنے میں ہم کو متعجب اور حیران کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کس قدر وسیع حوصلہ بنایا ہے کہ جو کچھ حاصل کرتا ہے اور اس کی استعداد اور قابلیت اس سے کئی درجہ بڑھ کر ہوتی ہے۔

ایک دفعہ قبلہ عالم رح نے میٹھے دودھ کا ایک کاسہ بھر کر تین دفعہ آپ کو دیا۔ آپ پی گئے فرمایا۔ اور پیو گے؟ آپ نے کہا ہاں۔ حضور مسکرائے اور فرمانے لگے پٹھانوں کے پینے اور ان کے ہضم کرنے پر آفرین ہے[2]۔

اہل ذوق مانتے ہیں۔ کہ درصل یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اسرارِ باطنی کے ہضم کرنے کے لئے آپ کا ظرف کتنا وسیع ہے +

ایک دفعہ حضور نواب غازی الدین خاں کے مکان پر تشریف فرما تھے۔ نواب صاحب قبلہ عالم رح کے پیر بھائی اور ہم مشرب تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ وہ دیگ جو مجھے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ پیران کرام ملی۔ ہرچند میں نے خرچ کی۔ مگر ایک انگلی برابر کم نہ ہوئی۔ خدا کا منشا ہے کہ اس دیگ کا مالک یہی رد ہیلہ ہو[3]۔

---

[1] منتخب صفحہ ۱۴۔ [2] منتخب میں ہے۔ اتنا پینا اور ہضم کرنا اسی جوان کا کام ہے صفحہ ۱۴ [3] مناقب المحبوبین صفحہ ۶۵

پیچھے ذکر کیا گیا کہ ایک دفعہ جب آپ نے ایام وصال کے روزے رکھے۔ تو ساتویں دن خود آکر روزہ کھلوایا۔ اور فرمایا۔ بس تمہارا شغل پورا ہوا۔ اور تمہارا کام سرانجام۔ یہ واقعہ بذاتِ خود اُن کے ترقی مدارج کی کھلی شہادت ہے ؎

عشق اور نیر ان خون ان دنوں آپ کی طبیعت میں بے حد ذوق تھا۔ عشق الٰہی میں آپ کا دل بھونا گیا۔ تنہائی میں عاشقانہ غزلیں اونچی سُر سے پڑھتے۔ اور مست بیخود ہو جاتے۔ تین دفعہ ایسا بھی ہوا۔ کہ قوال نے کوئی عمدہ شعر پڑھا۔ تو آنکھوں سے خُون اُتر آیا۔ ایک دفعہ قوال نے مولٰنا جامی رح کی یہ غزل گائی ؎

اے ترک شوخ ایں ہمہ ناز و عتاب چیست	با دل شکستگاں ستم بے حساب چیست
دارم تطلّعے بتو آہستہ زاں کمند	اے سنگدل بر غم منت ایں شتاب چیست
گفتی شبے بخواب تو آیم۔ ولے چہ سود	چوں من بعمرِ خویش ندانم کہ خواب چیست

جب اس شعر پر پہنچے ؎

از مدرسہ بہ کعبہ روم یا بہ مے کدہ	اے پیرِ رہ بگو کہ طریقِ صواب چیست

تو آپ کا دل بھر آیا۔ اور ایسا تیز اثر طبیعت پر غالب ہوا۔ کہ خون کے آنسو دونوں آنکھوں سے جاری ہو گئے۔ حافظ محمد مسعود کہتے ہیں۔ کہ حافظ سلیمان میرے دائیں طرف تھے۔ اور قبلہ عالم رح میرے آگے۔ میں نے دیکھا کہ حافظ بے خود ہیں۔ اور آنکھوں سے خون نکل رہا ہے۔ میں ڈر گیا۔ اور مؤدبانہ حضرت قبلہ عالم رح کو متوجہ کیا۔ حضور نے دیکھا۔ تو فوراً قوالی بند کر دی۔ اتنے میں حافظ بھی بے خود ہو کر گر گئے۔ قبلہ عالم رح نے چادر سے اُن کو ڈھانک دیا۔ اور خود چلے گئے۔ مجھے مامور کیا۔ کہ میں آخر تک اُن کی نگرانی کروں۔ ۲۔۳ گھنٹے دیر کے بعد ہوش سنبھالا۔ تو چادر کو بوسہ دیا۔ اور چپ چاپ نماز کو روانہ ہوئے۔ آپ پر یہ حالت دو دفعہ اَور بھی ہوئی ؎

ا؎ مناقب المحبوبین صفحہ ۶۵ ؎ ۲؎ مناقب المحبوبین صفحہ ۱۶۶ ؎

میاں نور بخش صاحب فرماتے ہیں۔ کہ قبلہ عالم رح کے وصال کے بعد پہلا عرس تھا۔ خانقاہ شریف کے سامنے مجلس سماع تھی[1]۔ قبلہ عالم رح کے تمام خلفاء اور نواب غازی الدین خاں حاضر تھے۔ قوالوں نے شیخ جمالی چشتی کی یہ غزل گانا شروع کی ؎

مرحبا ترک مست رعنائی ۔۔۔ دل ز ما مے بری ز یغمائی

جب اس شعر پر پہنچے ؎

محو مطلق شود ہمہ عالم ۔۔۔ چوں نقاب از جمال بکشائی

تو آپ پر ایسا تیز اثر غالب ہؤا۔ کہ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ نبض بند ہو گئی۔ ہر شخص کو آپ کے وصال کا یقین ہو گیا۔ نواب صاحب کہتے ہیں کہ ہمارا خیال ہؤا۔ کہ یہ واقعہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہو گیا۔ جو حضرت احمد جام رح کے اس شعر پر ؎

کشتگان خنجر تسلیم را ۔۔۔ ہر زماں از غیب جانے دیگر است

فوت ہو کر رفیق اعلےٰ سے جا ملے تھے۔ آخر بمشکل ظہر کے وقت ہوش آیا اور جا کر نماز ادا کی ؛

تیسری دفعہ یہ واقعہ حاجی پور پر شیخ نور محمد نارووالہ کے عرس کی تقریب میں ہؤا۔ تب سے آپ مجلس سماع میں حاضر نہیں ہوتے تھے[1] ؛

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں پیر باضمیر آپ کے ذوق میں حصہ لیتے تھے۔ اس نے نوازِ محبت کے عارفانہ اقوال آپ کے سازِ فطرت پر مضراب کا اثر تھے۔ ایک دفعہ آپ مسجد میں حافظ کا یہ شعر اونچی سُر میں الاپ رہے تھے مستی اور سرخوشی کا یہ عالم تھا۔ کہ آنسو رخساروں پر ڈھلک رہے تھے۔ سرچشمۂ محبّت عمداً مسجد میں چلے آئے۔ اور فرمایا کہ کیا پڑھ رہے ہو؟ آپ نے شرما کر کہا۔ حافظ کا ایک شعر۔ فرمایا مجھے بھی سناؤ۔ آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۶۶ ؛

کمالِ صنعتِ مشاطہ شاید		کہ روئے زشت از بیا نماید

قبلہ عالم رح خوش ہوئے اور فرمایا۔ مجھ سے بھی سنو ؎

مگو کہ پیر شدی ذوق عاشقیت نماند
شراب کہنۂ ما مستئ دگر دارد[1]

وطن کو واپسی

سنہ ۱۱۹۰ھ میں آپ نے وطن چھوڑا۔ اور سنہ ۱۲۰۲ھ میں اپنے ہادی کی ہدایت کے مطابق پہاڑ واپس گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ ۱۳ سال مادرِ مشفق کی آنکھوں سے اوجھل رہے۔ بعض لکھتے ہیں۔ کہ جب آپ تونسہ میں پڑھتے تھے۔ تو شفیق ماں اُن کو دیکھ جایا کرتی تھیں۔ اس حساب سے بھی مہاجرت کا عرصہ سنہ ۱۱۹۴ھ تا سنہ ۱۲۰۲ھ تقریبًا ۹ سال سے کم کسی صورت میں نہیں۔ اِس لمبے عرصہ کی جُدائی سے ماں کا جگر آتشِ فراق سے بھن گیا۔ زیادہ مصیبت یہ کہ اس کا دوسرا بیٹا یوسف عین عالمِ شباب میں اپنی دائمی جدائی کا داغ آفت زدہ ماں کے سینہ پر دھر کر راہیٔ ملکِ بقا ہوا۔ سلیمان اور یوسف دونوں کی جدائی سے زلیخا کی کمرِ ہمت ٹوٹ گئی۔ اور متاعِ صبر و سکون جل گیا ۞

دنیا سنگدل اور کور چشموں کے باوجود قائم ہے۔ لکھتے ہیں کہ ان دنوں درگ کا حاکم سردار خاں نام ایک جعفر تھا۔ اِس کے علاقہ میں جب کوئی شخص فوت ہوتا۔ تو دفن کے لئے اجازت لینی پڑتی تھی۔ اگر میّت لاوارث ہوتی تو اُس کی تمام جائداد ضبط کر کے خود قابض ہو جاتا۔ اِس حکم کی بنا پر بی بی صاحبہ نے بھی اس کو اپنے پیارے یوسف کے وصال کی خبر دی۔ وہ بدبخت فورًا پہنچ گیا۔ اور پوچھنے لگا۔ کہ اِس کا کوئی بھائی بھی ہے؟ اُس نے کہا ہاں۔ ایک بھائی

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۶۲ ۞

ہے۔ یہ علاقہ سندھ[1] میں پڑھتا ہے۔ اس پر جبراً بی بی صاحبہ سے ایک تحریر لے لی۔ کہ اگر اگلے موسم خریف تک اسے حاضر نہ کروگی۔ تو اُس کی تمام جائداد قبضہ میں لائی جائے گی۔ بی بی صاحبہ نے تحریر تو دے دی۔ مگر فرمایا۔ خدا میرے بیٹے کو اپنی جائداد کا مالک بنائے گا۔ اور تیری جائداد[2] غیروں کے حصہ میں دیگا۔

جب پیارا یوسف راہی ملک بقا ہوا۔ تو بی بی صاحبہ کے پاس اُس کی تجہیز و تکفین کیلئے کچھ نہ تھا۔ بی بی صاحبہ سید احمد شاہ خرسین کے پاس گئیں۔ اور حاجت ظاہر کی۔ سید احمد شاہ نے زمین کا بڑا حصہ بی بی صاحبہ سے بیع لکھوالیا۔ اور صرف دو بچھڑے خیرات کے لئے اور دو روپے نقد کفن کیلئے دئے[3]۔

اِن دردناک واقعات نے بی بی زلیخا کو مجبور کیا۔ کہ وہ یوسف گم شدہ کی تلاش میں گھر سے نکلیں۔ چنانچہ بی بی صاحبہ دریا تک آئیں۔ گھر گھر چپہ چپہ کھود ڈالا۔ مگر اُس گوہر مقصود کا نشان کہیں نہ ملا۔ آخر کسی سے معلوم ہوا کہ تمہارا بیٹا مہاران (علاقہ بہاول پور) میں ایک فقیر کے ہاتھ میں گرفتار ہے۔ جو بڑا جادوگر اور سحر کار ہے۔ جو جاتا ہے اُس کو جادو کے زور سے قابو میں لے آتا ہے۔

پس بی بی صاحبہ نے اُس کی زبانی پیغام دیا۔ کہ میرا بیٹا مدت سے تمہارے پاس ہے۔ جس کے فراق میں میری جان پر بنی ہے۔ خدا کے واسطے بھیجو۔ بعض مناقب میں ہے۔ کہ قبلہ عالم رح کو ان دردناک واقعات کا القا ہوا۔ بہرحال کچھ ہوا۔ ایک دن قبلہ عالم رح نے آپ سے خود اُن کی ماں۔ بھائی اور خاندان کا حال پوچھا۔ اور حکم دیا۔ کہ فوراً جاؤ۔ اور اپنی مادرِ مہربان سے مل کر آؤ۔ آپ نے انکار کیا۔ مگر شفیق مربی نے اصرار کے ساتھ انہیں بھیجدیا[4]۔

سنہ ۱۲۰۲ھ میں آپ براستہ کوٹ مٹھن ڈیرہ غازیخاں پہنچے۔ اور مصیبت زدہ ماں کا کلیجہ ٹھنڈا کیا۔ لیکن بھائی یوسف کی مرگِ ناگہاں کی خبر نے خوشی کا نقشہ غم سے

---

[1] سندھ یہاں کے عرف عام میں اس علاقہ کو کہتے ہیں۔ جو دریائے سندھ کے دونوں طرف واقع ہے۔

[2] خدا کی قدرت ایسا ہی ہوا۔ کہ سردار خاں مرگیا۔ اور اس کا کوئی وارث نہ رہا۔ اور جائداد دوسرے لوگ کھاگئے۔

[3] راحت العاشقین صفحہ ۵۹۔ [4] منتخب صفحہ ۵۴۔

بدل دیا۔ آپ نے سیّد احمد شاہ کی سرد مہری کا واقعہ سُنا۔ تو رنجیدہ ہوئے اور بد دعا کی[1]۔
صرف ۲۰ دن گھر رہے[2]۔ کہ معشوقِ حقیقی کی تڑپ نے دل کو بے قرار کر دیا۔ غم زدہ ماں پر ارادہ ظاہر کیا۔ تو اُس نے وہیں رہ کر تحصیلِ علم کا مشورہ دیا۔ لیکن عشق و محبت کا پیمانہ لبریز تھا۔ اور آتشِ فراق کا شعلہ تیز۔ صبر نہ ہو سکا۔ پھر اجازت لی۔ شفیق ماں نے چار و نا چار اجازت دی۔ اور براستہ ملتان مہار شریف آ پہنچے۔ اِس کے بعد صرف تین بار ماں کے پاس آئے۔ اور تین ہفتہ سے زیادہ کبھی نہ رہے[3]۔

آخری بار قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے تپاک سے آپ کو الوداع کہا۔ پہنچانے کے لئے بستی سے باہر نکل آئے۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور ہاتھ آپ کے کندھے پر۔ یہ شعر آپ بار بار پڑھتے تھے ؎

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتہ ای — نرخ بالا کن۔ کہ ارزانی ہنوز

اِس دفعہ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو تین نصیحتیں فرمائیں:۔

اوّل۔ اکیلے نہ چلا کرو۔

دوم۔ اگر کوئی ساتھی تمہیں اپنے ساتھ لے چلنے کی استدعا کرے تو انکار نہ کیا کرو۔

سوم۔ اگر کوئی شخص تم سے دُعا طلب کرے۔ تو اُس کے حق میں دل سے دُعا دو[4]۔

اہلِ ذوق لکھتے ہیں۔ کہ اِن سے آپ کا اشارہ وفا۔ بیعتِ عامہ اور خلائق کی حاجت برآری کی طرف تھا۔

---

[1] لکھتے ہیں کہ اس بد دعا کا یہ اثر ہوا۔ کہ اب تک اس خاندان میں کسی کے ہاں ایک سے دوسرا لڑکا پیدا ہوتا ہے تو وہ مرجاتا ہے۔ راحت العاشقین صفحہ ۶۲۔
[2] منتخب صفحہ ۵۵۔
[3] منتخب صفحہ ۵۵۔
[4] منتخب صفحہ ۶۸۔

حضرت قبلہ عالمؒ کا وصال

سفر حصولِ نعمت

آپ کی روانگی کے چند روز بعد قبلہ عالم رح علیل ہوئے۔ ہر چند تدبیریں ہوتی رہیں۔ مگر مرض بڑھتا گیا۔ طاقت گھٹتی گئی۔ آخر مایوسی کے آثار نمودار ہوئے۔ حضور کو بھی یقین ہو گیا۔ کہ رفیق اعلیٰ سے ملنے کا وقت آ پہنچا۔ تو بھری مجلس میں اپنے محبوب مراد حافظ محمدؐ سلیمان کو معروف نام روہیلے سے یاد کیا۔ رمزدانوں نے سمجھ لیا کہ تفویض امانت کا خیال ہے۔ ذاکرین اور خلفا کا بہت بڑا مجمع تھا۔ اُن میں صاحبزادہ شہید[1] صاحب کھڑے ہوئے۔ اور عرض کیا۔ کہ اگر فرمان ہو۔ تو مَیں خود جا کر اُسے لے آؤں۔ اس پر حافظ محمدؐ جمال ملتانی نے شہید صاحب سے کہا۔ کہ آپ اس علاقہ میں کبھی نہیں گئے۔ مجھے اجازت ہو تو مَیں جاؤں۔ لیکن قبلہ عالم رح نے دیکھا کہ وقت تنگ ہے۔ فرمایا تم ٹھیرو۔ خدا چاہے گا۔ تو اُسے خود لاوے گا۔[2]

کششِ روحانی اور عشق و محبّت کے جذباتِ مقناطیسی کا نظارہ دیکھئے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ مَیں ہر دفعہ اپنی ماں کی چار و ناچار رضامندی کے ساتھ آیا کرتا تھا۔ اِس لئے میری ماں نے مجھ پر پہرہ لگا دیا تھا۔ جس کی وجہ سے مجھے بلا اطلاع بھاگنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ جوں جوں دیر ہوتی تھی۔ میری بیقراری بڑھتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ مَیں بے صبر ہو گیا۔ اور ایک دن موقع پا کر بھاگنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ حویلی کے دروازے کو قفل لگا ہُوا تھا۔ حویلی کے اِرد گرد (جیسا کہ پہاڑ کا دستور ہے) ایک خندق تھی۔ جس میں کیکر کے کانٹے بچھائے گئے تھے۔ مَیں دیوار پر سے کودا۔ میرے پاؤں گھٹنوں تک کانٹوں میں دھنس گئے

---

[1] آپ کا نام نامی حضرت عبدالصمد۔ آپ حضرت قبلہ عالم رح کے بڑے صاحبزادے ہیں۔

[2] منتخب صفحہ ۶۸

پاجامہ پھٹ گیا۔ اور پنڈلیاں کانٹوں سے چھل گئیں۔ تاہم میں بھاگا۔ تمام رستہ ریگستان۔ جنگل اور ہیبت ناک پہاڑ تھے۔ رات اندھیری تھی۔ تاروں کی معمولی روشنی میں مَیں تیز بھاگتا رہا۔ مجھے خبر نہ ہوتی تھی۔ کہ میرے پاؤں زمین پر پڑ رہے ہیں۔ یا ہَوا میں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص میرے گلے میں زنجیر ڈالے اڑائے لئے جا رہا ہے۔ رات دن دَوڑتا اور جاگتا رہا۔ پانی تک نہ پیا۔ عصر کے وقت گھاٹ[۲] دائرہ دین پناہ پر پہنچا۔ دیکھا تو وہاں کشتی نہ تھی۔ (غم و غصہ) سے میری نبض کی حرارت بڑھ گئی۔ اور مجھ پر غشی کی سی حالت طاری ہونے لگی۔ مَیں ایک پَودے کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھ رہا۔ اَور پاؤں پھیلا دئے پاؤں کو ہاتھ سے ملا۔ تو اُن پر آبلے تھے۔ جو ہاتھوں کے ساتھ کھجلانے سے پھوٹ پڑے۔ میرے تمام تلووں سے چمڑا ادھڑ گیا۔ ایسے جیسے کہ سانپ کی کینچلی اترتی ہے۔ اور خون بہنے لگا۔ مجھے اتنی طاقت نہ تھی۔ کہ کہیں جا سکوں۔ یا کشتی تلاش کر سکوں۔ اس پریشانی میں شام ہو گئی۔ مَیں نے شام کی نماز پڑھی۔ تو مجھے ایک شخص نظر آیا۔ اُس نے میرا حال دریافت کیا۔ اور مجھے بے بس پا کر تولہ[۱] کے ذریعہ پار کیا۔ جب مَیں پار اُترا تو پھر بھاگنا شروع کر دیا۔ صبح کی نماز مشرقی دائرہ دین پناہ (ضلع مظفر گڈھ) میں پڑھی۔ مَیں وہاں سے پھر چل پڑا۔ میری آنکھیں سو رہی تھیں۔ مگر پاؤں سفر کر رہے تھے۔ معلوم نہ ہو سکتا تھا۔ کہ نیند ہے یا بیداری۔ دوپہر ڈھل چکی تھی۔ کہ مَیں دوسرے دریا سے گزر کر ملتان پہنچا۔ اور مخدوم رشید جا کر ظہر کی نماز ادا کی۔ اِس سے آگے ایک مقام بیٹہ میں شب باش ہُوا۔ اَور تیسری منزل نیلی سے عبُور کر کے عصر کے وقت شہر فرید لکھویرہ پہنچا۔ اگر مَیں وہاں سے روانہ ہوتا۔ تو شام مہار شریف

---

[۱] سرکنڈوں کا ایک گٹھا جس سے تیراک شناوری کا کام لیتے ہیں۔

[۲] نقشہ ہمارے سامنے ہے۔ درگ سے فرید لکھویرہ تک دوسو میل کا سفر ہے۔ جس کو آپ نے تین دن میں طے کیا۔ گویا ۶۶ میل روزانہ اوسط کے حساب سے۔ اگر آرام اور بحری وقفوں کو بھی شامل کیا جائے تو اوسط اس سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس سفر میں ۸۰ میل خالص پہاڑ ہیں۔ اور جن لوگوں کو پہاڑی سفر کا اتفاق (آگے دیکھیے صفحہ ۵۴)

پہنچ جاتا۔ لیکن مجھے قبلہ عالم رح کی وصیّت تھی۔ کہ جب کبھی دُور سے میرے پاس آیا کرو۔ تو روز روشن میں مجھے ملا کرو۔ وصیّت کا خیال کرکے وہاں ٹھیر رہا۔ صبح تین چار گھڑی دن چڑھے مہار شریف پہنچا۔

حصُولِ نعمتِ روحانی

اب وقت آیا۔ کہ منزل سلوک کا یہ تشنہ کام مسافر خمخانہ عشق الٰہی کی اُس لذت سے سرشار کیا جائے جس کے لئے فنا نہیں۔ اور اوجِ عرفان کا یہ شہباز اس ٹہنی پر بٹھایا جائے جس کے اوپر پرواز ناممکن ہے۔ اب وقت ہے کہ خزینۂ محمدیؐ کے امین اِس بھاری امانت کو آپ کے حوالہ کریں جس کے لئے مشیّت نے آپ کو تاکا۔ یعنی اصلاحِ نفوس، مغفرتِ عامہ، اور احیائے ملّت کی ذمّہ واریوں کے جس بھاری بوجھ کے لئے آپ کی تربیت اور تلاش کی جا رہی تھی۔ ان کے سپرد کر دینے کا وقت آگیا۔

ایک ظاہر بین کے لئے بہت محال ہے۔ کہ اِس روحانی کیفیت کا بیان کر سکے۔ جو مشاہدہ انوار کی دلی حس کے بغیر محسوس نہیں کی جا سکتی۔ کہ کِس طرح یہ امانت اِن کے حوالہ ہوئی۔ وہ روحانی کیفیت کیا تھی۔ وہ امالۂ عمل کیا تھا۔ وہ کون سے اسرار تھے۔ وہ کیا باتیں تھیں۔ وہ کونسا طریقہ تھا۔ یہ سب باتیں حال سے تعلق رکھتی ہیں۔ ممکن نہیں کہ کسی جادو نگار کا قلم اپنی سحر کاری سے صفحۂ قرطاس پر لا سکے۔

میدان عرفان کے سب سے بڑے شہسوار حضرت رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم جیسے حانیّت کی آخری منزل پر عروج فرماتے ہیں۔ تو اِس حقیقت کے بیان کرنے کے لئے کلامِ ربّانی بھی باوجود اپنی قادر بیانی کے فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی[1] کہ کر رہ جاتا ہے۔ جس میں یقیناً یہی راز ہے۔ کہ روحانیت کے یہ امور انسانی ادراک

ہوتا ہے۔ اُس کی صعوبتوں کا اندازہ وہی لوگ زیادہ کر سکتے ہیں۔ یہیں بعض خوش عقیدہ اشخاص کی رائے ہی کہ آپ نے یہ سفر روحانیت کے درجے طی مکانی سے طے کیا۔ لیکن طے مکانی میں آبلہ پائی۔ کوفت جسمانی کٹھن نہیں ہوا کرتی پس یہ سفر محض جسمانی طاقت کی بنا پر ہوا۔ یہ سفر بالکل ظاہرا جسمانی طاقت سے طے کیا گیا۔ گو یا یہ عمل اہلِ کرامت نہیں۔ لیکن حضرت عشق کا یہ کرشمہ کسی کرامت سے کم نہیں ہے۔ [1] منتخب صفحہ ۶۵۔

[1] ترجمہ۔ پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو بھیجا۔ (ترجمۃ القرآن از مولانا محمود الحسن)

سے باہر اور عقول کے دائرہ سے خارج ہیں - اور ایک ایسی کیفیت سے متعلق ہیں - جسے حقیقت بین آنکھ اور خداشناس دل کے سوا دوسرے نہیں سمجھ سکتے ؛

لیکن اس روحانی کیفیت کا احساس ممکن ہے - حجۃ الاسلام مولٰنا غزالیؒ جو تصوف اور اسلام کے بہت بڑے فلاسفر ہیں - اس احساس کی شہادت ان الفاظ میں دیتے ہیں :-

آپ یہ گمان نہ کریں کہ اسرار الہٰی کے لئے دل کی کھڑکی خواب یا موت کے بغیر نہیں کھل سکتی - ایسا نہیں - بلکہ اگر بیداری میں کوئی شخص ریاضت کرے - اور دل کو غصے - شہوت اور بد اخلاقی سے پاک رکھے - خالی جگہ پر بیٹھے آنکھ کو بند کرے - اور ظاہری حواس کو (مشق سے) بیکار کر دے - اور دل کو عالم رُوح سے تعلق دے - یہاں تک کہ اللہ اللہ اُس کے دل پر جاری ہو جائے - نہ کہ صرف زبان پر - اپنے تئیں دُنیا جہان میں بے خبری کی حالت پیدا کرکے خدائے قدوس کے بغیر اُس کے دل پر کسی کا خیال نہ گزرے - تو جب یہ عادت پیدا ہو گی - بیداری ہی میں اُس کے دل کی کھڑکی کھل جائے گی - اور جو کچھ اور لوگ خواب میں دیکھیں گے - یہ بیداری میں دیکھ سکے گا - ارواح اور پاکیزہ صورتیں اس کے سامنے جلوہ گر ہونگی پیغمبرؑ اسے نظر آنے لگیں گے - ان سے استفادہ اور مدد حاصل کر سکے گا - آسمان اور زمین کے فرشتے دیکھے گا - اور جس کو یہ مرتبہ مل جاتا ہے - وہ عظیم الشان عجائبات کا مشاہدہ کرتا ہے - جن کی تعریف نہیں ہو سکتی ؛

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا - کہ "مجھ پر زمین پیش کی گئی - اور میں نے اسے مشرق سے مغرب تک دیکھا - اور اللہ تعالٰے نے جو یہ فرمایا - وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[1] - اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کے فرشتے دکھلائے - وہ یہی حالت تھی - انبیائے کرام علیہم السلام کا علم تمام کا تمام اسی رستہ سے ہوتا ہے - نہ کہ

[1] ترجمہ :- اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم کو عجائبات آسمانوں اور زمینوں کے ؛ (ترجمۃ القرآن مولٰنا محمود الحسن) ؛

Scanned with CamScanner

ظاہری حواس خمسہ سے" ؛

بعض کا خیال ہے۔ کہ شریعت اجازت نہیں دیتی کہ یہ باتیں بیان کی جائیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جو حقیقت عقل سے محسوس نہیں ہوسکتی۔ اُس کو بیان کرنا ایک محال کوشش ہے۔ جیسا کہ ایک[1] مادرزاد اندھا جس نے ہاتھی نہیں دیکھا ہاتھی کی حقیقت کو بیان نہیں کرسکتا ؛

تو پس نہ صرف مجھ ہیچ میرز کے لئے بلکہ کسی بڑے سے بڑے معجز بیان کے لئے یہ غیر ممکن ہے کہ اس حقیقت کے چہرہ کو الفاظ کے آئینہ میں بے نقاب کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس موقعہ پر تمام مناقب نویس خوش اعتقادی کی حسرتوں کو دل میں رکھ کر معمولی روایات کے بغیر کچھ نہیں لکھ سکے۔ اور میرا خیال ہے کہ جس حد تک خود صاحب سیرۃ نے اپنی آخری ملاقات کا ذکر زبان گوہر فشاں سے فرمایا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا ؛

اور سب سے زیادہ صحیح اور سب سے مکمل بیان وہی ہے۔ جو آپ نے اپنے پیرزادہ کی رعایت سے ذکر کیا۔ اس لئے ہم خود آپ کے اپنے الفاظ میں اِس کیفیت کا خلاصہ عرض کردینا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور یہی طریقہ صاحب منتخب نے اختیار کیا ؛

آپ فرماتے ہیں۔ جب میں حضور میں پہنچا۔ تو قبلہ عالم رح سایہ میں ایک چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ اور تمام صاحبزادے۔ خلیفے اور عالم جمع تھے میں ابھی صحن مسجد سے چند قدم دُور تھا۔ کہ اُن لوگوں کی نگاہ مجھ پر پڑی شہید صاحب فوراً پکار اُٹھے کہ "سلیمان آگیا"۔ اور میرا آنا اُن کی خدمت میں گوش گذار کیا۔ میں نے سُنا کہ حضور نے فرمایا "الحمد للہ!" میں نے قدم بوسی کی۔ آپ نے نظرِ عنایت فرمائی۔ اور مجھے اپنے سرہانے چہرہ کے سامنے بٹھلا دیا۔ حسب معمول میرے وطن کا حال اور والدہ ماجدہ کی خبر خیریت پوچھی۔ فرمایا۔ دیر سے کیوں

[1] کیمیائے سعادت مصنفہ امام غزالی رح مطبوعہ ؛

آئے؟ عرض کیا۔ پہاڑ میں میری سکونت کا حال آپ سے مخفی نہیں۔ فرمایا۔ ہاں۔ خیر اچھا ہُوا۔ ایک گھڑی نہ گزری تھی۔ کہ آپ نے سب کو رخصت کر دیا۔ اَور صرف مجھے بٹھلائے رکھا +

اشارہ کیا کہ نزدیک آؤ۔ اَور میرے چہرہ کے مقابل ہو۔ مَیں تھوڑا سا آگے ہُوا۔ فرمایا۔ اَور آگے۔ مَیں پھر سرکا۔ فرمایا۔ اَور آگے۔ پھر میں بہت قریب ہو گیا۔ یہاں تک کہ چارپائی کے پائے کے ساتھ لگ گیا۔ میرا چہرہ آپ کے چہرہ کے متصل تھا۔ اتنا کہ آپ کی سانس میرے چہرہ تک پہنچتی تھی۔ فرمایا۔ میری طرف نظر کرو۔ مَیں نے ادب سے آنکھ اٹھائی۔ آپ نے اپنی نظر میری نظر میں گاڑ دی۔ اور کچھ ایسی توجہ مجھ پر ڈالنی شروع کی۔ کہ مَیں بے خود ہو گیا۔ مجھے کچھ پتہ نہ تھا کہ مَیں کیا ہوں۔ اور کیا دیکھتا ہوں۔ یہاں تک کہ بولنے اَور پوچھنے کی طاقت مجھ سے سلب ہو گئی۔ دیر تک اسی طرح متوجہ رہے۔ مجھے بار بار فرماتے تھے۔ وسواس نہ کر۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ دھوپ چڑھ آئی۔ چارپائی اندر رکھائی گئی۔ وہاں بھی تخلیہ رہا۔ اَور یہی کیفیت رہی۔ جب دوپہر ہونے کو آئی۔ آپ نے میرے لئے روٹی منگائی۔ لیکن مجھے بھوک کا مطلق احساس نہ تھا۔ چند نوالے زور سے میرے منہ میں دئے +

کوئی شخص عبادت یا طلب حاجت کے لئے آتا۔ تو جواب باصواب دے کر لوٹا دیتے۔ اَور ہر لحظہ اپنی نظرِ عنایت مجھ پر ٹھیرائے رہتے۔ اور مجھے بھی یہی ارشاد تھا۔ کہ ہماری آنکھ میں آنکھ ملائے رہو۔ اگرچہ میری نظر ملی ہوئی تھی۔ مگر پھر بھی نہ چاہتے تھے۔ کہ میری آنکھ جھپکنے پائے۔ بجز ضرورتِ خاص کے رخصت نہ دیتے۔ تاکید فرماتے۔ فوراً واپس آؤ۔ کہ تمہارا جانا اس وقت مجھے منظور نہیں۔ اور نہ کسی غیر کا آنا منظور رہے۔ مَیں ضرورت دفع کر کے فوراً واپس آتا +

خلاصہ یہ کہ ذوالحجہ ۱۲۰۵ھ کی پہلی تاریخ صبح سے دوسرے دن غروب آفتاب تک یہی کیفیت رہی۔ اَور مجھے اپنے پاس بٹھائے رکھا +

امانت کا بوجھ آخری دن جب نماز عصر پڑھی گئی۔ اگرچہ قبلہ عالمؒ کو حد درجہ کمزوری تھی۔ لیکن چارپائی پر اٹھ بیٹھے۔ اور تمام لوگوں سے فراغت مانگی۔ جب سب چلے گئے۔ تو مجھے فرمایا۔ اے فلاں! اگرچہ تمہاری جُدائی کے لئے دل نہیں چاہتا۔ لیکن اپنے بزرگ پیرانِ کرام کے دستور کے مطابق تم کو رخصت کرتا ہوں۔ جیسا کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ خواجہ عثمانؒ سے اور سلسلہ وار ہم مولنا صاحبؒ سے وصال سے پیشتر رخصت ہوئے۔ اگرچہ تم خود ذاتِ الٰہی کے تلقین یافتہ اور برگزیدہ ہو۔ لیکن جو کچھ مجھے خدا کے فرمان سے حضور رسالتمآبؐ کی جناب سے پیرانِ عظام کے چاروں سلسلوں کے ذریعے سے ملا۔ تمہیں دیا۔ انشاء اللہ تم اسے لے کر خدا کے مقبول اور رسول کے منظورِ نظر رہو گے۔ اس پر مستعد اور تیار رہو۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ میں کس وقت حضور سے جُدا ہو جاؤں۔ فرمایا مجبوراً ابھی۔ میں نے عرض کی۔ خیال میں دُور کا مسافر ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ اللہ اور اللہ کا رسول تمہارے ساتھ ہیں۔ وسواس مت کرو۔ اور دلجمعی سے کام کرتے رہو۔ آپ کے اس فرمان پر میں چُپ رہا۔ خود بدولت نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنی گردن سے چمٹا کر فرمایا۔ جاؤ۔ فی امان اللہ۔ میں نے عرض کیا۔ کہاں۔ فرمایا۔ اس شہر کے باہر جنوبی طرف چشتیاں کے رستہ میں ایک مسجد ہے۔ وہاں جا کر بیٹھو۔ اور رات بھر وہاں ہو۔ اگر ہمارے متعلق کچھ افسوس ناک خبر سنو۔ تو بھی وہاں رہو۔ اور میری طرف مت آؤ۔ صبح کو ہم پہنچیں گے۔ تم ہمارے ہو جانا۔ اور دوبارہ فی امان اللہ کہہ کر رخصت کیا۔

میں چار و ناچار دیدہ گریاں۔ سینہ بریاں۔ قدمبوسی کر کے روانہ ہوا۔ مجھے رستہ میں لوگ ملے۔ اور حقیقت پوچھنے لگے۔ لیکن اپنے دردِ دل کی وجہ سے میری زبان سے کچھ نہ نکلا۔ چُپ چاپ مسجد مذکور میں آ کر بیٹھ گیا۔ رات بھر بڑی بیتابی میں گزاری۔

تخفت خسر و مسکیں ازیں ہوس شب ہا
کہ دیدہ در کفِ پایت نہد بخواب رود

ابھی صبح نہ ہوئی تھی۔ کہ واویلا کی آواز سُنائی دی۔ مَیں نے سمجھا۔ کہ جہان بے نُور ہُوا۔ میرا دل چاہتا تھا۔ کہ حضور میں چلا جاؤں۔ اور پھُوٹ پھُوٹ کر رو دُوں۔ لیکن حضُورؐ کی ممانعت کا خیال کر کے وہیں رہا۔ جب جنازہ مبارک مسجد کے اس سمت سے گزرا۔ اور میری نظر اس پر پڑی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ قبلہ عالم رحؒ بلاتے ہیں۔ مَیں دَوڑ کر گیا۔ اور قدمبوسی کر کے ساتھ ہولیا[1] +

امانت کے بوجھ سے انکار اور عدم منفعت

ارشاد و ہدایت تلقین و کرامت معمولی کام نہیں۔ یہ وہ وادی ہے جہاں بڑے بڑے اولوالعزم مرسل تھک کر بیٹھ رہے ہے حضرت موسیٰ کلیم اپنے پُرہیبت جُثے۔ پُرعظمت دل اور مست آنکھوں کے باوجود جب اِس کام کے لئے مامُور کئے جاتے ہیں۔ تو عجز و انکساری کی زمین پر بچھ جاتے ہیں۔ خدائے برتر کا صاف حکم ملتا ہے۔ کہ فرعون کے پاس جاؤ۔ کیونکہ وہ سرکش ہو چکا ہے۔ اگرچہ وہ خدا کے جلوے ظاہر آنکھوں سے دیکھ چکے۔ اور تسلّی آمیز باتیں سُن چکے ہیں۔ تاہم اپنے کام کے آسان ہونے کی دُعا مانگتے۔ اور اپنے لئے بھائی کی امداد کے طالب ہوتے ہیں +

یہ استدعا منظور ہو جاتی ہے۔ تب بھی ہچکچا کر کہتے ہیں۔ کہ اے رب! ہمیں ڈر لگتا ہے۔ کہ زیادتی کر بیٹھے۔ یا سرکشی کرے! اور جب تک لَا تَخَافَا اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی[2] کے کلمات سے مطمئن نہیں ہوتے۔ قدم نہیں اُٹھاتے +

حضرت نوحؑ اِس میدان میں خم ٹھوک کر آتے ہیں۔ مگر کم و بیش ایک ہزار سال کی پُرزور کوشش کے بعد اس اکھاڑہ میں ناکام رہتے۔ اور آخر کار پکار اُٹھتے ہیں کہ اے رب! دُنیا کی بستی پر کفار میں سے ایک جیتا بھی نہ بچائیو[3] +

پس اِس کام کے لئے جو مقدّس ہستیاں تیار کی جاتی ہیں۔ اگرچہ ان کی

---

[1] منتخب صفحہ ۲۷ + [2] طٰہٰ سیپارہ ۱۶ رکوع ۱۲ +
[3] نوح سیپارہ ۲۹۔ رکوع ۸ +

ہمت و عزم کی افتاد عام انسانوں سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور اگرچہ عشق و سلوک کی آزمائشوں میں ٹھوک بجا کر لئے جاتے ہیں۔ اور اگرچہ اس مہم کے لئے ان کی سرشت کو شرابِ عشق سے متوالا اور رازِ حقیقت سے آشنا کر دیا جاتا ہے۔ تاہم مقابلہ میں وہ اپنے حوصلہ کو پست پاتے۔ اور عجز و انکسار کے ساتھ کمریں کھول کر رہ جاتے ہیں۔ کتنا افسوس ہے۔ ان بوالہوس نامردوں پر جو کمالاتِ روحانی سے خالی ہوتے ہوئے تلقین و ارشاد کا دم بھرتے اور اُن پاک بندوں کو بدنام کرتے پھرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ کہ اپنے بُرے نمونے سے دنیا کو اصلی نعمت سے بیزار اور آمادۂ انکار کر دیتے ہیں۔ شیخ حسن بصری رحہ جو ایک بہت بڑے پایہ کے بزرگ تھے اُس مجلس وعظ کو ترک فرما دیتے تھے جس میں بی بی رابعہ بصری کو نہ پاتے تھے[1]۔ لکھا ہے کہ شیخ مصلح الدین شیرازیؒ پر جب یہ بوجھ ڈالا گیا۔ تو آپ نے انکار کر دیا۔

غرض قبلہ عالم رحہ کی طرف سے اُمت کی امانت اور ہدایت کا بوجھ آپ پر ڈالا گیا۔ تذکرہ نویس لکھتے ہیں۔ کہ آپ نے اُس کے قبول کرنے میں کامل اصرار کا پُورا نمونہ دکھلایا۔

آپ فرماتے ہیں کہ "مجھے حضرت قبلہ عالمؒ نے خلوت میں بلوا کر فرمایا۔ کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ کہ تم اپنے بزرگوں کے سجادہ پر بیٹھو۔ اور لوگوں کو گمراہی سے نکال کر صراطِ مستقیم کی ہدایت کرو۔ مَیں نے عرض کیا۔ کہ حضرت مجھے معاف کریں۔ کیونکہ یہ بھاری بوجھ مجھ سے نہیں اُٹھایا جا سکتا۔ مَیں نہیں جانتا۔ کہ جو شخص میری بیعت کریگا۔ آخرت میں اُس کے ساتھ کیا گزرے گی۔ فرمایا۔ صبر کرو۔ مَیں پھر درگاہِ نبویؐ میں عرض کر کے جواب دونگا۔ دُوسرے روز فرمایا۔ تیار رہو۔ کہ تمہارے لئے پھر وہی حکم ہے۔ اور خاطر جمع رکھو۔ کہ جو شخص میرے ہاتھ پر بیعت کریگا۔ خدا اُس کو بخشدیگا۔ مَیں نے پھر عرض کیا۔ کہ خدا کی ذات بے نیاز ہے۔ حضرت نوح ؑ نے اپنے بیٹے کے لئے سوال کیا تھا۔ تو جواب ملا۔

[1] تذکرۃ الاولیاء شیخ فریدالدین عطارؒ۔

لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ[1] - وہ تیرے اہل وعیال میں سے نہیں ہے - کیونکہ اس کے عمل بد ہیں، اگر مجھے بھی یہی جواب ملے - تو مَیں کیا کرسکونگا فرمایا۔ ٹھیرو - کہ مَیں پھر پوچھ لوں - تیسرے روز مجھے بلا کر فرمایا۔ کہ تمہارے ساتھ خدا کی جناب سے وعدہ ہوا ہے - کہ جو شخص تیرے دروازہ پر آئے گا۔ اور تم اُسے قبول کرو گے - اسے لیس من اھلک نہیں کہا جائے گا - مَیں زار زار رویا - آپ نے مجھے تسلی دی اور مبارکباد دی[2] ۔

صاحب مناقب المحبوبین نے اس روایت میں ذرا سا اختلاف کیا ہے وہ لکھتے ہیں - کہ جب آپ نے خلافت کا بوجھ اُٹھانے سے انکار کیا۔ تو آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی - کہ جو تیرا مُرید ہوگا - مَیں اُس کی شفاعت کرونگا - تب آپ نے قبول کیا - اور حضرت قبلہ عالم رحؒ نے تبسم کرکے فرمایا - اَب تو تم نے منظور کرلیا[3] ۔

مؤلف میاں غلام حیدر بھی اس واقعہ کو تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ نقل کرتے ہیں لیکن واقعہ ایک ہے - دونو مصنفین کے حافظہ اور طرزِ ادا میں فرق ہے ۔

بہرحال اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کا اصرار فطری اور اولوالعزم پیغمبروں کی سنت کے عین مطابق تھا۔ اور اس میں حکمت یہ تھی کہ عام لوگوں کے لئے رحمت اور رافت حاصل کریں ۔

معلوم ہوتا ہے - کہ ایک ہی چراغ کی روشنی میں سب کے سب مردانِ خدا ایک ہی حقیقت کو دیکھتے ہیں اور ایک ہی مقصد رکھتے ہیں - یہی بشارات عام الحزن کے بعد دنیا کے سب سے بڑے مصلح اور عارف صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سورۃ کوثر کی شکل میں ہیں اور بعد میں آنے والی

---

[1] (ترجمہ) وہ نہیں تیرے گھر والوں میں - اس کے کام خراب ہیں ۔
[2] منتخب صفحہ ۱۶۲ و ۱۶۳ ۔
[3] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۸۸ ۔

ہنتیوں کے ذریعے اس کی توسیع کر دی گئی[۱] +

پیر کی وصیتیں

پیر روشن ضمیر نے آپ کو چند وصیتیں بھی فرمائیں۔ جن پر ہمیشہ آپ کا عمل رہا :۔

اوّل۔ جو کچھ تم کو تمہاری خواہش یا استدعا کے بغیر مل جائے۔ اُسے قبول کر لیجو۔ اس کا نام فتوح ہے۔ اور پیغمبرؐ اور صحابہؓ نے اسے جائز رکھا +

دوم۔ ہمیشہ سواری رکھنا +

سوم۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک بنا دیا۔ لیکن اپنے آبائی زمین کے ٹکڑوں کو ضائع نہ کرنا +

چہارم۔ کسی کو اپنے دروازے سے خالی نہ پھیرنا۔ اور کوئی شخص جو امداد ظاہری یا باطنی تم سے مانگے۔ اُسے دینا +

---

[۱] مسئلہ شفاعت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے بحیثیت مسلم ہونے کے کسی کو گنجائش انکار نہیں ہو سکتی۔ آیت مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ کے تحت حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام شفاعت عامہ کے اولین مصداق و مستحق ہیں کہ عام مسلمانوں کی سفارش فرما کر مغفرت عام دلائیں۔ چنانچہ احادیث صحیحہ میں کھلم کھلا پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام کلمہ گو مسلمانوں کو نجات دلائیں گے۔ مثال کے طور پر بخاری ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ قیل یارسول اللہ من اسعد الناس بشفاعتک یوم القیمۃ۔ قال من قال لا الٰہ الا اللہ خالصًا من قلبہ۔ صفحہ ۲۰ بخاری +

ترجمہ :۔ آپ سے پوچھا گیا۔ کہ آپ کی سفارش سے کون زیادہ سعادت مند ہوگا۔ فرمایا۔ کہ جس نے سچے دل سے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا +

علاوہ ازیں شرح عقاید وغیرہ میں توسیع مسئلہ شفاعت اس وسعت سے بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت کے بعد بدرجہ ہر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کیلئے سفارش کریگا خصوصًا اس صورت میں جبکہ شفاعت کرنے والا ایک فی الحقیقت عارف باللہ انسان ہو +

اس سے عام مسلمین میں سستی واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ زیادہ سعی پیدا ہوتی ہے تاکہ وہ ان کی رضا حاصل کرے اور حزب اللہ میں سے بن کر ان کی شفاعت کا مستحق ہو۔ اور یہ امر بجز اعمال صالحہ اور تزکیہ نفوس کے نہیں حاصل ہوتا جیسا کہ تجربہ سے ظاہر ہے۔ کہ ہر ایک مرید جس میں خوش اعتقادی زیادہ ہوتا ہے۔ اپنے پیر کامل کے اسوہ حسنہ کی زیادہ درجہ اعلیٰ پیمانہ پر تقلید کرتا ہے۔ محض اس خیال سے کسی مرد مومن نے اعمال حسنہ ترک نہیں کئے۔ اور ارتکاب خواہش نہیں کیا۔ کہ ہمارے لئے حضور کی شفاعت کافی ہے + (از مولوی نور محمد صاحب مولوی فاضل)

پنجم - جس کا ہاتھ پکڑو۔ اُسے کبھی ضائع نہ کرو۔ چاہے اُس کی طرف سے کتنی ہی نالائقی کا اظہار ہو ۔

ششم - اہلِ دول کے ساتھ اختلاط نہ رکھو۔ لیکن چونکہ فقیروں کا دروازہ خدا کا دروازہ ہے۔ اگر ضرورت ہو۔ تو کچھ مضائقہ نہیں ۔

ہفتم - عاجزوں اور سائلوں کو کبھی محروم نہ رکھنا۔ غریبوں اور عالموں کا مددگار رہنا۔ جو کچھ ہم سے پایا۔ ہمارے طریقہ کے مطابق اُس میں کوشش کرتے رہنا ۔

ہشتم - پہاڑ سے اُتر کر زمین پر اقامت رکھنا[1] ۔

قیام اندر پہاڑ حصولِ نعمت کے بعد آپ نَو ماہ حضرت قبلہ عالم رح کے مزار پر بیٹھ کر فیوض باطنی حاصل کرتے رہے۔ فرماتے ہیں اِس عرصہ میں مجھ کو پیر کی روح سے اتنا فائدہ ہؤا۔ کہ اُن کی پانچ سال کی ظاہری محبت سے نہ ہؤا تھا ۔

اِس کے بعد عارضی طور پر گڑھ گوجی میں سکونت پذیر ہوئے۔ اور جب تک والدہ زندہ رہیں وہاں رہے۔ اِن دنوں آپ کا شغل زیادہ تر خدا کی عبادت اور ریاضت رہا۔ اِس عرصہ میں آپ نے ایک شریف خاتون قوم جعفر کے ساتھ شادی کی۔ جو عمر خاں جعفر کی لائق بیٹی تھیں۔ اِن خاتون کا شجرہ نسب یہ ہے ۔ صاحب بی بی بنت عمر خاں بن احمد خاں بن ولی خاں۔ یہ خاتون آپ کے خاندان سے نہایت ہی پارسا بی بی تھیں۔ ۱۲۹۸ھ میں ۸۰ سال کی عمر میں فوت ہوئیں۔ اِس لحاظ سے آپ سے صرف پانچ سال چھوٹی تھیں۔ عورتوں میں آپ کی اولیں مرید تھیں۔ اکثر وقت قرآن مجید کی تلاوت میں گذارتی تھیں۔ تہجد اور اشراق تک کبھی قضا نہ ہونے پاتی تھی۔ یا ھو یا مَن ھو کے ورد سے پاس انفاس کرتی تھیں۔ نہایت جواد اور عالی ہمت تھیں۔ ایک

---

[1] منتخب صفحہ ۴۷ ۔

دفعہ لنگر شریف میں کچھ نہ پکا تھا۔ زیور بیچ کر فقیروں کو کھلا دئے[1] سچ ہے "الطیبات للطیبین" گھر کی ضرورت کے لئے پہاڑ میں آپ نے ایک حرم سرا۔ ایک مسجد اور چند کوٹھڑیاں فقیروں اور زائرین کے لئے بنوائیں۔ جو پتھر کی تھیں ⁂

ہجرتِ تونسہ رفتہ رفتہ شگفتگئ ولایت چار دانگ عالم میں پھیل گئی! اور پہاڑ کا محدود میدان رہ جویانِ کمال اور مشتاقانِ وصال کے لئے تنگ نظر آیا۔ تو اپنے پیرو مرشد کی وصیت کے مطابق وہاں سے ہجرت کر کے خاکِ تونسہ کو مشرف کیا۔ اور یہاں مستقل سکونت اختیار کی ؎

زمین یثرب ار ناز د، بہ عرش کبریا زیبد
کہ در آغوش او خوابیدہ محبوبِ خدا زیبد

تمام کتب کی ورق گردانی پر بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ آپ کتنا عرصہ پہاڑ میں رہے تاہم اتنا پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ پہاڑ کے عرصہ قیام میں دو بار یا تین بار اپنے مرشدِ کامل کے عرس میں شامل ہوئے۔ جس سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کہ آپ تونسہ میں ~~۱۲۰۹ھ~~ ۱۲۰۹ھ یا اس سے تھوڑا عرصہ پہلے تشریف لائے ⁂

تونسہ میں آپ کی تشریف آوری کے مختلف اسباب بیان کئے گئے لیکن ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس بڑے منصب پر آپ مامور ہوئے۔ وہ عام خلائق کا افادہ اور تبلیغ شریعت تھا۔ اور اس کام کے لئے اندر پہاڑ کا علاقہ محض غیر موزون تھا ⁂

مصنفِ راحت العاشقین کی تصریح کے مطابق پہاڑ ایسی جگہ تھی۔ جہاں کہ آپ کو قبائلی جھگڑوں اور برادری کے آئے دن کے بکھیڑوں میں شامل ہونا پڑتا تھا۔ اور عام بدامنی اور بے چینی آپ کے ان مقاصد کے پورا کرنے میں مارج تھی۔ اور یہی وجہ ترکِ وطن کا باعث ہوئی۔ منشاء قدرت یہی تھا۔ کہ آپ ایسے مقام پر

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۳۲۳ ⁂

سکونت پذیر ہوں۔ جو تین بڑے اسلامی ممالک ہندوستان۔ افغانستان۔ بلوچستان کے لئے مرکزی حیثیت کا کام دے[1]۔ تاکہ مرکز نور کی شعاعیں ان بڑے اسلامی حصوں میں آسانی سے پھیل سکیں۔ اور یہی ہوا۔ کہ آپ کے فیض سے اِن تمام ممالک نے حصہ پایا ؛

تونسہ کی مختصر تاریخ

یہاں پر مناسب نظر آتا ہے۔ کہ تونسہ کی مختصر تاریخ پر نظر ڈالی جائے۔ یہ قصبہ ضلع ڈیرہ غازی خاں کی شمالی تحصیل ہیں کوہستان سلیمان سے صرف ۸ میل مشرق کو اس کے دامن واقع ہے۔ جس کا طول بلد ۷۰ مشرقی عرض بلد ۲۹ درجے شمالی ہے۔ اس کے عین مقابل مغرب میں کوہستان سلیمان کا مشہور درہ ہے۔ جسے سنگھڑ کہتے ہیں اس درہ کے نام پر تحصیل اور اسی کے پہاڑی نالے کا نام بھی سنگھڑ ہے۔ جس سے کہ اس علاقے کی زمین سیراب ہوتی ہے۔ اس درہ کے رستہ سے تھوڑی سی دقت کے ساتھ انتہائے مغرب قندھار تک آمد و رفت ہو سکتی ہے۔ تونسہ کے ارد گرد ریت کے ٹیلے ہیں۔ اور سنگلاخ زمینیں۔ جس کا جغرافیہ مغربی سمت میں اسے خاک بطحی سے مشابہ کر دیتا ہے۔ مشرقی جانب دریائے سندھ کے جیب کرا دینے علاقہ کو سندھ کے فیضانِ قدرت سے محروم کر دیتے ہیں۔ جو اس سے صرف پانچ میل شرق کو واقع ہیں ؛

آپ کے ورود سے پہلے اس بستی کی آبادی بمشکل ایک سو گھر۔ پانچ۔ چھ سو انسان سے زاید کسی صورت میں نہ تھی۔ جو پہاڑی نالہ سے منہدم ہو کر کئی بار نیا جنم لے چکی تھی ؛

شروع میں یہاں صرف دو جاٹ اقوام (بچہ اور بھٹہ) بستی تھیں جن کا گذارہ ان زمینوں کی پیداوار سالانہ پر تھا۔ جو اتفاقیہ بارش اور پہاڑی نالہ

---

[1] نقشہ پر دیکھنے سے واضح ہوتا ہے۔ کہ تونسہ کو تمام اسلامی ممالک عرب سے لیکر انتہائے مشرق برما تک اور جنوب میں راس کماری انتہائے شمال تک مرکزی حیثیت ہے۔ چنانچہ ان ممالک کی سرحدوں تک فاصلے تقریباً برابر ہیں ؛

کے جاری ہونے پر سیراب ہو جایا کرتی تھیں ؎

عرف عام میں بتلایا جاتا ہے۔ کہ بہت قدیم زمانہ میں ایک راجہ آکر مقیم ہوا جس نے ایک طاؤس پال رکھا تھا۔ اتفاقاً یہاں آکر اُس کا پیارا طاؤس مر گیا۔ اُس نے پیارے پنچھی کی یادگار میں بستی کا نام طاؤسہ رکھ دیا۔ جو بگڑ کر تونسہ ہو گیا ہے ہمیں اس روایت پر قطعاً اعتبار نہیں۔ اور نہ ہی اس کی تاریخی سند ہے لیکن اس میں شبہ نہیں۔ کہ بہت قدیم زمانہ میں یہاں ہندوؤں کی حکومت تھی۔ جس میں ایک مشہور راجہ سنگر نام دریا کے مغربی کناروں سے درگ تک حکمران تھا۔ اور اس کے نام پر درہ اور نالہ کا نام سنگر ہوا۔ راجہ سنگر نے درہ کے کنارہ پر ایک پہاڑی قلعہ بنا رکھا تھا۔ جسے سنگ گڑھ یا سنگر گڑھ کہتے تھے۔ اس قلعہ کے مردہ سے آثار اب بھی موہوم صورت میں نظر آتے ہیں ؎

تاریخ میلکم نادر شاہ کے حالات میں اس درہ کا نام آیا ہے۔ ہندؤں کی حکومت کے بعد یہ علاقہ مسلمانوں کے زیر تصرف آیا۔ اور عرصہ تک مجاہدین اسلام کے عساکر کی جولانگاہ رہا۔ چنانچہ پہاڑ اور اُس کے وسیع دامن میں اب تک شہداء کے مزارات اور قبرستان ہیں۔ آخر تک اسلامی ہند کا حصہ رہا ؎

لیکن آپ کے ورود سے پہلے سنگھڑ کا علاقہ کابل کے متعلق تھا۔ اس علاقہ میں سب سے زبردست اور ذی اثر قوم نتکانیوں کی تھی۔ جو سکھا شاہی میں یہاں کی حکمران ہوئی۔ اس کا مشہور اور جابر حاکم نواب محمد اسد خاں عام طور پر مشہور ہے۔ جس نے آپ کی بدولت حکومت حاصل کی تھی۔ نواب صاحب کا ہیڈ کوارٹر تونسہ کے جانب غرب ایک بستی میں تھا۔ جسے منگروٹھ کہتے ہیں۔ جہاں پر اُس نے ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا۔ جو اب تک موجود ہے۔ اور اس کے منہدم شدہ آثار نواب کی حکومت اور جبروت کے مرثیہ خواں ہیں ؎

الغرض آپ کے ورود سے پہلے نہ تو تونسہ کوئی مشہور مقام تھا۔ اور تاریخی اعتبار سے اس کی کچھ بڑی وقعت تھی۔ آپ کی تشریف آوری کے تھوڑا

عرصہ بعد اس کی شہرت عالمگیر ہو گئی۔ اور یہ چھوٹی سی بستی آپ کی بدولت ہند۔ افغانستان۔ بلوچستان کی مسلم آبادی کا مرجع خلائق بن گئی۔ اور اس کی آبادی میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ کچھ علاقے کے لوگ تو اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہہ کر یہاں آکر مقیم ہوئے اور کچھ وہ لوگ تھے جو کسب روحانیت کی خاطر دور دراز سے آکر سکونت پذیر ہوئے۔ آپ کے ہمراہ جعفروں کے قبائل بھی آئے۔ جنہوں نے تونسہ کی آبادی میں مستقل اضافہ کیا۔ تاہم حضور کے آخری زمانہ تک اس کی شکل ایک بستی کی رہی ؛

ان کے بعد آپ کے عالیشان خلف جناب خواجہ اللہ بخش صاحب نے (جن کے نام پر فقر و امارت کو ناز ہے) تونسہ کو ایک متمدن قصبہ بنا دیا۔ اب یہاں مرتفع عمارتیں۔ حوض۔ فوارے۔ مساجد دامن پہاڑ میں بے نظیر یادگاریں ہیں سب سے عالیشان عمارت وہ مقبرہ ہے۔ جو نواب محمد صادق خاں بہاول پور نے حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ کے مزار پر تعمیر کر دیا ؛

اس وقت اس قصبہ کی آبادی تقریباً چھ ہزار ہے۔ اور اب یہ قصبہ تحصیل کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ اور اس میں سمال ٹاؤن کمیٹی بھی ہے ؛

سلسلۂ بیعت

شروع شروع میں آپ لوگوں سے بیعت کرانے سے متامل رہے۔ چنانچہ پانچ سال عرصۂ سلوک اور تین سال قیام پہاڑ کے دوران میں آپ نے صرف پانچ اشخاص کو بیعت سے مشرف کیا۔ اس کے بعد بیعت کو عام کر دیا۔ آخرکار آپ کا سلسلہ بیعت اتنا وسیع ہوا کہ غالباً اسلامی دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہ تھا۔ جس میں آپ کے مرید اور خلیفے موجود نہ ہوں ؛

اولین بیعت ۔ سب سے پہلے آپ نے شیخ جمال الدین چشتی ساکن تاج سرور،

ریاست بہاولپور کو مشرف کیا۔ اور پھر مولنا خلیفہ محمد باران صاحب بھی بیعت میں آئے۔ یہ دونوں ان دنوں بیعت ہوئے۔ جب کہ آپ مہار شریف میں رہتے تھے[1]

حضرت قبلہ عالم رح کے وصال کے بعد جب آپ پہاڑ میں تشریف لائے۔ تو سب سے پہلے نور خان گرمانی بیعت سے مشرف ہوئے۔ اور عورتوں میں آپکی حرم محترم بی بی صاحب خاتون آپ کی مرید ہوئیں۔ جب آپ تونسہ میں تشریف لائے۔ تو ایک شخص عمر خاں ماکلی سب سے پہلے مشرف ہوا[2]۔ اس کے بعد مؤلف اوراق کے جدِ امجد مولوی یار محمد خاں مشرف ہوئے۔ یہ پہلے شخص ہیں جو سنگھڑ میں اپنی آبائی جائداد کو خیرباد کہہ کر تونسہ میں مقیم ہوئے۔ اور اپنے والد "فاضل محمد خاں" کو بھی ہمراہ لائے۔ اس کے بعد جب بیعت کا سلسلہ وسیع ہوا۔ تو اس کی یہی صورت ہو گئی۔ جیسا کہ صلح (حدیبیہ) کے بعد افواج در افواج اسلام میں آنے لگیں۔ جوق در جوق لوگ آتے۔ اور فیضان اور تلقین لے کر جاتے۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی۔ کہ آپ کا دیدار مغفرت کے لئے صلائے عام بن گیا۔ جیسا کہ مژدۂ غفران کے قصے میں مذکور ہوگا۔ چونسٹھ سال آپکے فیض اور تلقین کا دروازہ کھلا رہا۔ اور ملک کے اطراف و اکناف میں آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ؂

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۷۶ - ۱۹۲ ؂

[2] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۹۳ ؂

وفات

آخر وقت آیا کہ وہ مظہر رحمت رفیق اعلےٰ سے جا ملیں۔ وفات سے کچھ عرصہ پہلے یہ شعر آپ کی زبان پر تھا ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد — فی الحال بصورت طلا شد

اور بعض اوقات یہ شعر پڑھتے تھے ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد — چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

عصر کا چاند نمودار ہؤا۔ لوگوں نے اطلاع کی۔ تو فرمایا۔ خدا خیریت کرے۔ یکم صفر ۱۲۶۷ھ جمعرات کے دن آپ کو زکام کا عارضہ شروع ہؤا۔ تین دن نامعلوم سی تکلیف رہی پانچویں روز تکلیف بڑھ گئی۔ تاہم تقسیم اوقات میں فرق نہ آیا۔ حکما نے تدبیریں کیں۔ مگر مرض بڑھتا گیا۔ چھٹے روز مرض کی شدت ہوئی۔ جمعرات کی رات عشا کی نماز کے لئے مسجد میں نہ جا سکے۔ اور حجرہ میں ادا فرمائی۔ اس کے بعد مقررہ وظائف لیٹے لیٹے پڑھے۔ یہاں کہ تہجد کا وقت آگیا۔ اُٹھ بیٹھے اور نماز ادا کی بے قراری بڑھ گئی۔ چارپائی پر کبھی اُٹھتے تھے کبھی لیٹتے تھے۔ ہندی کا یہ فقرہ زبان پر تھا:۔

"مُنہ توں پلّڑا دُور کر گلّاں کرائیں سج"

رمزدان سمجھ گئے۔ کہ محبوب حقیقی سے ملنے کا آخری وقت ہے۔ پاس انفاس کی وجہ سے ذکر الٰہی کی آواز حجرے سے باہر نکل رہی تھی۔ انتہائے شوق میں حجرے میں گرمی اتنی تھی۔ کہ بیٹھا نہ جا سکتا تھا۔ آخری تہجد کے بعد نوافل پڑھے۔ اور بار بار وقت پوچھتے تھے۔ لیٹے تو آخری سانس اُکھڑ کر روح قدسی اعلےٰ علیین میں جا ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؁

تحقیق سے ثابت ہے۔ کہ وصال سے کچھ وقت پہلے مرشدنا حضرت خواجہ الٰہ بخش صاحبؒ کی طرف توجہ فرمائی۔ اور فرمایا۔ (وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ)

اِس سے پیشتر آپ کی تیمارداری حضرت موصوف دل وجان سے کرتے رہے۔ وصال کی رات جب آپ کو اُٹھانے یا لٹانے کی ضرورت ہوتی۔ تو صاحب اُن کو اپنے ہاتھوں سے اُٹھاتے اور سینہ کے ساتھ تکیہ لگا کر بٹھاتے۔ ایک دفعہ کمال اشتیاق میں رو پڑے۔ آپ نے دیکھا تو تسلّی دی۔ اور فرمایا۔ ہمارا جسم تمہارے جسم کے ساتھ۔ ہمارا دل تمہارے دل کے ساتھ۔ ہماری رُوح تمہاری روح کے ساتھ ہمیشہ رہیگی۔ تسلّی کرو۔ دُوسری دفعہ حضرت موصوف نے عرض کی۔ کہ میری صرف یہی خواہش ہے کہ آپ کے فقیروں کی جوتیاں سیدھی کروں۔ اشارہ تھا اُنکی خدمت گذاری کی طرف۔ آپ کو بہت پسند آیا۔ اپنی توجہ کو خاص کر لیا۔ پھر فرمایا۔ (وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي) اور فارسی کا یہ شعر پڑھا ؎

اگر گیتی، سراسر باد گیرد چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

آخری رات بھی باوجود قلق اور بے تابی کے ذکر جاری تھا۔ باقاعدہ وظائف ادا[1] کئے۔ نماز باجماعت پڑھی۔ نوافل تک قضا نہ ہونے پائے۔ بے تابی اور بیقراری کے باوجود لوگوں کے عرض معروض غور سے سُنتے۔ اور دعائیں دیتے رہے یہاں تک کہ ایک دفعہ فرمایا۔ میں حاضرین اور غائبین کے لئے دعا کرتا ہوں۔ استقلال کا یہ حال تھا۔ آخری رات جب کہ مرض کی شدّت تھی طبیعت کا حال پوچھا جاتا۔ تو فرماتے۔ مجھے کلی خیریت ہے۔ شب جمعہ ۸ صفر ۱۲۶۷ھ اپنے حجرۂ مبارک میں مدفون ہوئے۔ یہ نعمت عظمےٰ[1] اپنا فرض ولایت پُوری طرح سرانجام کرکے بظاہر طور پر دُنیا سے چھین لی گئی[2]

آستانۂ سلیمانؒ پر جو مردِ کامل موجود تھے۔ اُن میں سے مولوی بیدار بخش پاک پٹنی کہتے ہیں۔ کہ مجھے ایک صاحب کشف کامل کے ذریعے معلوم ہوا۔ کہ جب آپ کے جنازے کو اُٹھایا۔ تو ارواح انبیاء کرامؑ[3] ہمراہ تھے۔

تحقیق سے ثابت ہے۔ وصال سے کچھ عرصہ پہلے فرمایا۔ اِن عورتوں کو

---

[1] منتخب صفحہ ۱۶۶ ۔ [2] منتخب صفحہ ۱۶۵ ۔ [3] مناقب المحبوبین ذکرِ وصال ۔

ہتا دو۔ حضرت سجادہ نشینؒ نے عرض کیا۔ قبلہ یہاں کوئی عورت نہیں۔ فرمایا! ادھر دھیان کرو۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اژدہام حورانِ جنت کا تھا۔

زمانہ نے اشکِ خون بہائے۔ علما اور فضلاء نے بیسیوں مرثیے لکھے۔ اور مادۂ تاریخ سوچے۔ سب سے عمدہ مادہ "غریب نواز" ہے۔ ایک اور تاریخ وفات۔ جو مولوی محمد حسین پشاوری نے لکھی ہے۔ وہ یہ ہے:۔

خواجۂ ما آں امام المسلمین — شہ سلیماں رحمت للعالمین
ہفتم ماہ صفر روزِ خمیس — جاں بجاناں داد آں نفسِ نفیس
رشح ہائے اولیا گرد آمدند — بہر سالِ نقلِ او آہے زدند
زاں میاں نالہ کناں با ہو و ہائے — روح مولانائے رومی گفت ہائے
اے دریغا۔ اے دریغا۔ اے دریغ — گشت پنہاں آفتابے زیر میغ

مولوی حسین علی فتح پوری نے تاریخ کہی۔ جس کا مادہ یہ ہے:۔

مصرع۔ "بگفت او آفتابِ چشتیاں بود"

مولوی صدر الدین مفتی دہلوی نے تاریخ کہی۔ جس کا مادہ یہ ہے:۔

مصرع۔ "رحمت اللعالمین قطب الورائے"

دوسری تاریخ کہی۔ جس کا مادہ یہ ہے۔ مصرعہ:۔ "محبوبِ ذاتِ حق"

ایک اور صاحب نے تاریخ کہی۔ مصرعہ:۔ "نوشتہ شد ہویدا ذاتِ حق بود"

الغرض بیسیوں تاریخیں اور بیسیوں مرثیے لکھے گئے جنہیں ہم بخوفِ طوالت درج نہیں کر سکتے۔ آپ کی عمر بعض نے سو سال بعض نے ۹۸ بعض نے ۹۵ بعض نے ۱۰۲ لکھی ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ آپ ۸۴ سال کی عمر ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۰ء میں فوت ہوئے۔

متروکات ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے زرِ نقد یا جنس میں سے کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد گارے کے کچے مکانات تھے۔ جن میں وہ خود رہا

---

[1] شیخ محمد یار خواجہ ابو الوفا نے غریب نواز (۱۲۶۷ھ) کے لفظ سے تاریخ نکالی۔

آستانہ کے عالم رہتے تھے۔ فقرا کے لئے چند کوٹھڑیاں مسجد کے متعلق تھیں۔ گھر کے اسباب میں سے مٹی کے چند برتنوں کے سوا کوئی چیز قابل ذکر نہیں۔ ان کی اپنی سواری کی ایک گھوڑی ان کے بعد رہ گئی۔ زمین صرف اتنی جو بہار میں جدی ترکے سے ملی تھی۔ چند اتری ہوئی پوشاکیں بطور تبرک اب تک خاندان میں موجود ہیں بجز اس کے اور کچھ نہیں تھا۔ آج تونسہ میں جس قدر سربفلک عمارتیں جو نظر آتی ہیں۔ فوارے۔ تہ خانے۔ مساجد اور بےشمار ترقی تمدن کے سامان نظر آتے ہیں۔ اور سیاحان یورپ کی آنکھوں کو چندھیاتے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی نہ تھا۔

شمائل لکھا ہے کہ آپ کی شکل، حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ سے زیادہ مشابہ تھی۔ چہرہ گول۔ تھوڑا درازی مائل۔ رنگ گندمی اخیر عمر میں اُس پر سفیدی آ کر چاند کی طرح چمکتا تھا۔ کشادہ پیشانی۔ ماتھے پر سجدے کی علامت۔ بینی دراز۔ موٹائی میں درمیانہ۔ ابرو پیوستہ نہیں تھے۔ آنکھیں خوبصورت، لمبی پلکیں۔ کان متوسط۔ چہرہ گوشت سے بھرا ہوا۔ ریش مبارک نہ بہت گھنی تھی، نہ بہت پتلی۔ پندرھویں دن حجامت کرواتے تھے۔ جب مٹھی بھر سے زیادہ ہو جاتی۔ تو کتروا دیتے تھے۔ قد اوسط درجے پر دراز تھی۔ آپ بیٹھتے تو عموماً دو زانو ہو کر بیٹھتے۔ اور کبھی مربع شکل میں۔ یہاں تک کہ مجلس میں سب سے اونچے نظر آتے۔ جسامت میں ذرا بھاری تھے۔ اس قسم کی نشست کے باعث پاؤں کی اوپر کی ہتھیلی کی دائیں طرف سیاہ داغدار تھی۔ دیکھنے والے پر آپ کی شکل و صورت کا نہایت دلکش اثر پڑتا تھا[1]۔

لباس لباس کے معاملہ میں آپ کا مزاج نہایت نفیس اور نظر نظافت پسند واقع ہوئی تھی۔ مذاق میں نزاکت اور طبیعت میں نفاست بھر دی گئی تھی۔ اس لئے آپ کو آرام اور سادگی کے ساتھ لباس میں

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۳۱۱۔

پاکیزگی اور خوبصورتی کا خاص خیال رہتا تھا۔ میلے اور بھدے لباس سے آپ سخت نفرت کرتے تھے۔

نفیروں کی طرح گودڑی یا عام درویشانہ لباس پہننے سے آپ سخت نفرت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کے مصاحبوں میں اگر کوئی شخص ایسے لباس میں آجاتا۔ جو آپ کو پسند نہ آتا تھا۔ تو اُتروا دیتے تھے۔ یا آیندہ کے لئے منع کر دیتے۔ ایک دفعہ صاحب مناقب گیگر کے رنگ میں کپڑے لباس میں سامنے آئے۔ تو آپ نے منع فرمایا۔

ایک دفعہ مولوی محمد حسین پشاوری پاجامے کے سوا باقی کپڑے زرد رنگ میں رنگ کر حاضر دربار ہوئے۔ تو آپ نے اُس کو واپس کر دیا۔ اور فرمایا۔ کہ یہ لباس گوشہ نشین درویشوں کے لئے مخصوص ہے۔

گرمی کے دنوں میں سر پر سفید نادری ٹوپی پہنتے تھے۔ جو نہایت خوبصورت کٹی ہوئی اور اُس کے ارد گرد حاشیہ لگا رہتا تھا۔ اور سردی میں سُرخ چھینٹ یا مشروع کی روئی دار ٹوپی ہوتی تھی۔ جو دونو طرف کانوں کو ڈھانپ لیتی تھی۔ بدن پر ململ یا اٹھایا بین سکھ کا سفید پیراہن زیب تن فرماتے تھے۔ جس کا گریبان عرب کی طرح سینے پر کشادہ ہوتا تھا۔ سردی کے دنوں میں روئی کی صدری اور بڑھا دیتے تھے۔ نواب صاحب بہاول پور کا دستور تھا۔ کہ وہ جاڑے کے دنوں میں روئی کی ایک لمبی قبا تیار کر کے بھیجتے تھے۔ جس کے سینے پر زردوزی کا کام ہوتا تھا۔ آپ اُس کو استعمال فرما لیتے تھے۔ نیچے کبھی تہ بند باندھتے تھے۔ لیکن اکثر خط کشیدہ سیاہ سوسی کا پاجامہ پہنتے تھے۔ اب تک اندر پہاڑ کے جعفر بھی پاجامہ پہنتے ہیں۔ اور نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ ایک لُنگی اوڑھتے تھے۔ جو کبھی زردی مائل اور کبھی سفیدی مائل اور اُس پر سُرخ دھاری ہوتی تھی۔ اور جس کے چاروں کنارں پر ریشمی فیتہ اور حاشیہ لگا رہتا تھا۔ سردی کے موسم میں رات کے وقت ٹی

کا موٹا کوٹ اور سوتے وقت فرغل استعمال کرتے تھے۔ اور آخر میں کمبل یا پشمینہ اوڑھتے تھے۔ چارپائی پر ریشمی غالیچہ یا روئی کی خوبصورت توشک بچھی رہتی تھی۔ جس پر کبھی کبھی آرام فرماتے۔ خواب قیلولہ کے وقت بنگلے میں چارپائی پر ایک مصلّے ڈال دیتے تھے۔ جس پر کہ آپ لیٹ جاتے[1]۔

خوراک عموماً سادہ تھی۔ جو رہبانیت خلاف اسلام ہے۔ سنّتِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق عمدہ خوراک بھی کھاتے تھے۔ گیہوں کی روٹی گھی یا مکھن کے ساتھ چپڑی ہوئی۔ شوربائے مُرغ یا دُنبہ اور بُز کے ساتھ آپ کی عام غذا تھی۔ کبھی پلاؤ پکوا لیتے۔ تو ایک دو نوالوں سے زیادہ نہ کھاتے تھے۔ دالوں سے ماش کی دال کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ میووں سے انار دانہ۔ کھجور اور انگور صرف ایک دو دانے چکھ لیتے تھے۔ سبزی سے مینتھی اور توری کا استعمال کرتے تھے۔ لونگ یا سبزی گوشت میں ڈالنے کو پسند فرماتے تھے[2]۔

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۳۱۲۔ [2] مناقب المحبوبین صفحہ ۳۱۵۔

حصّہ دوم

جس میں

مکارم اخلاق۔ ذوقِ عبادات۔ تقسیمِ اوقات۔ استغراق اور محویت۔ استقامتِ شریعت۔ کرامات اور خرق عادات

پیشینگوئیاں۔ کمالات۔ مراتبِ علیا۔ تلقین و تعلیم۔ فیوضِ باطنی۔ علمی تذکرے۔ اوراد اور دعائیں۔ مذاقِ سخن

قصائد اور مناجاتیں درج ہیں

آغاز

آپ ایسے وقت میں مامور ہوئے۔ جب کہ دینِ فطرت کے چہرہ سے خط و خال اُتر چکے تھے۔ علمِ دین ظاہری علما کی خود پرستیوں کا شکار ہو گیا تھا۔ رُوحانی کمالات گھٹ کر نام نہاد فقیروں اور خود نما پیروں کی مدعیانہ چالوں کی بدولت دھوکہ کی ٹٹی بن کر رہ گیا تھا۔ دلوں سے عشقِ الٰہی کا خمار اُتر گیا تھا۔ مشرق اقصٰے خصُوصاً اسلامی ہند عموماً جاہ پرست دُنیاداروں کی خانہ جنگی کی جولانگاہ تھا۔ کوئی باقاعدہ سلطنت نہ تھی۔ امن و عافیت تعلیم و تربیت کی شعاعیں قتل و خونریزی۔ ڈاکہ زنی اور جہالت کے تاریک گھٹاٹوپ بادلوں میں چھپی ہوئی تھیں۔ ادھر مغربی مادہ پرستی کا طوفان آنے والا تھا جس کی زبردست رَو میں روحانی روایات اور رُوحانی حسّیات خس و خاشاک کی مانند بہ جانے والی تھیں۔ اخلاق اور روحانیت کی اس خطرناک حالت میں لوگوں کی اصلاح اور تلقین اور ارشاد کا بوجھ آپ پر ڈال دیا گیا۔ جس کو آپ نے طوعاً و کرہاً اُٹھایا۔ لیکن منصبِ ولایت کو اِس خوبی سے نبھایا۔ کہ آپ کے پاک نمونہ کا ایک ایک قدم دعوتِ عمل اور قوم کے لئے چراغِ راہ ہے۔ جس کا اعتراف آنے والے اوراق میں خود بخود ہو جاتا ہے ؎

قاعدہ ہے۔ کہ ہر مامور من اللہ شخص آ کر دُنیا میں وہی عملی نمونہ دکھاتا ہے جو زمانہ کھو چکتا ہے۔ اور ہر کامل انسان دنیا میں آ کر اخلاق کی اس عمارت کو اُٹھاتا ہے۔ جسے زمانہ ڈھا چکتا ہے۔ چونکہ اس وقت مسلمانوں میں شریعت اور روحانیّت کا محل منہدم ہو چکا تھا۔ پس آپ کا نمونہ محض شریعت اور آپکا کام تزکیہ نفوس کی اُس شاندار جھلک کا دکھلانا تھا۔ جو مسلمانوں نے خیر القرون میں دیکھا تھا۔ یعنی آپ نے آ کر اس نور کو نمایاں کیا۔ جس کی تابانی میں حضرات صحابہ کرامؓ کے نخلِ حیات نے پرورش پائی۔ ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ آپ ٹھیک اسی عملی اَور

روحانی زندگی کا نمونہ اور اُن کمالات کے مالک تھے۔ جو اسلام تلقین کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری آنکھیں آپ کی سیرت کی مکمل تصویر میں وہی جھلک دیکھتی ہیں جو حدیث قدسی "عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ" کے مطابق دمِ عیسوی اور اعجاز موسوی میں نظر آتی ہے ؎

اِس کی تفصیل بہت زیادہ ہے تاہم جس قدر بھی وسعت کے ساتھ ممکن ہوا اور جتنا بھی تھوڑا سا مسالا ہمارے ہاتھ لگا اِن اوراق میں پھیلا دیا گیا ؎

مکارمِ اخلاق

جود و سخا آپ کے مکارم اخلاق کی تصویر میں سب سے زیادہ دلکش اور محبوب رنگ جود و سخا کا ہے۔ سخاوت میں آپ کا دل برسات کا بادل تھا۔ جو سائل غیر سائل مستحق غیر مستحق پر ہر دم برستا رہتا! اور کبھی تھمنے میں نہ آتا تھا ؎

بچپن سے ہی آپ فیاض اور سیر چشم فطرت لے کر آئے تھے۔ چنانچہ آپ کو یاد ہو گا کہ آٹھ سال کی عمر میں اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہنے کا باعث آپ کی فیاضی تھی[1] غریب اور نادار ماں نے گائے بکریاں آپ کے حوالے کیں۔ تا کہ گھی بیچ کر یتیم بچوں کا پیٹ پالے۔ مگر جونہی کچھ گھی ہاتھ لگتا سب میں تقسیم کر دیتے۔ زمانہ طالب علمی میں مولٰنا حسن علی نے آپ کو مزدوری کے لئے بھیجا۔ تا کہ چند دنوں کی دستِ مزد سے آپ کے اخراجاتِ تعلیم کی کفالت ہو سکے۔ پہلے دن جو کچھ مزدوری حاصل ہوئی۔ اُس کا آٹا خرید کر روٹیاں لوگوں میں بانٹ دیں! اور مکتب میں خالی ہاتھ پہنچے[2] ؎

سفر بیکانیر میں جب کہ قحط سے ہزاروں جانیں ضائع ہو رہی تھیں۔ اور زادِ راہ کے لئے بے حد ضرورت تھی۔ ایک روپیہ کہیں سے ملا۔ تو اپنے ہمسفر کو دیدیا۔

[1] مناقب سلیمانی مطبوعہ صفحہ ۱۳ ؎ [2] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۴۶ ؎

اِسی سفر میں ایک امیر نے آپ کو ایک بیش قیمت ہنڈی دی۔ تاکہ زادِ راہ کے کام آوے۔ مگر آپ نے ایک ساتھی کو بخش دی۔ اِن سب واقعات کی تفصیل پہلے حصّہ میں آ چکی ہے ؎

توفیقِ الٰہی کے بعد سب سے پہلا کام جو آپ نے کیا۔ وہ لنگر (سدا برت) کا تھا۔ جب آپ وطن مالوف میں تشریف لائے۔ تو آپ کی شہرت صرف گھر تک محدود تھی۔ اُس کی سادہ طرز یہ تھی۔ کہ جو کچھ گھر میں ہوتا۔ پکوا لیتے اور ہمسایوں میں جا کر بانٹ آتے۔ جب مشکیٔہ ولایت چار دانگ عالم میں پھیلی۔ اور پہاڑ کا محدود میدان رہ جویانِ کمال اور طالبانِ وصال کے لئے تنگ نظر آنے لگا تو اُنہوں نے تونسہ کے ریگستان میں ڈیرہ ڈالا۔ اور یہاں سدا برت عرف لنگر کا آغاز باقاعدہ طور سے فرمایا۔ تمام اربابِ سیر لکھتے ہیں کہ روزمرہ چند ہزار آدمی آپ کے خوانِ کرم سے زلہ ربا ہوتے تھے۔ اور جوں جوں تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ نانِ وقف میں کمی نہ آنے پاتی تھی[1] ؎

عام فیاضی کا یہ حال تھا۔ کہ جو شخص کسی چیز کی استدعا کرتا۔ کبھی خالی ہاتھ نہ جاتا۔ کبھی عمدہ گھوڑی۔ یا جائے نماز۔ یا کوئی اور چیز جو آپ کی خدمت میں نذر آتی۔ جو شخص اُس کی تعریف کر دیتا وہ اُسی کو بخش دیتے ؎

اِس بخشائش میں مسلم غیر مسلم کی تمیز نہ تھی۔ ایک دفعہ آپ مہاران سے تونسہ کو آ رہے تھے۔ ایک ہندو دکاندار آپ کے ساتھ ہو لیا۔ رستہ میں اس کی سواری کی گھوڑی قضائے الٰہی سے مر گئی۔ آپ کو علم ہوا۔ تو اُس کا سامان اپنے قافلہ کے اونٹوں پر لاد دیا۔ اور اُسے ایک اور گھوڑی مہیا کر دی۔ جب منزل پر پہنچے تو آپ نے اُسے بخش دی۔ لیکن دکاندار نے اس کے لینے سے اِس لئے انکار کر دیا کہ وہ اُس کی پرورش سے قاصر ہے۔ آپ نے اس کے عوض دو گائیں خرید دیں[2] ؎

اربابِ دول ہر قسم کے تحفے زر و نقد آپ کی خدمت میں بھیجتے۔ جونہی آتے

[1] مناقبِ سلیمانی صفحہ ۳۳ ؎
[2] مناقبِ سلیمانی صفحہ ۳۰ ؎

تقسیم فرما دیتے۔ ایک دفعہ نواب صادق محمد خاں بہاولپور نے آپ کی خدمت میں کئی ہزار روپیہ بطور نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے اُسی وقت فقیروں اور اہل حاجت میں تقسیم کر دیا[1]۔ جو چیز آپ کے پاس آتی۔ جب تک صرف نہ ہو جاتی۔ آپ کو چین نہ آتا۔ اور بے قراری سی رہ جاتی۔ ایک موقعہ پر حافظ نور احمد پٹھان بارہ ہزار روپیہ اخرجین (بھر کر) نذر لایا۔ مغرب کا وقت تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اب رات ہے صاحبزادہ کے پاس جا کر رکھ دو۔ سویرے بانٹ دیں گے۔ دوسرے دن اشراق کی نماز کے بعد قلم دوات منگائی۔ سات ہزار صاحبزادگان کی خدمت میں تونسہ شریف بھیجا۔ پانچ ہزار سنگھڑ کے اہل حاجت میں تقسیم کر دیا۔ جب سب روپیہ تقسیم ہو گیا۔ تو فرمایا الحمد للہ کہ میں اس بوجھ سے سبکدوش ہوا۔ مجھے اس بلا کی وجہ سے تمام رات آرام نہیں آیا۔ تعجب ہے اُن لوگوں پر جو مال جمع کرتے اور آسودہ رہتے ہیں[2]۔

جب نواب صادق محمد خاں فوت ہوا۔ تو اس کے بیٹے رحیم داد خاں نے درخواست کی کہ آپ اس کی دستار بندی اپنے مبارک ہاتھوں سے کریں۔ اس کی دلداری کے لئے تشریف لے گئے۔ اُس نے بہت سا روپیہ۔ نقرہ خام کے چند برتن اور ایک روپہلی چارپائی نذر میں دی۔ آپ نے اسی وقت تمام روپہلی سامان اپنے پیرزادگان کو دے دیا۔ اور روپیہ مودی کے حوالہ کیا۔ تاکہ لنگر میں کام آئے۔ لیکن صبح ہوتے ہی قلم دوات منگائی۔ اور اپنے ہاتھ سے فرد بنا کر لوگوں میں تقسیم کر دی۔ فرمایا مجھے اس مردار کی وجہ سے رات بھر نیند نہیں آئی[3]۔

سال کے سال پٹھان لوگ منوں کی مقدار میں قیمتی اور لذیذ میوے نذر لاتے۔ مگر وہ وہیں بیٹھے بٹھائے بٹ جاتے[4]۔

---

[1] مناقب سلیمانی صفحہ ۳۴ ۔ [2] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۱۳ ۔ اور منتخب شریف صفحہ ۱۶۴۔
[3] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۱۲ ۔ [4] مناقب سلیمانی صفحہ ۲۵ ۔

رفاہِ عام کا خرچ

رفاہ عام کی مستقل خیرات اِس کے علاوہ تھی۔ چونکہ علم دین سے آپ کو بے حد محبت تھی۔ اِس لئے مختلف علوم کی تحصیل کے لئے تونسہ میں بڑے بڑے مدرسے قائم کئے۔ جن میں سینکڑوں کی تعداد میں طلبائ آتے اور فیض پاتے ۔

آستانۂ سلیمانی بڑے بڑے متبحر اور چیدہ علماء کا ملجا و ماوی تھا۔ جو نظام تدریس کے شغل سے دل بہلاتے۔ اور درحقیقت آفتابِ ولایت سے اکتسابِ نور کرتے۔ علماء سینکڑوں کی تعداد میں اپنے اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہہ کر آستانہ سلیمانی پر آکر مقیم ہو گئے۔ ان میں سے اکثر اہل عیال سمیت تھے۔ کیا علماء کیا فقرا سب کے لئے علیٰ قدرِ مراتب معمول اور وظائف مقرر تھے۔ اُن کے جملہ ضروری اخراجات لنگر سے ادا ہوتے۔ تاکہ فراغ دل کے ساتھ فیض لیں اور دیں ۔

یاد رکھیں۔ کہ ان علما میں اکثر وہ لوگ تھے۔ جو بھکیارے اور ٹھکرائے گدا نہیں تھے۔ بلکہ ان میں وہ باکمال تھے۔ کہ ان میں سے جو باہر نکلتا۔ قدردانی اُن کے ہاتھ چومتی۔ اور سیم و زر اُن کے پاؤں میں ٹھوکریں کھاتی چنانچہ میاں حاجی محمدؐ کاتب کے قلمی نسخے شاہانِ ریاست دکن اور رام پور کے ہاتھ ہزاروں کے ہدیہ سے فروخت ہوتے تھے۔ مگر دیدارِ سلیمانی سب کی غذائے روحانی اور آپ کی شیریں کلامی اُن کے لئے چشمۂ زندگانی تھی۔ صاحب مناقب اِن وظائف اور معمولات کا ذکر کرتے ہیں۔ جو دربار سلیمانی سے سب کو ملتے تھے ۔

ہر طالب علم کے لئے آٹا ۱۲ چھٹانک روزانہ۔ گھی کچھ۔ تیل ایک سیر ماہوار ایک جوڑا پاپوش اور دو جوڑا پوشاک سالانہ۔ ہر عالم کے لئے غلہ گندم ایک سیر روزانہ گھی۔ تیل ایک سیر ماہوار اور تین پوشاک دو عدد لنگی۔ ایک پہاڑی دُنبہ سالانہ۔ شادی کے لئے حسبِ حیثیت دس روپے سے لیکر تین سو روپے تک۔ خرچ اور عرس کے لئے زیور اور ضروری پوشاک آپ عطا فرماتے جو عالم مع قبائل رہنا چاہتے۔ اُن کے کنبہ کا خرچ۔ مثلاً غلہ۔ کپاس۔ گھی۔ تیل۔ ہلدی۔

تک تک لنگر سے ملتا۔ ان لوگوں کی خدمت کے لئے حجام مقرر تھا۔ جسے حکم تھا کہ کسی شخص کی حجامت کو پندرہ روز سے زیادہ نہ ہونے پائیں۔ حاجتمندوں کی چٹھیاں لکھنے کے لئے منشی مقرر تھا۔ جو آنے والے عرائض کا جواب بھی لکھتا۔ پہاڑ کے قبائل جعفر جو آپ کے ساتھ ہجرت کر کے آئے آپ نے اُن کے بھی معمول مقرر کر دیئے۔ فقیروں اور عالموں کی صحت بدنی کے لئے حکیم مقرر تھا۔ جسے تنخواہ ملتی تھی۔ اور سب کا علاج بلا فیس کرتا۔ لنگر کی طرف سے ایک خیراتی ہسپتال یا دوائی خانہ جاری کیا گیا۔ دربار کا جو شخص بیمار ہوتا دوائی کا تمام خرچ وہاں سے ادا ہوتا۔ پنساری کو حکم تھا کہ حکیم کے فرمان کے مطابق سب دوائیاں موجود رکھے۔ ایک دفعہ اس خیراتی ہسپتال کی دوائی کا خرچ مہینہ میں سات سَو روپیہ نکلا۔ لانگری نے آکر شکایت کی۔ تو آپ اس پر بے حد ناراض ہوئے ؂

الف خاں پٹھان نے آپ کے ایما پر عام لوگوں۔ کے فائدہ کے لئے ایک چاہ احداث کرایا۔ جو اب تک موجود ہے۔ میاں برخوردار نے ایک مسجد تیار کرائی۔ اور آپ نے فقیروں اور عالموں کے درس اور رہائش کے لئے الگ الگ حجرے اور کچے مکانات تعمیر کرائے۔ جو عالم مع قبائل رہ گئے ان کے لئے خانگی مکانات تعمیر ہوئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعد میں آستانہ نشین لوگوں کے آرام کے لئے ایک حوض بھی اُن کے وقت میں بنوایا گیا ؂

اپنی جود و سخا پر آپ کی رائے

اِس گنج بخشی کے باوجود آپ کا خیال تھا۔ کہ مجھے خیرات کا کوئی ثواب نہیں ملتا۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے۔ "لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" ہرگز خیرات کی نیکی کو نہیں پہنچو گے۔ جب تک کہ ایسی چیز خرچ نہ کرو۔ جو تمہیں محبوب ہو۔ ہم کو متاعِ دنیوی کی کسی چیز سے محبت نہیں بلکہ کراہت ہے۔ پس نیکی کہاں[۱] ؂

آپ کو اس امر کا بڑا خیال رہتا تھا۔ کہ سدابرت سے فقرا کا گروہ زردار نہ

[۱] مناقب منتخب صفحہ ۱۶۳ ؂

یا لنگر گدانہ بن جائے۔ اِس لئے جب دیکھتے۔ کہ اِس تقسیم میں کسی کو حالتِ اصلی سے
زیادہ بل جانے کا اندیشہ ہے۔ تو ہاتھ کو روک لیتے ؀
ایک دفعہ جب بارہ ہزار روپیہ نذر آیا۔ سات ہزار چہار شریف اور پانچ ہزار
سنگھڑ کے اہلِ حاجت کو دیا۔ تو اُس میں سے ایک کوڑی بھی آستانہ نشینوں اور
روزینہ خواران کو نہ دی۔ تاکہ وہ مال دار اور حریص نہ بن جائیں[۱]۔ اسی بنا پر
بعض موقعوں پر وظائف کی مقدار گھٹا دیتے تھے۔ اور اس کی کڑی نگرانی کرتے۔
کہ عبادتِ حق تحصیلِ علوم یا تدریس میں سستی واقع نہ ہو[۲]۔ ایک دفعہ آپ نے دیکھا
کہ کوئیں پر چند فقیر جمع ہیں۔ جن میں عورتیں بھی ہیں۔ تو آپ بہت برہم ہوئے اور
عارضی طور پر وظیفے بند کر دیئے۔ فرمایا۔ مجھے تو خدا نے اتنا دیا ہے۔ کہ اگر سونے
کی روٹی بھی دوں۔ تو دے سکتا ہوں۔ لیکن یہاں کے لوگ نانِ باجرہ بھی ہضم
نہیں کرسکتے ؀

ایثار

"ایثار میں اپنے تئیں بھلا دیا"۔ ایک دفعہ لنگر میں کچھ نہ تھا
لنگر سے گزرے تو چولھے سرد تھے۔ غمگین ہو کر گھر پہنچے۔ تو اہلِ خانہ
نے جو بہت نیک خاتون تھیں۔ کھانا پیش کیا۔ آپ نے کھانے سے انکار کر دیا۔
اور فرمایا۔ جب تک میرے فقیروں کو کھانا نہیں ملیگا۔ کھانا مجھ پر حرام ہے۔
بی بی صاحبہ نے زیور بیچ کر فقیروں کا کھانا پکوایا۔ تب آپ نے کھانے کی طرف
ہاتھ بڑھایا۔ اسی طرح کی بہت سی مثالیں ہیں[۳] ؀

زہد اور قناعت

اِس فیاضی اور قدرت کے باوجود آپ کی زندگی "الفقر فخری"
کی زندہ مثال تھی۔ خود نہایت تنگ دستی سے بسر کرتے تھے۔
بسا اوقات دو دو وقت فاقہ سے گزر جاتے تھے۔ اور صرف اِتنا کھاتے جس سے
قوت لایموت حاصل ہو سکے۔ تقریباً چھٹانک بھر صبح اور اتنا ہی شام شوربا مرغ
کے ساتھ آپ کی غذا تھی۔ طرح طرح کے لذیذ کھانے اور میوے نہیں کھایا کرتے تھے[۴]۔

---

[۱] منتخب صفحہ ۱۶۴ ؀ [۲] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۶۶ ؀ [۳] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۳۲ ؀ [۴] مناقب سلیمانی صفحہ ۲۵

ایک دفعہ چند خراسانی آئے اور افغانستان کے قیمتی میوے نذر لائے۔ آپ نے فوراً بانٹ دئیے اور اپنے لئے کچھ نہ رکھا۔ میاں نصیر الدین عرف کالے صاحب دہلوی (جن کا ذکر موقعہ پر آئیگا) حاضر خدمت تھے۔ عرض کیا۔ کیا ہوتا اگر آپ بھی چکھ لیتے؟ ایک ٹھنڈی سانس کھینچ کر رو دئیے اور اتنا ارشاد فرمایا کہ پراہن کا دامن تر ہوگیا۔ فرمانے لگے ہم کھانے پینے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ اس کے لئے اور لوگ ہیں۔ میں تو گیہوں کی سوکھی روٹی پر بھی شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ اگر میوے کھالوں۔ تو اس کا شکر کیسے ادا کروں[1]:

گھر میں بھی قناعت کی تعلیم فرماتے تھے۔ آدھ سیر آٹا فی کس کے حساب سے گھر میں ملتا تھا۔ مگر اس سے گذارہ نہ ہوسکتا تھا۔ ایک دن آپ کی والدہ نے خلیفہ محمد باران[2] صاحب کو بلایا۔ اور گھر میں تنگی کا ذکر فرمایا۔ خلیفہ صاحب نے کچھ لکھ دیا۔ جس سے اُن کو دو روپے فتوح حاصل ہو گئے۔ جب آپ تشریف لائے تو فرمایا۔ آج گھر میں گندگی کی بُو آتی ہے۔ سب نے عرض کی حضور، گھر بھر میں جھاڑو دی ہوئی ہے۔ گندگی کہاں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس سے میری مُراد دنیاوی آسائش ہے۔ بی بی صاحبہ مُسکرائیں اور واقعہ بیان کر دیا۔ آپ خلیفہ صاحب پر بڑے ناراض ہوئے[3]:

قناعت کی یہ شان نہ صرف کھانے پینے بلکہ اُن کی تمام زندگی میں جلوہ گر تھی۔ اپنی زندگی میں کوئی عالیشان یا پکا مکان نہ بنوایا۔ یہاں تک کہ مسجد بھی کچے گارے سے بنائی گئی تھی۔ جس کی چھت نہیں تھی۔ بعد میں میاں برخوردار نے اُسے چھت ڈال کر درست کیا۔ گھر میں معمولی اسباب زیست کے بغیر کچھ نہ تھا۔ باقی سامان زیست میں جتنی قناعت تھی۔ اُس کی تفصیل آپ متروکات کے بیان میں پڑھ آئے ہیں:

---

[1] مناقب سلیمانی صفحہ ۲۵:
[2] خلیفہ محمد باران ایک کامل اور برگزیدہ شخص تھے آپ کے خلیفہ اور مستجاب الدعوات تھے:
[3] مناقب سلیمانی صفحہ ۳۱:

مگر چونکہ رہبانیت خلافِ اسلام ہے۔ اِس لئے آپ عمدہ لباس بھی پہنتے تھے اور طبیعت میں نظافت تھی۔ اور بعض اوقات عمدہ کھانا بھی کھاتے ۔ ہاں اُن کی طبیعت کا اصلی میلان دنیاوی سامان سے پرہیز تھا[1]۔

وجہ حلال دنیا کے خوانِ نعمت کے باوجود آپ ہمیشہ اس زمین کی گیہوں کا آٹا کھاتے تھے۔ جو آپ نے پہاڑ میں میراثِ پدری سے پائی تھی[2]۔ نذر ونیاز یا اور طریقوں سے جو آمدنی ہوتی تھی۔ اِس سے کبھی کچھ نہ کھایا[3]۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ آپ باقی آمدنی کو ناجائز خیال کرتے تھے۔ بلکہ یہ اتقاء کا انتہائی درجہ تھا۔ جو ان کے لئے ضروری تھا۔ جیسا کہ مروی ہے۔ حسنات الابرار سیّئات المقربین[4]۔

توکّل آپ کے جود وسخا کے قصے پڑھ کر پہلا خیال دل میں یہی آتا ہے کہ اتنے بڑے مصارف کے لئے روپیہ کہاں سے آتا تھا آپ کی کوئی ظاہر آمدنی نہ تھی۔ تونسہ میں آپ صرف مہاجر کی حیثیت میں آئے۔ اور اپنے ہمراہ پہاڑی قبائل کا بڑا گروہ ساتھ لائے۔ پہاڑ کی زمین بمشکل ان کا اپنا نان نفقہ پیدا کر سکتی تھی۔ نذر ونیاز صرف معمولی تھی۔ اور جو بھی کچھ زیادہ رقم آتی۔ اُسی وقت بانٹ دی جاتی۔ توکل یہی طاقت ہے۔ جس میں فقر کا کمال مخفی ہے۔ یہی طاقت ہے جس کی بدولت صحابہ کرامؓ نے قیصر وکسریٰ کے خزائن پر لات ماری۔ دنیا نے اپنے سارے خزانے اُن کے سامنے اُگل ڈالے۔ مگر ان مقدس ہستیوں نے اُن کی طرف گوشۂ چشم سے بھی نہ دیکھا۔ یہی طاقت تھی جس کے بل بوتہ پر آنسرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے میں سورج دیدیں۔ تاہم میں اپنے ارادہ سے باز نہ آؤنگا۔ توکل اسی طاقت کا نام ہے کہ جب یہ پیدا ہوتی ہے۔ تو شیر۔ لومڑی۔ سانپ۔ کوڑا ناگلزار۔ سمندر ندی نظر

---

[1] مناقب سلیمانی صفحہ ۲۵ ۔ بیان "لباس" حصہ اول کتاب ہذا۔
[2] مناقب سلیمانی صفحہ ۲۵۔ [3] مناقب سلیمانی صفحہ ۱۳۔ [4] قول مقبول تصوف وسلوک۔

آتے ہیں۔ یہ طاقت انسان کی نگاہ کو اتنا بلند کردیتی ہے۔ کہ دنیا و ما فیہا اُس کی مٹھی میں نظر آنے لگتے ہیں۔ اس وقت خدا کی مشیت انسانی مشیت کے ساتھ مل جاتی ہے۔ اور دنیا کے خزائن پر کچھ ایسا تصرف باحق حاصل ہو جاتا ہے۔ کہ کامل انسان جب چاہتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے۔ خدا کے ہاں سے مل جاتا ہے عالمِ اسباب میں ظاہر بین نگاہیں بیشک اس کلیہ سے انکار کر دینگی۔ لیکن کیا "ایّاکَ نعبدُ وَ ایّاکَ نستعین" مُسلم کا ایمان و عمل نہیں ہے۔ اور جب سے یہ چھوٹا مُسلم مُسلم نہیں رہا ؛

الغرض آپکے توکل کا یہ عالم تھا۔ کہ گویا آپ خزانۂ غیب کی کنجی اپنے ہاتھ میں سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ سفر میں کہاران کا اگلا رستہ نظر آیا۔ جسے عالمِ سلوک میں طے فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے اُسے دیکھ کر آہ کھینچی۔ اور میاں عین علی سے کہنے لگے۔ کہ اس رستہ کی برکت سے حق تعالےٰ نے مجھے یہ رتبہ بخشا۔ کہ اگر میں اپنے لنگر میں سونے اور چاندی کی روٹی بھی دینا چاہوں تو دے سکتا ہوں[1] ؛

ایک دفعہ نواب محمد صادق خاں بہاولپور نے کئی ہزار روپیہ بطور نذر پیش کیا۔ آپ نے اُسی وقت اہلِ حاجت میں تقسیم کر دیا۔ نواب نے عرض کی۔ میری مراد تو یہ تھی۔ کہ اس رقم سے لنگر کے کئی دنوں کا خرچ چل جائے گا۔ فرمایا۔ یہ لنگر خدا کا لنگر ہے۔ یہاں کے لوگ باجرہ کی روٹی بھی ہضم نہیں کر سکتے۔ ورنہ خدا تعالےٰ نے مجھے یہ توفیق بخشی ہے۔ کہ چاہوں تو دنیا بھر کو سُنہری روپہلی تھالوں میں کھانا کھلاؤں[2] ؛

ایک دفعہ سخت قحط پڑا۔ عشا کے وقت عورتیں گھر پر جمع ہوتی تھیں۔ ایک بڑھیا رونے لگی۔ اور کہا۔ ہم لوگ لنگر خوار ہیں۔ اگر لنگر میں کمی ہوگئی۔ تو ہم کیا کھائیں گے۔ آپ نے مُسکرا کر فرمایا۔ اے رن (عورت) غم نہ کھا۔ ہم سب اہل اللہ ہیں۔ اہل عیال کو بھی کہتے ہیں۔ اِس لئے ہم خدا کا عیال ہیں۔ ہم سب

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۳۴ ؛ [2] مناقب سلیمانی صفحہ ۲۴ ؛

اُس وقت بھوکوں مرینگے۔ جب کہ خدا کے گھر میں کچھ نہ ہوگا[1]۔

مستان شاہ کابلی ایک قیمتی ہیرا نذر لائے۔ آپ نے کوٹ کر پھینک دیا۔
علاقہ میں خشک سالی تھی۔ یار محمدؐ خاں سوکڑی جدامجد مؤلف وطن چھوڑ کر چودھواں ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں کو جانے لگے۔ تاکہ وہاں جاکر کھیتی باڑی کریں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اجازت طلب کی۔ فرمایا۔ خاں جی! چودھویں والے خدا کو میرے سلام دینا۔ اُنہوں نے نہ سمجھا اور چلے گئے۔ وہاں اُن کو سخت مصائب کا سامنا ہوا۔ اور حالت اور بھی نزار ہوگئی۔ واپس آئے اور معذرت کی (اِس سے یہ مقصود نہیں کہ آپ محنت مزدوری یا کھیتی باڑی کے خلاف تھے۔ مطلب آپ کا یہ ہے کہ یہیں رہ کر ہمت کرو۔ خدا مدد دیگا[2]۔

آیا رام مودی نے لنگر میں آٹا دینے کے لئے انکار کر دیا۔ اور کہا۔ کہ کس برتے پر تمہیں آٹا دیں۔ کوئی ذریعہ معاش نہیں۔ کچھ بچت نہیں۔ فرمایا ہم لوگ خدا والے ہیں۔ خدا ہمیں ضرور دے دیتا ہے۔ اُس کی تسلّی نہ ہوئی۔ تو اُس کو اپنی جاء نماز کا دامن اُٹھا کر دکھایا۔ اسے ایسا نظر آیا۔ کہ روپوں کی ندی چل رہی ہے۔ اُٹھ کر ماتھا ٹیکا۔ اور پھر کبھی انکار نہ کیا۔

سفر بیکانیر میں جہاں لاکھوں جانیں قحط کی نذر ہو رہی تھیں۔ توکّل کے زادِ راہ کے سوا آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ اِس پر بھی آپ فرماتے ہیں۔ مجھے کچھ نہ کچھ مل جایا کرتا۔

رستہ میں ان کو ایک ہم سفر نے دیکھا۔ تو کہا ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمہیں کچھ نہ کچھ روز مل جاتا ہے۔ مجھے بھی ساتھ لے چلو! ایک اَور ساتھی کے پاس کچھ نقدی تھی۔ تو اُس سے چھین کر پھینک دی۔ رستہ میں ایک امیر سے قیمتی ہنڈی ملی تو وہ اُسے دے دی۔

پیر روشن ضمیر سے ملنے کے لئے بیقرار تھے۔ تو قلعہ کی فصیل سے خندق میں کود

[1] از زبان وحی ترجمان خواجہ غلام فرید صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ
[2] ” ” ” ” ”

پڑے علامہ اقبال صحابہ کرام رض کی اس توکل کا نقشہ اِن الفاظ میں کھینچتے ہیں ؎

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

اِسی عزم و توکل کا نتیجہ تھا کہ ان پاک ہستیوں نے دنیا کو زیرِ نگیں کیا۔ الغرض ہم دیکھتے ہیں کہ تیرھویں صدی کا شہسوار اپنے زمانہ میں عزم و توکل کے میدان میں کسی سے کم نہیں ۔

عفو | تیرہ بخت حاسد آپ کی بڑھتی ہوئی شہرت کو دیکھ کر سہہ نہ سکے چاہا کہ کاشانۂ ولایت کا یہ چراغ گل کر دیں ۔ چنانچہ جب ایک بار آپ حضرت قبلہ عالم رح کے عرس سے واپس آ رہے تھے ۔ اور ملتان میں قیام فرمایا ۔ تو چند شریروں نے دودھ میں زہر ملا کر پلا دیا ۔ آپ کو بے حد تکلیف ہوئی ۔ معاملہ طشت ازبام ہو گیا ۔ حاکم وقت نے مفسدہ پردازوں کو قرار واقعی سزا دینا چاہی ۔ لیکن آپ نے سفارش کی ۔ اور فرمایا ۔ یہ میرے دوست ہیں ۔ انہیں کچھ نہ کہو ۔ اُنہوں نے تو دودھ دیا تھا ۔ مگر وہ میری طبیعت کے موافق نہ آیا ۔ غرض اِس طرح سے سمجھا بجھا کر حاسدوں کی جان بخشی کرائی[1] ۔

"اس تاریخ کے بعد آپ کو اخیر عمر تک دودھ ہضم نہ ہوتا تھا ۔ چنانچہ اِس کا اثر اب تک آپ کی اولاد میں جاری ہے "

وسعت اخلاق | وسعت اخلاق اور رحمت عامہ کا یہ حال تھا ۔ کہ اگر ایک بڑھیا آپ کو ٹوک دیتی ۔ تو آپ ٹھہر جاتے ۔ ہر شخص کی بات کا جواب نہایت کشادہ دلی سے دیتے ۔ مصاحب اور خدام باوجود ادب ملحوظ رکھنے کے بعض موقعوں پر نہایت بیباکی سے بولتے ۔ اور رحیمانہ جواب سُنتے ۔ کسی بات پر آپ کبھی نہ جھنجھلائے ۔ اور کسی کے سوال کا جواب کسی حالت میں بھی کج خلقی سے نہ دیا ۔

---

[1] مناقب سلیمانی صفحہ ۲۳ ۔

ایک بڑھیا آپ سے کہنے لگی۔ کہ لاکھوں لوگ آپ کے مُرید ہیں۔ مگر عورتوں کے گروہ میں سے کوئی عورت جونہی آپ کے پاس آتی ہے۔ آپ اس سے مُنہ پھیر لیتے اور اُسے اُٹھا دیتے ہیں بیشتر اوقات اندھیرے میں بیعت کا اتفاق ہوتا ہے۔ لاکھوں مریدوں میں کس طرح ہمیں پہچانیں گے۔ آپ نے مُسکرایا اور فرمایا جس طرح ایک چرواہا گھُپ اندھیرے میں بھیڑوں کے گلّے میں سے اپنی بھیڑ کو [1]

قاضی نور محمدؒ ایک شخص آپ کے دربار میں بڑی حجّت سے بولتے تھے ایک بار اُس کی عورت بیمار ہوئی۔ اُس نے ایسے الفاظ میں دُعا مانگی۔ جس سے شرک کی بُو آتی تھی۔ آپ برہم ہوئے۔ اور فرمایا۔ دُور ہو۔ جب اُس نے اصرار کیا۔ تو دریائے رحمت جوش میں آیا۔ دُعا دی۔ خدا کی قدرت عورت کو شِفا ہو گئی۔

ایک اور بار قاضی مذکور نے اولاد نرینہ کے لئے دُعا مانگی خدا نے اُسے فرزند بخشا۔ جو قضائے الٰہی سے دو سال کے بعد چیچک سے اندھا ہو گیا۔ قاضی نے بچہ لا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اور کہنے لگا۔ یا اسے آنکھیں دلا دیجئے۔ یا واپس لیجئے۔ مجھے اندھا لڑکا درکار نہیں۔ اور ایک روپیہ بھی نذر دیا۔ آپ نے دُعا دی۔ لیکن پانچ دن تک اُسے آرام نہ آیا۔ وہ شخص لڑکے کو پھر لایا اور کہا۔ روپیہ بھی ہضم کر گئے۔ اور لڑکا بھی اندھے کا اندھا رہا۔ یہ کیا دکانداری ہے۔ آپ مُسکرائے اور فرمایا۔ قاضیوں کا روپیہ ہضم کرنا بڑا مشکل ہے۔ آنکھوں پر کچھ دم کیا۔ خدا کی قدرت سے اُسے آرام ہو گیا [2]

صبر و تحمل طبیعت شروع ہی سے بے حد حمول اور صبور واقع ہوئی تھی بچپن میں ایک دفعہ آپ کو بچھو نے کاٹا۔ تو کانٹا سمجھ کر چل دئے۔ آپ یتیم ہو کر پلے اور بیکسی کی حالت میں تعلیم پائی۔ بعض اوقات دو دو وقت کا کھانا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔ اللہ اللہ! میرا ایک وقت وہ بھی تھا کہ مجھے ایک ہمسایہ کے گھر سے نانِ وظیفہ ملتی تھی۔ مگر اُس کے گھر میں ایک کُتا تھا۔ میں

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۹۶
[2] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۵۲

ڈور سے جھانکا کرتا۔ اگر وہ کتا گھر میں نہ ہوتا۔ تو جاتا اور نانِ شبینہ لے آتا۔ ورنہ پڑا رہتا۔

مہار شریف میں دو دو تین تین وقت کے بعد بمشکل روٹی کا ایک ٹکڑا میسر آتا۔ مگر صبر کرتے۔ اس فاقہ کے ساتھ آپ تین دن اپنے پیر کی گھوڑی کے آگے دوڑتے رہے۔

آپ نے عالمِ سلوک میں جتنے صعوبت ناک کام کئے۔ بعض مذکور ہوئے۔ یہ سب کام آپ کی جفاکشی کا مرقع ہیں۔ بہاڑ سے مہار شریف کا سفر ۶۶ میل اوسط روزانہ کے حساب متواتر تین روز میں طے کیا۔ اس سفر میں آپکے تلووں سے چمڑا ادھڑ گیا تھا۔ مگر چلنے سے باز نہ رہے[1]۔

صاحبِ مناقب لکھتے ہیں کہ مصیبت میں صبر کے موقع پر شکر کرتے تھے۔ سخت تکلیف یا مرض کی حالت میں بھی نماز نفل تک قضا نہ ہونے پائی تھی۔ اور معمولی تکلیف کا تو پتہ نہیں لگنے دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کی آنکھ سُوج کر اس سے ریم جاری ہو گئی۔ لیکن اوراد قضا نہ ہوئے۔ اگر کوئی پوچھتا تو فرماتے۔ کچھ تکلیف نہیں ہے[2]۔ درملک خانی محمد حقانی حنفی نو کوی

ایک دفعہ آپ کو شدت کا بخار ہوا۔ مگر ظاہر نہ ہونے دیا۔ نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ اور اسہال جاری ہو گئے۔ جونہی حالت سنبھلی فوراً اُٹھے غسل فرمایا۔ کپڑے تبدیل کئے۔ اور پھر نماز میں مشغول ہو گئے۔ اِن دنوں چھ بار آپ پر بیہوشی طاری ہوئی۔ ہر بار غسل فرماتے اور نماز پڑھنے لگ جاتے تھے[3]۔

مرض الموت میں پہلے چند روز اپنی بیماری کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ وصال تک یہ عادت تھی کہ جو شخص عیادت کیلئے جاتا۔ فرماتے۔ مجھے کلی خیریت ہے[4]۔

تسلیم و رضا

تسلیم دل کا فعل ہے۔ جب عارف باللہ اس درجہ پر پہنچتا ہے تو اُسے خدا کا ہر فعل دل سے پسند آتا ہے وہ اُس کے خلاف دعا یا الحاح

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۵۲۔
[2] مناقب المحبوبین زمانہ طفلی و سلوک۔
[3] مناقب سلیمانی صفحہ ۲۷۔
[4] منتخب ذکر وفات۔

تک پسند نہیں کرتا۔ بڑے بڑے عارف کامل اس وادی میں پہنچکر گم ہو گئے۔ اور جو کہ اس رتبے کو طے کر کے آگے بڑھے دنیا کے لئے راہ نجات ثابت ہوئے حضرت گنج شکرؒ فرماتے ہیں۔ ۔ ۴۰ سال گزرے کہ جو کچھ حبیب نے فرمایا فرید نے پورا کیا۔ اب دوسرے ۴۰ سال جا رہے ہیں۔ کہ جو کچھ فرید کہتا ہے خدا پورا کرتا ہے۔ حضرت خلیل عؑ نے اپنے لختِ جگر کے گلے پر چھری پھیر دینے میں دریغ نہ کیا۔ ادھر سلوک یہ ہوا کہ آگ کا ہیبت ناک پہاڑ بھی بُرد اور سلامتی کا باعث بن گیا۔ ذبیح اللہؑ نے اپنی گردن چھری کے آگے رکھ دی۔ تو ذبحِ عظیم فدیہ پایا ؎

یہ سب افعال ان پاک ارواح کے درجۂ تسلیم کی وہ زندہ مثالیں ہیں جن کو اب تک تاریخ عالم دُہرا نہیں سکی۔ سب سے بڑے عارف کامل صلے اللہ علیہ وسلم کے دانت اس رستہ میں شہید ہوئے لیکن دعائے خیر کے سوا اُن کی زبان سے کچھ نہ نکلا ؎

آپ بھی جب اس وادی میں گزرے۔ تو مردِ میدان بن کر دکھایا۔ ایک دفعہ آپ کے چھوٹے صاحبزادے میاں درویش محمد سخت بیمار ہوئے۔ خلیفہ صاحب نے تعویذ لکھ کر دیا۔ اور ان کو آرام ہو گیا۔ جب آپ کو علم ہوا۔ تو خلیفہ صاحب پر مدت ناراض رہے۔ کہ اُنہوں نے خدا کے کاموں میں کیوں دخل دیا[1] ؎

آپ کے بڑے فرزند میاں گل محمدؒ صاحب مرض الموت میں مبتلا ہوئے لوگوں نے دُعا کی التجا کی۔ آپ نے انکار کر دیا۔ فرمایا۔ جو کچھ خدا کو منظور ہے۔ ہو جائیگا۔ ہم لوگ دُعا مانگنے میں بھی خدا کی اجازت کے منتظر ہوتے ہیں۔ تم نے نہیں سُنا کہ حق جلشانہٗ نے حضرت نوح علے نبینا علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا تھا۔ "لا تسئلن ما لیس لک بہ علم"۔ چونکہ رخصت نہ ملی۔ دُعا مانگنے کے ارادہ سے باز رہے۔ آخر کار دُعا نہ مانگی۔ اور صاحبزادہ صاحب اُن کے سینہ پر ہمیشہ کیلئے داغ مفارقت دے گئے ؎

اِن صاحبزادہ صاحب کے وصال سے بہت ایام پیشتر آپ ملول رہتے اور فراق آمیز

[1] مناقب سلیمانی صفحہ ۲۷ ؎

باتیں کیا کرتے تھے۔ ان کے وصال سے پیشتر ہندی کے یہ شعر آپ کی زبان پر تھے۔

ے
موڑ نہ سکدے یاں موڑ لکھیا لوح قلم دا
ڈاڈھے دے ہتھ ڈور لکھیا لوح قلم دا
وس نہیں لگدے اہو لکھیا لوح قلم دا

مطلب یہ کہ نوشتہ تقدیر پورا ہو کر رہتا ہے۔ اور اسے مٹایا نہیں جا سکتا۔ جب کہ ہمارے معاملات کی باگ ڈور ایک زبردست ہاتھ میں ہے۔ تو کیونکر ممکن ہے کہ تقدیر مٹ جائے۔ اِس معاملہ میں انسان بے چارہ بے بس ہے۔ اور اس کا کچھ بھی چارہ نہیں[1] ؎

آپ کے عزیز پوتے نے ایک گوزن پال رکھا تھا۔ جس کے ساتھ اُن کو بے حد محبت تھی۔ ایک سکھ سردار نے اسے شکار کا نشانہ بنایا۔ بچہ بہت بلبلایا۔ لوگوں نے بد دعا کے لئے التجا کی۔ فرمایا۔ ہمارا کام یہ نہیں ؎

درجہ تسلیم میں آپ عموماً ہندی کی یہ ضرب المثل دہرایا کرتے تھے :۔

"مرداِ مرے تیں جیندا جیوے۔ سُتھر اگھول پتاسے پیوے"

اگر کوئی مرے یا جیئے۔ ہمیں اس کی پرواہ نہیں۔ ہمیں اپنا کام میٹھا ہے۔ جس کی ہمیں پیاس ہے ؎

بے جا مدح سے نفرت

آپ نہایت عمدہ شعر کہتے۔ اور عمدہ عمدہ شعر سُنتے۔ اور یاد رکھتے تھے۔ لیکن جب کوئی آپ کی مدح لکھ کر لاتا۔ اور اُس میں تکلّف ہوتا۔ تو پسند نہیں کرتے تھے ؎

میاں محمدؐ یار منشی (جو ایک قابل اہل قلم تھے) آپ کی تعریف میں ایک لمبا قصیدہ لکھ کر لائے۔ آپ سُنتے گئے۔ جب ختم کیا۔ تو فرمایا۔ "ہا مشکیے وے محمدؐ یارا اے ساڑے کوڑ میڈے واسطے پئے لائے نیں" (واہ واہ! بھئی محمد یار۔ کیا سب جھوٹ مُوٹ میرے لئے گوندھ لایا[2])۔ اُس نے کہا۔ ہاں غریب نواز۔ یہ سب کچھ

[1] مناقب المحبوبین از حضرت خواجہ گل محمد صاحب صفحہ ۲۳۵ ؎ [2] زبانی حاجی ترجمان قبلہ خواجہ محمد دیں صاحب رح ؎

جھوٹ ہے۔ مَیں آپ کی تعریف کا سچا حق ادا نہیں کر سکا۔ نکتہ پسند آیا۔ اور دُعا کی۔ لیکن جہاں دیکھتے کہ مدح میں اخلاص اور محبّت جلوہ گر ہے۔ وہاں اُس کی تعریف کرتے اَور پسند فرماتے۔ مولوی خدا بخش بتلانی ایک نہایت پرتاثیر ہندی مناجات لکھ کر لائے۔ مناجات نہایت دردناک اور جذباتِ فطرت کا خاکہ تھی۔ اُس کا ہر ایک لفظ درد اور محبّت کی ستار تھا۔ بے حد متاثر ہوئے۔ دُعا کی اور فرمایا۔ جو کچھ تم نے مانگا۔ وُہ خدا نے پورا کر دیا۔

یہ مناجات اب تک اِس علاقہ میں زباں زد ہے۔ جو آخر کتاب میں منقول ہے۔

غیوری اور حمیّت آپ پٹھان تھے۔ غیرت اور حمیّت پٹھانوں کی خصوصیّت قومی ہے۔ آپ نے اس سے بہرۂ تام پایا تھا۔ پہاڑی اقوام میں یہ طاقت باہمی رقابت اور کشت و خون میں صرف ہو جاتی ہے۔ لیکن آپ میں اس کا اظہار ایسے موقعوں پر ہوتا۔ جہاں حق و باطل ایک دُوسرے کے مقابل صف آرا ہوتے۔ اَور ظلم و استبداد کا پنجہ مظلوم کا گلا گھونٹتا نظر آتا۔ یا جہاں حبِ وطنی اور ناموسِ شریعت کا سوال ہوتا۔ عموماً غریب اور اہلِ حاجت اِس شہنشاہ ولایت کا دروازہ کھٹکھٹاتے۔ دریائے رحمت جوش میں آتا۔ تو منشورِ سلیمانی اُمرا کے پاس جاتا۔ اگر خوش بختی سے نامۂ سلیمانی زیب پذیرائی پاتا۔ تو بہتر۔ ورنہ گریبانِ امارت پارہ پارہ تھا۔

سیرۃ سلیمان کے مرقع میں اِن چہروں کی سیاہی دیکھنے کے قابل ہے۔ جو آپ کے دستِ غیرت و جلال سے ان پر تھوپی گئی۔ اَور وُہی اُن کا خطِ تقدیر بنا۔ شروع شروع میں غیرت اور حمیّت کا یہ خون آپ کی رگوں میں زیادہ جوش زن تھا۔ رفتہ رفتہ رافت اور رحمتِ عامہ کے عنصر میں تبدیل ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے عاصی اور متمرد بھی آکر سلیمانی دامن میں پناہ لیتے۔ اور اس چشمۂ رحمت سے عمر بھر کے داغ معصیت دھوتے۔

حسن خاں والئے درگ اِس ضمن میں چند قصوں کا ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ حسن خاں درگ کا حاکم تھا۔ جو بہت ظالم اور جابر تھا۔ جعفرون کی قوم اس سے تنگ تھی۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا۔ اور اُس کے مظالم کی فریاد کی۔

آپ نے فرمایا۔ وہ یہاں آنے والا ہے۔ میں اُسے سمجھاؤنگا۔ جب وہ آیا۔ تو آپ نے سمجھایا۔ لیکن وہ بدبخت باز نہ آیا۔ بلکہ کہنے لگا۔ کہ "میں جانتا ہوں کہ تو زکریا کا بیٹا ہے اور آج لوگوں کو ٹکڑا اکھلا کر غوث بن بیٹھا ہے۔" آپ چُپ ہو رہے۔ اور وہ بدبخت ناراض ہو کر چل دیا۔ دو تین میل نہ گیا تھا۔ کہ اُس کے پیٹ میں درد اُٹھا۔ لوٹتا ہوا آپ کے اصطبل میں آگرا۔ لوگوں نے آپ کی خدمت میں اطلاع دی۔ فرمایا۔ کوئی ٹکڑا پیٹ میں رہ گیا ہوگا۔ اور کچھ التفات نہ کی۔ خدا کی قدرت اسی دن چلاّ چلاّ کر مرگیا[1]؛

لعل خاں حاکم منگروٹھہ

حکومت افغانستان کی طرف سے لعل خاں بلوچ قلعہ منگروٹھہ کا حاکم تھا۔ اُس نے ایک شریف بلوچ کی لڑکی جبراً بلا نکاح گھر میں ڈال رکھی تھی۔ شہر کا قاضی لڑکی کے ورثا کو لے کر آپ کی خدمت میں آیا۔ اور کہنے لگا۔ "غضب ہے۔ کہ آپ کے ہوتے ہوئے احکامِ شریعت کی ایسی توہین ہو۔" آپ نے اُسے تہدید کی۔ مگر اُس بدبخت نے گستاخانہ جواب خدمت میں لکھ بھیجا۔ آپ نے کھولا اور پڑھ کر پھینک دیا۔ اور فارسی فرمایا:۔

"ملک بدستِ درویش است۔ ہر کرا خواہد بدہد"

خدا کی قدرت اسی دن ظہر کے وقت خراسان کے چار ہزار آدمیوں کا لشکر پہنچا۔ قلعہ کا محاصرہ کیا۔ لعل خاں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ لعل خاں بارہ سال تک پٹھانوں کی قید میں رہا۔ اور اُس کا ملک اُس کے بھتیجے محمد اسد خاں کے حوالہ ہوا[1]؛

لعل خاں رہا ہو کر بہاولپور پہنچا۔ اور نواب صادق محمد خاں کے پاس کسی اچھے عہدہ پر ممتاز ہوگیا؛

اِس وقت ضلع ڈیرہ غازیخاں میں قلعہ تھوئی تک پٹھانوں کی حکومت تھی۔ اور جنوب میں نواب کا قبضہ۔ کھوسہ تمن نے بغاوت کی۔ اور ڈیرہ غازیخاں شہر پر حملہ کر دیا۔ نواب صاحب نے لعل خاں کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ کہ وہ جا کر اس فتنہ کو فرو کرے۔ اُس نے قلعہ تھوئی کا محاصرہ کیا۔ جو تمن کھوسہ میں اسد خاں کے زیر قبضہ تھا۔ لڑائی کا

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۱۴؛

بازار گرم تھا۔ لعل خاں نے حکم دے رکھا تھا۔ کہ فوجی رسد کے لئے علاقہ میں لوٹ مار کریں ؛
میاں احمد بڈھا آپ کا ایک مرید غلہ کے چھ بار لا رہا تھا۔ فوج نے اُسے لُوٹ لیا۔ اُس نے جناب سلیمانی میں پہنچکر استغاثہ کیا آپ نے لعل کے نام مراسلہ دیا۔ اس بدبخت نے خط کو چاک کر دیا۔ اور قاصد کو دھکے دئے۔ لوگوں نے سمجھایا تو اپنا دایاں بازو اوپر کو اُٹھا کر کہنے لگا" میاں صاحب نے جو تیر لگانا ہے۔ لگا دے۔" آپ نے سُنا تو کہا۔" فقیروں کے پاس تیر کہاں" ؛

الغرض کھوسے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔ اُن کے دو سردار[1] جو آپ سے راسخ عقیدہ رکھتے تھے۔ آپ کی خدمت میں قرآن مجید لے کر حاضر ہوئے۔ کہ خود بدولت تشریف لا کر صلح کرا دیں ؛

آپ نے پچھلا واقعہ بیان کر کے فرمایا۔ کہ" لعل خاں کی طبیعت سے تم واقف ہو۔ لیکن مجھے قرآن مجید کی عزت لازمی ہے"۔ پہلے ایک شخص کو بھیجا کہ جس نے آپ کی طرف سے اس کو پیغام دیا[2]۔ کہ میں نے قلم کی نوک سفید ریشم پر اس لئے الٹ رکھی ہے۔ کہ واللہ اعلم۔ فوج لعل خاں کی ہے۔ یا رادھا کرشن کی۔ جنگل میں آگ لگانا آسان ہے۔ مگر اُس کا بجھانا مشکل۔ مہوئی کے قلعے کو تونسہ سے شمال کی طرف کوئی نہیں پہچانتا۔ لیکن آپ کو دنیا پہچانتی ہے۔ اگر تم صلح کرنا چاہو۔ تو میں آ جاؤں ؛

اُس بدبخت نے کہا۔ اب جبکہ میں قلعہ لے چکا ہُوں۔ میرے لئے صلح مناسب نہیں۔ اِس پر بھی کھوسہ سردار اپنی ضد سے باز نہ آئے۔ اور قرآن شریف حضور کی گود میں رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا۔" انجام معلوم ہے لیکن میں اس کی حرمت سے مجبور ہوں"۔ اور چل دئے۔ صبح کے وقت قلعے کے دروازے پر پہنچے۔ لعل خاں کو کہلا بھیجا۔" بہتر ہے۔ کہ عارضی صلح کر لو۔ میں خود نواب صاحب کی خدمت میں لکھ

---

[1] ایک کا نام یار محمد دوسرے کا نام نور محمد تھا ؛

[2] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۱۶ ؛

دیتا ہوں۔ اُمید ہے کہ وہ صلح کو مان جائینگے۔ اگر اُنھوں نے صلح زمانی تو قلعہ کی چابی آپ کے حوالے کر دونگا۔ لعل خان نے مان لیا اور جنگ ملتوی ہوگئی۔ لیکن دوپہر کے وقت جب آپ آرام فرمارہے تھے۔ بدعہد لعل خاں نے چند سواروں کو بھیجا۔ جو اُن کھوسہ سرداروں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ اور فوراً قلعہ پر گولہ باری شروع کر دی۔ آپ چونک اُٹھے۔ ایک شخص کو اصلیت دریافت کرنے کیلئے بھیجا۔ اُس نے آکر اطلاع دی۔ کہ لعل خاں نے دونو کھوسہ نوجوانوں کو مار ڈالا اور لڑائی کا حکم دے دیا ؛

آپ کو بے حد رنج ہؤا۔ اور دوپہر کی کڑکتی دُھوپ میں واپس ہوئے چہرہ سُرخ تھا۔ اور ہندی کا یہ فقرہ آپ کی زبان پر :-

"لال نہیں کوئی لالڑی ہے نانواں اسداوالڑی ہے"

یعنی یہ لعل نہیں۔ بلکہ چھوٹا موتی ہے۔ نہیں چاہئے کہ اس کا نام باقی رہے۔ جو آتا اس سے پوچھتے۔ کہ کیا وہ مارا نہیں گیا۔ خبر آئی کہ وہ مہوئی سے فارغ ہوکر دلانہ پہنچا۔ (جو کھوسہ قوم کا ایک مشہور قلعہ ڈیرہ غازیخاں سے مغرب کی طرف واقع ہے) دلانہ میں کھوسوں نے جی کھول کر مقابلہ کیا۔ اور لعل خاں مارا گیا۔ تحقیق سے ثابت ہے۔ کہ آخری لڑائی میں جو تیر چھوٹتا۔ وہ لعل خاں کے اُس بازو میں لگتا تھا۔ جو اُس نے انداز غرور میں اُٹھایا تھا۔ اِس قتل کی خبر جب آپ کو پہنچی۔ تو فرمایا۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فِی النَّارِ وَ السَّقَر"[1]

اِسی قسم کا مشہور واقعہ نورزئی پٹھانوں کی حکومت کا فیصلہ ہے۔ جو کرامات کے بیان میں ذکر ہوگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات آپ کی ابتدائی عمر کے ہیں جب کہ عصبی حس بہت تیز تھی۔ آخر میں جوں جوں ہلال ولایت بدر بنتا گیا۔ اِس قسم کے واقعے کم ہوتے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی عمر میں ایسے ظہورات سے آپ کے تذکرے خالی ہیں۔ لیکن غور کے قابل امر یہ ہے۔ کہ ان سب خونی قصوں میں حق کی حمایت اور حفظ شریعت کے جذبے کام کر رہے ہیں۔ حاکموں کو اُن کے اعمال کی سزا

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۱۵ تا ۲۱۸ ؛

اور اُن کی جابرانہ سیاست کا جوُا غریب عایا کی گردن سے اُتار کر بنی نوع انسان پر احسانِ عظیم کیا۔ حسن علی نے اعلائے کلمۃ الحق کو ٹھکرایا۔ ذیل خاں ایک لڑکی کی عصمت کی پردہ دری اور بدعہدی کا مرتکب ہوا تو سزا پائی۔ تیسرا تو صریح خونریز ناموس شریعت کا تھا۔ اور اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں۔ جن کو دیکھ کر بلا تامل کہنا پڑتا ہے۔ کہ آپ کی غیوری اور جلال کے پردہ میں قدرت کے زبردست قانون پُورے ہوئے۔ بلاشبہ آپ نے سیاسی معاملات میں دخل دیا۔ مگر ٹھیک اِس طرح جس طرح ہم خیر القرون میں رحمۃ للعالمینؐ کا غزوات میں دیکھتے ہیں ؎

نخوتے دارند و کبرے چو شہاں چاکری خواہند از اہلِ جہاں

استغنا اور سیرچشمی

استغنا اور سیرچشمی آپ کی فطرت میں تھی۔ چشمۂ نبوت سے سیرابی اور خزائن قدرت سے بہرہ یابی نے آپ کے استغنا میں وہ شانِ لاابالی پیدا کر دی تھی۔ کہ دُنیا کا مال و متاع اُن کی نگاہ میں مُشتِ خاک سے بڑھ کر نہ تھا۔ ایک دفعہ نواب صادق محمد خاں نے ایک سُنہری زین سفید کپڑے میں لپیٹ کر آپ کی خدمت میں بھیجی۔ فرمایا۔ اِس بلا کو اُٹھا کر چار دیواری سے باہر پھینک دو۔ کہ ہم اس کے چوکی پہرہ کے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔

سیّد مستان شاہ کابلی نے ایک ہیرا نذر گزرانا۔ آپ نے اُسے پتھر سے کوٹ کر پھینک دیا۔ شاہ صاحب غمگین ہونے لگے۔ تو اپنی جاء نماز اُلٹ کر اُسے دکھائی۔ ایسا نظر آیا کہ ہیروں کا دریا بہ رہا ہے۔ مطمئن ہوا اور یہ شعر پڑھا ؎

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند[1]

اِس سیرچشمی کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ ہزاروں روپے نذرانہ کے لئے آتے۔ اور اُسی وقت غریبوں اور مسکینوں کی قسمت بن جاتے۔ آپ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے " کہ خدا نے مجھے اتنا دیا ہے کہ اگر چاہوں تو تمام دُنیا کو سونے اور چاندی کی روٹی دوں۔ مگر

[1] تذکرہ مستان شاہ مناقب المحبوبین صفحہ ۲۷۶

لوگ تو باجرہ کی روٹی بھی ہضم نہیں کر سکتے"۔

ایک سفر میں حضرت خضرؑ ملے۔ اور سلام کیا۔ آپ نے بے پروائی سے جواب سلام دیا۔ اور چلدیئے۔ وہ کہنے لگے کہ کیا تم نے مجھے پہچانا"۔ آپ نے فرمایا "تم خضر ہی ہو گے نا!" اور اسی انداز کے ساتھ چلتے رہے"۔

مسکین نوازی دنیا کسی ہستی کی مسکین نوازی اور غریب پروری پر فخر کر سکتی ہے لیکن آپ میں یہ صفت اتنی بڑھی ہوئی تھی۔ جسے مسکین جوئی کہنا چاہیئے۔ اس بے زبان گروہ کی نہ صرف پرورش کرتے تھے۔ بلکہ آپ کو اُن کی تلاش اور تربیت میں ایک گونہ شیفتگی اور عشق تھا۔ آپ کا آستانہ غریبوں اور مسکینوں کا کاشانہ تھا۔ جہاں پر دنیا کے کونے کونے سے مساکین آکر زاویہ نشین ہو گئے تھے آپ کا دستر خوان غریب لوگوں کے لئے صلائے عام تھا۔ جس میں اوسط روزانہ کے حساب دو اڑھائی ہزار مساکین کا پیٹ پلتا تھا۔

آج کل کے یتیم خانوں کی طرح نہ صرف ان کا پیٹ پال دیا جاتا تھا۔ بلکہ اعلیٰ سے اعلیٰ پیمانہ پر اُن کی روحانی غذا اور علمی تربیت کا انتظام تھا۔ آپ کی علمی مجلس تمام شمالی ہند میں مفتخر روزگار تھی۔ اور زمانہ کے چیدہ سے چیدہ عالم آپکی علمی اور رُوحانی صحبت سے فیض پانے کو اپنا فخر و ناز خیال کرتے تھے۔ اِن سب کا شغلہ تدریس تھا۔ جن کے فیضانِ علوم سے یہ لوگ بہرہ پاتے۔ اور سرمایۂ حیات حاصل کرتے۔ ان سب کی علمی پرورش آپ کی سرپرستی میں نہایت آزادی اور بیفکری سے ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ مطالعہ اور مالش کے لئے تیل اور بعض کو گھی۔ کپڑے تک لنگر سے ملتا۔ ان کی صحتِ بدنی کا بھی خاص اہتمام تھا۔ اس غرض کے لئے ماہر حکیم مقرر تھا۔ جو ضرورت کے وقت مفت خدمت کرتا۔ دوائی بھی جس قدر صرف ہوتی۔ لنگر سے ملتی۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ اس دارالشفا کا خرچ سات سو روپیہ ماہوار نکلا۔ قسام (لانگری) چلا اُٹھا۔ مگر آپ نے اُسے جھڑک دیا۔ حجامت کے لئے حجام مقرر تھا۔ جو دو ہفتہ کے اندر لازمی طور پر سب کے سر مونڈ دیتا تھا۔

یہ سب کچھ اس لئے تھا۔ کہ یہ غریب اور کس مپرس فرقہ آسودگی اور فارغ البالی کے ساتھ اپنی دھن کو پورا کرے۔ ساتھ ہی اس کے اس امر کا بڑا خیال تھا۔ کہ یہ گروہ سست الوجود۔ ٹکر گدا نہ بن جائے۔ بعض دفعہ جب اُن میں سُستی اور کام چوری کے آثار دیکھتے تو اُن کے روزینے کم کر دیتے تھے۔ تاکہ مالدار نہ بن جائیں۔ بعض کو حوائج سے زیادہ خیراتِ عامہ میں سے کچھ نہیں دیا جاتا تھا۔ (جس کی مثالیں اوپر گزر چکی ہیں) ؎

اِن لوگوں کا جتنا وقت تحصیل علوم سے بچتا۔ آفتابِ ولایت سے روحانی شعاعیں جذب کرتے۔ اور آپ کی صحبت سے مستفید ہوتے۔ اس طریق سے وہ روحانی تربیت پاتے رہتے۔ سب کے سب علماء دیندار نہ زندگی کا نمونہ تھے۔ جو اپنے شاگردوں میں عملی زندگی کی روح پیدا کر دیتے۔ یہی وجہ تھی کہ ہزاروں کی تعداد میں طالبانِ علومِ شریعت اور ملتِ بیضا کے یہ روحانی نمونے دُنیا میں پھیل جاتے۔ اور دنیا بھر کو مستفید بناتے۔ گنجینۂ ولایت کے بڑے از دار آپ کے پوتے حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب رح تھے۔ جن کے نام نامی پر تصوّف اور شریعت جتنا فخر کرے۔ بجا ہے۔ اُن کو آپ کی مسکین نواز فطرت کے اس جذبے کا اتنا احساس تھا۔ کہ آپ کے وصال پر جب حصولِ نعمت اور تفویض امانت کا وقت آیا۔ تو انہوں نے عرض کیا" دادا میری خواہش یہی ہے کہ مَیں آپ کے فقرا کی جُوتیاں سیدھی کروں" یہ ایک اشارہ تھا۔ اِس گروہ کی تربیت نیز خدمت کی طرف۔ آپ کی زبان سے جونہی یہ فقرہ نکلا۔ فیضانِ رحمت کے فوارے جاری ہو گئے۔ تذکرہ نویس لکھتے ہیں۔ کہ یا تو یہ حال تھا۔ کہ آپ کو ان کی طرف معمولی اور سرسری توجّہ تھی۔ یا یہ حال ہو گیا کہ آپ کی عنایت کا تمام رُخ اُن کی طرف مُڑ گیا۔ اور وہ صرف اسی کلمے کی بدولت آپ کے عین اور سچے مظہر بن کر دنیا کے لئے شمع ہدایت بنے[1] ؎

---

[1] منتخب قصۂ وصال ؎

الغرض فقرا اور مساکین پر آپ آلہ وشیدا تھے۔ آپ کا وصال ہؤا تو علماؐ نے آپ کی غربا نوازفطرت کا خیال کر کے مادہ تاریخ بھی "غربا نواز" تلاش کیا۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے۔ کہ پورا نکلا۔
۱۲۰۹ھ

سو جھل نام ایک شخص نے ایک فقیر کو خلاف شرع برا بھلا کہا۔ چونکہ معاملہ شرعی تھا۔ علماء بھڑک اٹھے۔ اور اسے آپ تک پہنچایا۔ آپ نے اسے ایک حجرہ میں محبوس کرا دیا۔ مگر ایک سید بزرگ کی سفارش سے آپ نے فوراً اُسے رہا کر دیا۔ وہ بدمعاش سیدھا ڈیرہ غازیخاں پہنچا۔ اور نواب ڈیرہ سے علماء کے برخلاف ایک حکمنامہ لے آیا۔ جن کی بنا پر قلعہ دار نے عالموں کی بے حرمتی کی۔ اس واقعہ کی اطلاع آپ کو مہار شریف ملی۔ چونکہ معاملہ ناموس شریعت کا تھا۔ آپکو بے حد رنج ہؤا۔ آپ ڈیرہ غازیخاں میں آئے۔ نواب نے گو معذرت کی مگر رنج دور نہ ہؤا۔ جب مہار شریف کے مزار کے قریب پہنچے۔ تو ایک شخص سے تلوار طلب کی۔ اور بسم اللہ اللہُ اکبر کہکر تین دفعہ تلوار کو ہوا میں اس زور سے چلایا۔ جیسا کہ کسی چیز کو کاٹ رہے ہوں۔ اور فرمایا۔ تم تو کہتے تھے۔ کہ یہ تلوار کند ہے۔ اس نے تو نوروزئی پٹھانوں کی حکومت کی جڑ تحت الثرٰے تک کاٹ دی۔

خدا کی قدرت اس واقعہ کے بعد جلدی ہی اس فرقہ کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا[1]۔

محتاجوں کی دستگیری

محتاجوں کی دستگیری کے لئے آپکا ہاتھ ہمیشہ بڑھا رہتا تھا۔ دامن گرفتہ اور لواحقین طرح طرح کی حاجات پیش کرتے۔ جن میں سے بیشتر اُن کی ذات کے متعلق بھی ہوتی تھیں۔ جس کیلئے اہل دول اور دنیا داروں کو ڈھونڈنا پڑتا تھا۔ لیکن آپ کا دل ایسا پسیج جاتا کہ مزاج میں انتہا درجہ کی غیوری اور خود داری کے باوجود پیغام سے۔ خط سے۔ آدمی بھیجنے سے خود جانے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ اور جب یہ ظاہری حیلے بیکار ہو جاتے۔ تو تدبیر دعا سے چارۂ کار فرماتے۔ لیکن اہل حاجت کو کبھی نامراد

---

[1] ملاحظہ ہو باب کرامت کتاب ہذا۔

نہ لوٹاتے یہی وجہ تھی کہ آپ کے دروازے پر اہلِ حاجت کا میلہ لگا رہتا تھا۔ اور متعلقین کو اگر کانٹا بھی چبھتا۔ تو آپ کا ناخنِ تدبیر اسے نکالتا ⁂

ایک والئے ریاست۔ ایک امیر۔ ایک دنیادار میں شاذونادر اگر یہ جذبہ موجود ہو تو وہ صرف مال و دولت سے ہی دستگیری کر سکتا ہے۔ لیکن دولتِ فقر کا سرمایہ دار اگر اہلِ حاجت کی دستگیری کرنا چاہے۔ تو اُس کا دستِ دعا ہی گوہرِ اجابت بارگاہِ حق سے لیکر سائل کا دامن مراد کے موتیوں سے بھر دیتا ہے۔ آپ کی سیرۃ میں بیشتر اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔ کہ جب ظاہری چارہ کار نہ رہا۔ تو دستِ دعا سے محتاج کا ہاتھ بٹایا ⁂

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ اگرچہ تمام عالم کی مرادیں آپ کے فیضِ روحانی سے حاصل ہوتی تھیں۔ تاہم آپ کو اس سے نفرت تھی۔ کہ کسی کرامت یا کرشمہ سے حاجت روا کر کے اپنی دکانوں کو بڑھائیں۔ اِس لئے جب لوگ حاجت لاتے۔ تو ناموسِ شرع کا خیال کر کے کچھ معمولی سی تدبیر بتلا دیتے۔ اور اس کا کام بن جاتا۔ مگر اس کی تہ میں تصرّفِ باطنی کا کارگر حربہ چھپا ہُوا ہوتا تھا ⁂

گل محمدؒ ایک طالبِ علم عالمِ شباب میں مرضِ دق کا شکار ہوگیا تھا۔ تپ تیسرے درجہ پر جا کر لاعلاج ہوگیا۔ وہ خدمت میں حاضر ہُوا اور گڑگڑایا۔ آپ نے اُس کو خربوزہ کی ایک قاش دی۔ فوراً آرام ہوگیا ⁂

ایک دفعہ حاجی خاں کاتب سخت بیمار ہوئے۔ یہاں تک کہ جینے کی اُمید نہ رہی۔ حسبِ معمول آپ اُن کی عیادت کو تشریف لیگئے۔ طبیبوں نے عرض کی کہ اب دوا کا وقت نہیں رہا۔ دُعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ خدا پر مایوسی کفر ہے۔ جا کر اپنا پس خوردہ بھیج دو۔ اور فرمایا۔ جس طرح بنے۔ بیمار کو کھلایا جائے۔ تعمیل کی گئی۔ فوراً شفا ہوگئی۔ اور طاقت عود کر آئی ⁂

قادر بخش ایک بلوچ مرضِ دق میں مبتلا ہُوا۔ حکماء نے اسے لاعلاج قرار دیا۔ آپ کا جی بھر آیا۔ اس کو پس خوردہ عطا فرمایا۔ اُسے بھی شفا ہوگئی ⁂

"حضرت کی ایک حدیث ہے۔ کہ مومن کا پس خوردہ شفا ہے حقیقت میں اُس کو سچا ثابت کرکے دکھلانا منظور تھا"

بعض اوقات کسی نہ کسی خیرات یا منت کا حکم دیتے۔ مولوی محمد امین سخت بیمار ہوئے۔ زندگی کی اُمید نہ رہی۔ فرمایا حضرت قبلۂ عالم رح کی نیاز ایک گائے خیرات کردو۔ تعمیل کی گئی۔ اُسی دن شفا ہوگئی۔

مولوی علی محمدؒ سوکڑی حالت نزع میں تھے ناف تک ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ اُس کی بیٹی خدمت میں پہنچی۔ اور آکر زار زار روئی۔ آپ کو رحم آیا۔ فرمایا گگائے پیر کی نذر کرو۔ گائے بھی اپنے ہاں سے عطا کی۔ لڑکی نے تعمیل کی۔ اُسی دن آرام ہوگیا۔

بعض اوقات کوئی ورد سکھلا دیتے۔ یا کوئی وظیفہ بتلا دیتے۔ ایک شخص بہت تنگ دست تھا حضور کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اُسے یہ دعا سکھلا دی خدا کی قدرت مالدار ہوگیا[1]۔ دعا یہ ہے:۔

اللّٰھم یا رب الارباب ویا مسبب الاسباب ویا مقلب القلوب یا غیاث المستغیثین ویا اھل المغفرۃ۔ نصر من اللّٰہ وفتح قریب وبشر المؤمنین فاللّٰہ خیر حافظا۔

میاں قبول نام ایک شخص نابینا تھا۔ درود شریف کا ورد بتلایا۔ ایک ماہ کے اندر اُس کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ لوگ نزول بارش کی التجا کرتے۔ تو آپ گھونگھنیاں[2] پکا کر تقسیم کرنے کا حکم دیتے۔ فوراً بارش آجاتی۔ ایک دفعہ امساک باراں ہوگیا۔ موسم بھی گزرنے والا تھا۔ لوگ آئے اور گریہ وزاری کی۔ آپ نے فرمایا مل کر ستر ہزار دفعہ درود شریف پڑھو۔ لوگوں نے پڑھا۔ بارش نہ ہوئی۔ پھر پڑھنے کا حکم دیا۔ مگر نتیجہ نہ نکلا۔ وہ لوگ پھر خدمت میں

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۹۰

[2] جوار کے دانوں کو اُبال کر کھاتے ہیں۔ اسے گھونگھنیاں کہتے ہیں۔

پہنچے - فرمایا مجھ سے کچھ نہ کہلاؤ - اب خدا ہمارا قرض دار ہو گیا ہے - اُسی دن ظہر کو ایسی بارش ہوئی - کہ دو ماہ تک پہاڑی نالے جاری رہے اور علاقہ آباد ہو گیا۔

ایک شخص اجمیر سے آیا - جس پر بہت سا قرضہ تھا - کہنے لگا کہ میں سات دن حضرت خواجہ معین الدین رح کی خانقاہ پر حصُولِ مُراد کے لئے بیٹھا رہا - مجھے حکم ہُوا کہ آپ کی خدمت میں جاؤں اِس لئے فرمان کے مطابق حاضر ہُوا ہوں - میری مراد پُوری کیجئے - آپ نے فرمایا عشا کی نماز کے بعد تین بار سورہ مزمّل ادائی قرضہ کی نیّت سے پڑھا کرو - وہ واپس گیا - خدا نے اُسے برکت دی - اُس کا قرضہ ادا ہو گیا ؛

بعض اوقات کسی اَور کو آڑ بنا کر کام کر دیتے تھے - ملّا محمّد کھوکھر ایک مسکین شخص تھے آپ کی خدمت میں رہتا تھا - بیسیوں دفعہ ایسا ہُوا کہ لوگ امساکِ باراں سے تنگ آ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر گڑگڑائے دریائے رحمت جوش میں آیا - تو فرمایا - میاں محمّد کھوکھر سے کہو - کہ وہ بارش کے لئے دُعا کرے جب وہ کہدیگا - مینہ برسے گا - ملّا رمز شناس تھا - وہ کسی خاص وقت کا نام لے لیتا مشیّت خدا اسے اُسی وقت مینہ کی جھڑی لگ جاتی بعض اوقات فرماتے میاں محمّد کھوکھر کے بال گوندھ دو - لوگ جا کر اُس کے بال گوندھ دیتے - اُسی دن ظہر کے وقت شمال سے گھٹا اُٹھتی - اور موسلا دھار بارش ہوتی ؛

ایک دفعہ لوگ جمع ہوئے بارش کے لئے دُعا مانگی - ایک ضعیفہ زیارت کے لئے آئی ہوئی تھی - فرمایا - یہ بڑھی مینہ نہیں برسنے دیتی - اسے تھپڑ لگاؤ - لوگوں نے آہستہ سے اُسے تھپڑ لگایا - شام کو بارش ہوگئی ؛

کبھی فرماتے شہر کی عورتیں جمع ہوں اور جھاڑیاں ہاتھ میں لیکر جنگ کریں - عورتیں لڑتیں - خون بہتا - بارش ہو جاتی ؛

آپ کی اس فیاضیٔ فطرت کی یہاں تک شہرت ہوئی - کہ اُمرا اور والیانِ ریاست

ل۹ اصل عبارت بگ کانہ کنا نید ہے - مَیں نے بے ادبی کے خیال سے اس کا ترجمہ "کچھ نہ کہلاؤ" کیا ہے ؛

صاحبِ تخت و تاج اپنی مُراد کے حصُول کے لئے آپ سے مدد طلب کرتے۔ اور دامنِ مُراد گوہرِ مقصود سے بھرتے رہے

اگر حاجت داری ایں حلقہ گیر   کہ سلطاں از زیں ندارد گزیر

جب انگریزوں نے آخری مرتبہ شاہ شجاع کو ہمراہ لے کر دوست محمد خاں والئے خراسان پر چڑھائی کی تو دوست محمد خاں نے آپ کی خدمت میں عرضی لکھی۔ کہ میرا ارادہ خالص جہاد کا ہے۔ تاکہ یہ اسلامی خطہ کافروں کے ناپاک قدموں سے آلودہ نہ ہو۔ دُعا کریں کہ خدا مجھے فتح دے۔ عرضی پہنچی تو فرمایا ے

ہر آں کہ استعانت ز درویش بُرد   اگر بر فریدوں زد از پیش بُرد

نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انگریز ناکام رہے ؛

کسی کی حاجت روائی کے لئے اپنے وقار اور آرام کی پروا نہ کرتے تھے۔ اگر بہ نفسِ نفیس جانا پڑتا تو دریغ نہ فرماتے ؛

ایک دفعہ نواب عبد اللہ خاں والئے ڈیرہ غازی خاں نے گڑھی اختیار خاں کا محاصرہ کیا۔ محاصرین نے آدمی بھیج کر التجا کی۔ کہ خدا کے لئے آئیے۔ اور ہمیں اس آفت سے بچائیے۔ آپ کو رحم آیا۔ اور فوراً تیاری شروع کر دی۔ سب نے روکا۔ کہ نواب دُنیا دار ہے۔ اور وہ قلعہ کے تسخیر کرنے کی ہوس رکھتا ہے ممکن ہے کہ حضور کی عزت نہ کرے لیکن آپ نے فرمایا۔ مَیں خدا کا بندہ ہوں نفس کا بندہ نہیں۔ اور چل دئیے۔ اور ان کو چھُڑا لائے ؛

اسی طرح ایک شخص قوم جعفر سکنہ ورگ کی التجا پر نواب محمد اسد خاں کے پاس تشریف لے گئے۔ اور اُسے زمین واپس دلادی ؛

پھر جب نواب محمد اسد خاں آتا۔ تو ہمیشہ اہلِ حاجت کی دنیوی اغراض سے سپرد کر کے ان کے پُورا کر دینے کی سفارش فرماتے[1] ؛

تمام تذکروں کی ورق گردانی سے ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ آپ

[1] ان سب واقعات کے حوالے کرامات کے بیان میں مذکور ہونگے ؛

اپنے کسی ذاتی مقصد کیلئے اہلِ دول کے پاس گئے ہوں ؛

اعلائے کلمۃ الحق

اعلائے کلمۃ الحق میں آپ کا دل دلیر، اور آپ کی زبان بہت ہی بیباک تھی۔ دینِ فطرت کی حمیت و حمایت آپ کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی۔ شروع میں کسی کو خلاف شرع کام کرتا ہوا دیکھتے تو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ مٹھن کوٹ میں لونڈہ کا واقعہ مذکور ہوا[۱]؛

سُنا۔ کہ خواجہ نور محمد صاحب سرود سنتے ہیں۔ چلے کہ اُن پر بھی کلمۃ الحق کا حربہ چلائیں۔ مگر خود اُس کا شکار ہو گئے۔ یہ واقعہ بھی تفصیل سے لکھا گیا ؛

آپ پر جب ذمہ داری کا بوجھ پڑا۔ تو یہ جس اور تیز ہو گئی۔ مگر اس کا اظہار ان موقعوں پر ہوتا۔ جن میں دنیا کے امن و عافیت مظلوموں کی حمایت یا شریعتِ حقہ کی صریح بے حرمتی کا راز مخفی ہوتا ؛

جابر سے جابر حکامِ وقت اور والیانِ ریاست کے دامن پر جب کبھی کوئی بدنما دھبہ نظر آتا۔ فوراً ٹوکا۔ اور عذابِ الٰہی کے تازیانے سے ڈرایا۔ دھمکایا۔ اور جہاں کہ طغیان حد سے بڑھ گیا۔ یہی تازیانہ اُن کے سروں پر چلا کر دینا کو ان کے ظلم سے نجات دلائی۔ لعل خاں والئے منکرہ و بھکر کا کاشانۂ عیش اسی رَو میں خس و خاشاک ہو کر بہ نکلا۔ اِس کی جگہ محمد اسد خاں کو تخت و تاج دلایا۔ لیکن جب اُس نے بھی بے گناہ مخلوق پر دست تعدی دراز کیا۔ تو فرمایا۔ تیرے وقت میں ہمیں صرف اس قدر فائدہ ہے۔ کہ اذان کی آواز سُن لیتے ہیں۔ لوگوں پر ظلم مت کرو۔ ورنہ سکھوں کی فوج یہاں ہو گی۔ (ہاتھ سے ایک موقعہ کا اشارہ کیا) مگر اُس بدبخت نے نہ مانا۔ خدا کی قدرت چند روز میں سکھوں کی فوج نے اُسے آکر تباہ کیا۔ اور ٹھیک وہیں آکر اتری۔ جہاں آپ نے اشارہ کیا تھا۔ حسن خاں والئے ڈیرہ اس اعلاء کلمۃ الحق کے تیر کا نشانہ بنا۔ الغرض اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جو موقعہ بموقعہ مذکور ہوئے[۱] ؛

---

[۱] ان سب واقعات کے حوالے کرامات میں ذکر ہونگے ؛

ذوقِ عبادت

عرفان کا اعلےٰ مرتبہ یہ ہے۔ کہ عبادت میں ذوق اور لذت پیدا ہو جائے۔ عبادت روح کی غذا بن جائے۔ اور یہی مقصد انسانی خلقت کا ہے۔ قرآن حکیم میں "مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ" اسی مقصد کی توضیح ہے ؂

دنیا کا سب سے بڑا عارف صلی اللہ علیہ وسلم عبادتِ الٰہی میں وہ لذت پاتا ہے۔ کہ تمام رات کھڑے ہو کر پاؤں ورم کر جاتے ہیں۔ گرمی، سردی، درد، آزار کوئی چیز بھی آپ کو عبادتِ شبانہ سے باز نہیں رکھ سکتی۔ وہ عبادت کو کم نہیں کرتے۔ جب تک کہ وحی کے ذریعے سے روک نہیں دئے جاتے۔ عبادت کی اس دُھن کے باوجود "ماعبدناک حق عبادتک" کے نعرہ سے اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہیں ؂

خدائے قدوس کو بندوں کا یہ فعل بہت پسند ہے۔ کلمۂ شہادت جس پر دینِ فطرت کی اساس رکھی گئی ہے۔ اس میں رسول پاک کو "عبدہٗ" کے پیارے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔ سرورِ دوجہاں صلعم جب روحانیت کی آخری سیڑھی پر پہنچتے ہیں۔ تو بھی "عبد"[1] کے پیارے نام سے یاد کئے جاتے ہیں ؂

تمام کے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عبادت کے اس رنگ میں یہاں تک رنگے گئے تھے کہ دن بھر جہاد میں چور ہو کر رات کو صرف اسی ذوق کے ساتھ اپنی تھکان کو دُور کرتے تھے۔ حضرت عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے پایہ کے بزرگ ہیں۔ فرماتے ہیں :-

کہ ناگزیرم کہ نا پرستم[2] ؂

عارف رومی رح کی ریاضت کا یہ حال تھا۔ کہ تمام رات عبادت میں گزر جاتی۔ اور نیند آجاتی۔ تو بیٹھے بیٹھے سو جاتے تھے[3] ؂

تیرھویں صدی کے بہت بڑے عارف کے تذکرے میں جو چیز سلف صالحین کو یاد دلاتی ہے۔ وہ آپ کی عبادت ہے ؂

---

[1] اَسْریٰ بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی (بنی اسرائیل ۱)
[2] یعنی عبادت نہ کرنے سے میرے اوقات بسر نہیں ہوتے ؂
[3] سوانح عمری مولانا روم رح مؤلفہ شبلی رح ؂

یوں تو آپ آٹھوں پہر مصروف عبادت رہتے۔ آنکھیں بیدار الٰہی سے اور دل ذکر خفی سے بیدار تھا۔ تاہم صبح سے چاشت تک تقریباً تین گھنٹے۔ مغرب سے بعد ایک گھنٹہ عشا اور وتر کے درمیان۔۔ انفل کا وقت اور رات کا آخری تیسرا حصہ عبادت الٰہی استغراق اور شہود کے لئے خاص تھا۔ عموماً ان اوقات میں تخلیہ ہوتا! ور آخری زمانہ کا یہ پاک! زعارف نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ ہو سجود اور رکوع رہتا نماز فریضہ اور ان کے بعد کے اوراد ان کے علاوہ تھے۔ دن رات میں صرف دو یا تین گھنٹے آرام دے کر باقی تمام وقت افادۂ خلائق فیضان وتلقین کے لئے تھا[1]۔ لکھا ہے کہ صحیح البدن آدمی دن رات میں چوبیس ہزار مرتبہ سانس لیتا ہے۔ اس لئے تمام مشائخ کبار کا دستور رہا۔ کہ اتنی بار اسم ذات کا ورد کرتے تھے۔ تاکہ ہر سانس کے ساتھ ایک شکر واجب ہو جائے۔ آپ نے اس تعداد کو دُگنا کر دیا[2]۔

آپ کی عادت تھی۔ کہ آٹھوں پہر باوضو رہتے۔ آخر عمر میں آپ کو تقطیر البول کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ تاہم کبھی بے وضو نہ رہے۔ بعض اوقات چالیس بار یا اس سے زیادہ تک بھی وضو کرنا پڑتا تھا! ور ہر وضو کے بعد دو رکعت نماز تحیۃ الوضو پڑھتے تھے[3]۔

درد یا بیماری۔ سردی۔ گرمی۔ غلبہ نیند یا سفر غرض کوئی جسمانی تکلیف یا موسمی رکاوٹ آپ کو اوراد اور مشاغل ادا کرنے سے باز نہ رکھ سکتی تھی۔ ایک بار آپ مغرب کے بعد مشغول عبادت تھے۔ کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی! ور اسہال آنے لگے۔ جب ذرا افاقہ ہوا۔ تو فوراً طہارت کر کے نماز میں شاغل ہو گئے۔ لوگوں نے روکنا چاہا تو آپ نے فرمایا۔ مجھے اس سے آرام ملتا ہے[4]۔

ایک دفعہ آپ کی آنکھوں میں درد تھا۔ درد کی شدت سے آنکھیں سوج گئی تھیں۔ اور ان سے پیپ جاری تھا۔ لیکن تلاوت اور تدریس ان دنوں بھی قضا

---

[1] مناقب سلیمانی صفحہ ۱۸۔ ۱۹
[2] مناقب سلیمانی صفحہ ۲۰
[3] مناقب سلیمانی صفحہ ۲۱
[4] مناقب سلیمانی صفحہ ۲۷

نہ ہوتی[1]

لذت اور ذوق کا یہ عالم تھا۔ کہ آپ جب حجرہ میں عبادت کرتے۔ سخت سردی کے باوجود بھی کمرہ بھٹی کی طرح تپ جاتا تھا۔

بعض تذکروں میں لکھا ہے۔ کہ آپ تمام عمر میں دیوار کے ساتھ تکیہ لگا کر نہیں بیٹھے تھے۔ لیکن یہ روایت ضعف سے خالی نہیں۔ تاہم جب آپ لیٹ جاتے یا آرام فرماتے۔ تو ذکر الٰہی جاری رہتا۔ حضار مجلس کے ساتھ تصوف اور روحانیت کی باتیں رہتیں۔

تقسیم اوقات صبح کی نماز باجماعت اول وقت میں ادا فرماتے۔ تو حجرہ کا دروازہ بند ہوجاتا۔ اور آپ اوراد و وظائف میں مشغول ہوجاتے۔ پھر دن چڑھے دروازہ کھلتا۔ اور جس کو تخلیہ میں کچھ عرض کرنا ہوتا۔ جاتا اور مرادات دینی و دنیاوی سے بہرہ پاتا۔ پھر باہر تشریف لاتے۔ اور طالبانِ علم شریعت اور طریقت کو درس دیتے۔ گیارہ بجے تک ظاہری باطنی علوم کا یہ سرچشمہ بہتا رہتا۔ اندر جاتے طعام تناول فرماتے وہاں قیلولہ کرتے۔ اول وقت اذان ظہر پر اُٹھتے۔ تجدید وضو فرما کر مسجد میں داخل ہوتے۔ نماز باجماعت کے بعد حجرہ میں تشریف لاتے۔ تلاوت فرماتے۔ عصر تک کھلی کچہری ہوتی۔ لوگ ہر قسم کے عرض معروض کرتے۔ اور دامن مراد کو ہر مقصود سے بھرتے۔ آئے ہوئے خطوط سنتے۔ اور جواب لکھتے۔ اور جتنا وقت بچ رہتا۔ ہر قسم کے علمی تذکروں اور سلف صالحین کی حکایات سے بھری مجلس کو محظوظ فرماتے۔ عصر کی نماز باجماعت کے بعد اگرچہ عام اجازت ہوتی۔ لیکن یہ وقت خاص خاص اوراد میں مشغول ہوتا۔ با اخلاص جاں نثاروں کا گروہ حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتا۔ اور آفتاب ولایت سے شعاعیں جذب کرتا۔ پاس ادب سے لوگ نہایت مؤدب اور خاموش رہتے۔ عین اس طرح جیسے بیجان ہیں۔ آپ جس سے مخاطب ہوتے۔ صرف وہی گفتگو کرتا۔ شام کے بعد تخلیہ ہوتا۔ اوابین کے بعد بیس رکعت نوافل اوا فرماتے۔ جس میں رات کا

---

[1] مناقب سلیمانی صفحہ ۲۶

تھوڑا سا حصہ گزر جاتا۔ پھر اندر جاتے۔ وہاں بھی بوڑھی بوڑھی مستورات کا مجمع ہوتا۔ اُن کے درد دِل سُنتے۔ کھانا کھا کر واپس آتے چٹائی پر قدر دراز ہوتے۔ تقریباً ڈیڑھ پہر گزرے عشا کی نماز ہوتی لوگ چلے جاتے۔ اور آپ معبود حقیقی کے سامنے جھکے رہتے۔ عشا اور وتر کے درمیان سو نفل ادا کرتے۔ آدھی رات سے کچھ پہلے سو جاتے۔ دو تہائی رات رہے پھر بیدار ہوتے۔ تہجد پڑھتے۔ یہی وقت آپ کی محویت اور استغراق کا ہوتا۔ اور گڑگڑاتے۔ یہاں تک کہ آواز باہر سُنائی دیتی۔ بعض دفعہ دردناک غزلیں پڑھتے اور سُنتے۔

صبح صادق کے ظہور تک خدا کا یہ مشتاق عابد اپنے مالک کے ساتھ مستغرق شہود رہتا۔ آخر صبح کی روشنی آ کر اس طلسم کو توڑتی۔ جائے نماز سے اُٹھ کر چارپائی پر قدر دراز فرماتے۔ صبح کی نماز پر آنکھ جھپکتی۔ تو عام انسانوں کے ساتھ مسجد میں آ کر نماز باجماعت پڑھتے[1]۔

عشقِ الٰہی استغراق و محویت

آپ کا دل طورِ معنی تھا جس میں عشقِ الٰہی کی کرنیں ہر دم جلوہ آرا تھیں۔ آپ پر اکثر وجد اور محویت کی حالت طاری رہتی تھی۔ شروع میں تو یہ جذبہ ایسا تیز تھا۔ کہ بعض اوقات ظاہری حواس معطل ہو جاتے۔ ایک بار آپ کے صاحبزادے میاں گل محمدؒ جی نے کچھ عرض کرنا تھا۔ خدمت میں گئے۔ تو فرمایا۔ کون؟ عرض کیا۔ گل محمدؒ۔ ارشاد ہوا گل محمدؒ کون؟ عرض کیا۔ حضور کا بیٹا۔ سمجھے کہ استغراق ہے۔ واپس ہو گئے[2]۔

بے اختیار جذبۂ شوق میں بعض اوقات آنکھوں سے خون جاری ہو جاتا تھا۔ "نیران خون" کا واقعہ کئی دفعہ ہم اس عنوان سے لکھ آئے ہیں۔

یہ حالت عام سلوک میں ہی حصولِ نعمت کے بعد آپ کو تلقین و ارشاد کے فرض سے فرصت کم تھی۔ علمائے ظاہر کے پاس ادب سے مجلس سماع ترک کر دی۔

[1] مناقب سلیمانی صفحہ ۱۸۔ تمام تذکرہ کی ورق گردانی سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوا۔ کہ آپ نے کبھی نماز آخر وقت میں ادا کی ہو یا اتفاقیہ دیر ہو گئی ہو۔ ہر نماز میں اسی امر کا خاص اہتمام تھا۔ کہ نماز شروع وقت میں پڑھ لیں۔ زیادہ سے زیادہ عشا میں دیر کرتے۔ جو ڈیڑھ پہرات یعنی غروب سے ۴ گھنٹے کے بعد ادا ہو جاتی۔
[2] مناقب سلیمانی صفحہ ۲۹۔

تاہم جب کبھی طبیعت بھر آتی۔ تو اپنے قوال احمد نام کو بلا کر تخلیہ میں غزلیں سنتے۔ ایک دفعہ احمد کو ایک ہندی غزل گانے کا حکم دیا۔ جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

پریم پیالہ اساں ہنس رس پیتا
جو کچھ کیتا ساڈوں تیرے نیناں کیتا

آپ پر ایسی رقت طاری ہوئی۔ کہ بار بار آستین کو اونچا کرتے تھے۔ تھوڑے وقفے کے بعد آنکھوں سے خون جاری ہو گیا۔ حجرہ کا دروازہ بند تھا۔ آواز نکل رہی تھی۔ لکھتے ہیں کہ اس رات آپ پر سوزش عشق کا یہ اثر تھا۔ کہ باہر کے تمام لوگ تڑپ رہے تھے۔ عین مستی میں فرمانے لگے۔ "احمد جو کچھ مانگتا ہے مانگ لے"۔ اگر وہ اس وقت خدا بھی مانگتا۔ تو چشم معنی کھل جاتی۔ لیکن اس پست فطرت نے گھوڑی کے سوا کچھ نہ مانگا۔ جو اُسے دی گئی[1]۔

جب آپ پر مستی اور عشق کی آگ غالب آتی تو باوجود سخت سردی کے کمرہ بھٹی کی طرح تپ جاتا تھا۔ ایک دفعہ عجیب واقعہ ہوا۔ کہ آپ حجرہ میں غذا کے ساتھ مشغول تھے۔ وفور شوق میں دلی جذبے تڑپ رہے تھے۔ اور آنکھوں سے شرارے نکلتے تھے۔ اتنے میں میاں قمر دین قصوریا آیا۔ اور دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ فرمایا۔ تمہارا آنا کیسے ہوا؟ اب تو یہاں فرشتوں کے پر جلتے ہیں۔ وہ باہر نکلا۔ تو اُس کے بدن میں سوزش ہو گئی۔ اور وہ اسی عارضہ سے مر گیا[2]۔

ایک اور موقع پر تخلیہ تھا۔ ایک اجنبی شخص آپ کی خدمت میں قوالی کر رہا تھا۔ سیّد ابن یمین کی ایک غزل تھی۔ جس کا مطلع تھا ؎

جاں بہ جاناں دادم و جانانِ خود را یافتم

اسی اثنا میں احمد قوال آیا۔ وُہ کہتا ہے۔ ایسی لذت تھی۔ کہ میں نے کبھی دیکھی تھی۔ خیال آیا۔ کہ واپس جاؤں۔ مبادا میرا حال بھی قمر الدین قصوریا کا سا ہو۔ لیکن آپ نے اندر بلا لیا۔ فرمایا۔ کیوں آئے۔ میں نے کہا۔ شیر محمد خاں نے عرضی بھیجی ہے۔

[1] مناقب سلیمانی صفحہ ۳۰۷ ۔ [2] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۰۶ ۔

فرمایا۔ کون شیر محمدؒ؟ عرض کیا۔ سدوزئی۔ اضطراب میں آپ کے مُنہ سے نکلا اُسے مار ڈال۔ یَیں چپُ رہا۔ لیکن معاملہ حد سے بڑھ گیا۔ کئی دنوں کے بعد اطلاع آئی۔ کہ وہ بیچارا مارا گیا۔ اُس کی ریاست چھین لی گئی[1]۔

مستی اور وجدان کی حالت میں کبھی رحمت کے دروازے کھُل جاتے تھے۔ فضلو نامی قاصد کا قصہ اس ضمن میں مشہور ہے۔ جو آپ کے کشف و کرامات کے عنوان میں لکھا جائے گا۔

عام عادت تھی کہ عشق کے نام سے آپ تڑپ جاتے تھے۔ جو شخص عشق کا نام لے کر دربار سلیمانی میں کسی مطلب کے لئے دریوزہ گری کرتا۔ فوراً دامن مراد کو ہر مقصود سے بھرتا۔ سب کے سب آپ کے اِس فطری جذبے سے آگاہ تھے اِس لئے عموماً عشق کی تقریب سے آغازِ کلام کرتے۔

حالانکہ آپ عشق کے دریا خالی کر چکے تھے۔ تاہم آپ کی طبیعت ہمیشہ پیاسی رہتی تھی۔ ایک دفعہ ایک شخص خدمت میں آیا۔ سر منڈھا ہُوا۔ بڑا سا عمامہ۔ کمر باندھے۔ مستقل مزاج آپ کی خدمت میں آکر دوزانو بیٹھ گیا۔ کہنے لگا۔ حضرت آپ توجہ فرمائیں کہ خدا تعالیٰ مجھے عشق کی نعمت سے مالا مال کرے۔ آپ کی طبیعت کھل گئی۔ اور فرمانے لگے۔ تم تو عشق مانگتے ہو ہمیں تو اگر عشق کی گدھی بھی لات ماردے۔ تو کیا اچھا ہو۔ بار بار کہتے تھے۔ اور خوش ہو کر اُس کی پیٹھ ٹھونکتے تھے[2]۔

مرض الموت میں آپ پر عشق الٰہی کا اِتنا غلبہ تھا۔ کہ باوجود کڑاکے کی سردی کے حجرہ میں پسینہ آتا تھا۔ اور کمال بے تابی سے فرماتے تھے:۔

"مُنہ توں بلڑا دُور کر گلاں کرائیں رج"[3]

مفرط جذبے کے وقت عاشقانہ غزلیں بستانہ کلام آپ کے مُنہ سے نکل جاتا تھا۔ جسے مذاقِ شاعرانہ کے ضمن میں ذکر کیا گیا ہے۔

آپ کے ذوق و شوق کے اثرِ صحبت سے تمام ارباب صفا رنگے ہوئے تھے۔

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۰۶۔ [2] منتخب صفحہ ۱۰۰۔ [3] منتخب ذکر وفات صفحہ ۱۶۹۔

جن کے تذکرے علیحدہ باب میں زعفران زار کشمیر کی کیاریاں ثابت ہونگی ؛

استقامتِ شریعت

از رسوم شرع و حکمت باہزاراں اختلاف
نکتۂ ہرگز نہ شد فوت از دلِ دانائے تو

آپ کو سب سے بڑا خیال اس امر کا تھا۔ کہ آپ کا قدم جادۂ شریعت سے کبھی ہٹنے نہ پائے۔ ذکر، فکر، حالتِ ہوشیاری اور بے خودی میں استقامت کا خیال پیش نظر رہتا۔ سفر، حضر، صحت، علالت ہر حال میں احکامِ شریعت کی پابندی آپ کا نصب العین تھی ؛

آپ فرماتے تھے۔ کہ ہمارا اصلی کام نبیؐ کی پیروی ہے۔ اگر ایک شخص ہوا میں اُڑتا ہوا نیچے اُتر آئے۔ لیکن اُس کا کوئی ایک فعل بھی جادۂ شریعت سے باہر ہو۔ تو وہ گوز خر ہے۔ جس پر کچھ بھی اعتبار نہیں[1] ؛

آپ کا قول تھا۔ کہ "الاستقامت فوق الکرامت" یعنی استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے۔ جب کشف کا ذکر ہوتا۔ تو آپ فرماتے "بر سرِ کشف کفش مے باید زد" آپ کشف کو حیض لولایت یا حیض الرجال کے نام سے موسوم کرتے تھے[2] ؛

حالتِ اضطرار میں آپ سے بھی کرامات کا اظہار ہوا۔ لیکن جیسا کہ کرامات کے بیان میں مفصل لکھا گیا ہے۔ اس کی تہ میں اتباعِ شریعت و سنت مخفی ہوتی تھی ؛

معرفت کے ذخّار سمندر آپ پی گئے۔ آپ کا سینہ معرفت کے ہزار ہا رازِ سربستہ کا گنجینہ تھا لیکن کبھی بھی خلافِ شریعت ایک لفظ آپ کی زبان سے نہ نکلا۔ شروع میں تو اکثر اوقات محویت کا عالم طاری رہتا۔ لیکن جب کبھی حالتِ صحو (ہوشیاری) میں آتے۔ تو سب سے پہلے یہی پوچھتے۔ کہ کوئی کلمہ خلافِ شریعت تو میرے مُنہ سے نہیں نکلا۔ علماء تسلی دیتے۔ تو الحمد للہ کہتے ؛

---

[1] منتخب صفحہ ۱۷۱ ؛ [2] مناقب سلیمانی صفحہ ۱۲۸ ؛

حالتِ سلوک میں جب آپ پر وجد کا عالم طاری ہُوا۔ کئی گھنٹے بیخود پڑے رہے۔ لوگوں کو آپ کی موت کا یقین ہو گیا۔ ایسے وقت میں جب ہوش آیا۔ تو فرمایا۔ میری کوئی نماز تو قضا نہیں ہوئی۔ میرے جسم کا کوئی حصّہ ننگا تو نہیں ہُوا[1]۔

آخر عمر میں اِس امر کی زیادہ فکر تھی۔ ایک دفعہ آپ نے خواب میں دیکھا۔ کہ میرے دونو پاؤں قرآن مجید پر ہیں۔ گھبرا کر چونک اُٹھے۔ اور بہت پریشان ہوئے۔ علماء کے گروہ میں مولوی محمد عابد صاحب سوکڑی (جو بہت مرتاض محمر اور فاضل شخص تھے) نے تعبیر دی۔ کہ خدا نے آپ کو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ظاہری اور باطنی متابعت عطا فرمائی ہے۔ کہ آپ کے دونو قدم قرآن مجید کے احکام پر ثابت ہیں۔ آپ نے اِس تعبیر کو پسند فرمایا۔ اور خیرات کی[2]۔

ایک جوگی نے آپ کی خدمت میں آکر پُوچھا۔ کہ فقر اور شریعت میں سے کس کا رتبہ بڑا ہے۔ فرمایا۔ "شریعت کا۔ تم نے نہیں سُنا کہ اہلِ شریعت نے فقر کو سُولی پر لٹکایا۔ مگر کسی فقیر سے یہ نہ ہو سکا۔ کہ کسی عالم کو سولی پر چڑھاتا۔" شیخ سعدیؒ کا قول ہے ؎

محال است سعدی کہ راہِ صفا
تواں بردرہ جز پئے مصطفا[1]

باوجودیکہ آپ عام طور پر سرود سن لیا کرتے تھے۔ لیکن پاسِ شریعت کا خیال کر کے مجلسِ سماع ترک کر دی تھی۔ اور فرماتے تھے۔ مَیں مجلسِ سماع اِس لئے منعقد نہیں کرتا۔ کہ لوگ میرے بعد دلیل پکڑینگے۔ کہ ہمارے پیر ایسا کرتے تھے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ حد سے گزر جائیں۔ اور افراط تفریط میں پڑ جائیں۔ کہ فعل الشیخ حجّت القوم[3]۔

آپ کا خیال تھا۔ کہ استقامتِ شریعت میں عین عشقِ الٰہی ہے۔ اگر ایک شخص عامل شریعت ہو۔ تو عشقِ الٰہی اس پر عاید ہوتا ہے۔ اور شریعت یہ ہے کہ جو کچھ حکم ہُوا۔ اس پر عمل کرے۔ متابعت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ہر فعل۔ قول۔ ظاہر اور باطن میں ملحوظ رکھے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں خدا کے محبوب وہی ہیں۔ جیسا کہ

[1] مناقب صفحہ ۱۶۹۔ [2] مناقب صفحہ ۲۵۴۔ [3] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۰۶۔

قرآن پاک میں ہے ۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔

اولیاء اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے اس کے عین مظہر بن جاتے ہیں[1]۔ یہ باتیں صرف اقوال پر محدود نہیں ۔ بلکہ آپ کی زندگی کے ایک ایک سانس میں اتباع شریعت کی گرمی تھی ۔ مدت العمر میں ایک فعل بھی خلاف شرع سرزد نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے ۔ کہ نقرائی نسبت علماء وقت آپ کے زیادہ گرویدہ تھے ۔ اس کا موجب محض اتباع شریعت تھا ۔

آپ کے تقسیم اوقات پر نگاہ کریں۔ کس خوبی سے عبادات، معاملات، اور درس تدریس کو الگ الگ وقت دیا گیا ہے ۔ مداومت کا یہ حال کہ آپ نے ۸۴ سال کی عمر پائی۔ لیکن اس میں ایک دن بھی فرق نہ آنے پایا۔ یہاں تک کہ آخری رات بھی فرائض و نوافل ادا کر کے رفیقِ اعلیٰ سے ملے ۔

آپ کے اس عملی نمونہ کا اثر یہ تھا۔ کہ تمام کے تمام لوگ جو آپ کی خدمت میں رہے ۔ اتباع شریعت کے عملی رنگ میں رنگے ہوئے تھے ۔

کرامات و خرق عادات

کرامت اور اس کے اظہار سے آپ کو دلی نفرت تھی۔ آپ کا قول تھا کہ استقامت کرامت سے بالاتر ہے ۔ کشف بر سر کشف پر آپ کا عمل تھا۔ آپ اُسے حیض الولایت کے نام سے موسوم کرتے تھے[2]۔ آپ کا مقصد عملی زندگی کا نمونہ دکھلانا، تزکیہ نفوس اور احیائے سنت کے بغیر کچھ نہ تھا۔ آپ نے کبھی بھی قصداً اظہار کرامت نہ فرمایا۔ آپ کے چشمۂ معرفت سے ہزاروں تشنگان معرفت سیراب ہوئے ۔ مگر سب کو حکم تھا کہ ناموسِ اکبر کا کوئی رازِ سربستہ ظاہر نہ ہونے پائے ۔

آپ کی صحبت میں خلیفہ محمد باران صاحب ایک مکمل ہستی کے بزرگ تھے ۔ بچپن سے

[1] منتخب صفحہ ۵۹ ۔ [2] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۸۰ ۔

آپ کے ہم درس۔ اولین مُرید۔ خلیفہ اور ہمراز تھے۔ مگر بارہا صرف اس لئے معتوب کئے گئے کہ انہوں نے بعض موقعوں پر کرامت کا اظہار کیا۔ خلیفہ صاحب میں نرمی اور رقت بدرجہ اتم تھی۔ کسی حاجتمند کی عاجزی اور ناتوانی دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔ ایسی صورت میں اُن سے کسی نہ کسی صورت میں خرق عادت کا ظہور ہو جاتا۔ اور جب آپ سُنتے تو آپ کو سخت ناگوار گزرتا۔ ایک موقعہ پر آپ بہار شریف لے گئے اور حسب عادت خلیفہ صاحب کو اپنی جگہ پر چھوڑ گئے۔ خبر آئی کہ مغل آرہے ہیں۔ سب لوگ بھاگ گئے۔ مگر خلیفہ صاحب نے تونسہ والوں کو تسلی دی۔ کہ مجھے ایک مجذوب کے ذریعے معلوم ہوا۔ کہ مغل قصبہ وہوا تک آکر واپس ہو نگے۔ اِس لئے تونسہ کے لوگ رہ گئے۔ جب آپ واپس آئے اور حال معلوم ہوا تو بہت برہم ہوئے۔ آپکا قول تھا کہ کرامت اگرچہ حق ہے۔ جو نُورِ باطن اور صفائی دل سے بے اختیار ظاہر ہو پڑتی ہے۔ لیکن اس کا کتمان (چھپانا) ضروری ہے۔ آپ کی تلقین تھی کہ جو شخص قصداً کرامت کا اظہار کرتا ہے۔ وہ مدعی ہے۔ سچے مسلمان کا ہر قول بجائے خود کرامت ہے ✦

کرامت کیا ہے؟ کرامت نتیجہ ہے نورِ باطن کا۔ جو سچے مسلمان کو اتباعِ شریعت اور عشق الٰہی سے پیدا ہوتا ہے۔ جب انسان دینِ فطرت کی صحیح پابندی کرتا اور اپنے جی کو رذائل سے بچاتا۔ اس میں مکارم اخلاق بھرتا۔ اور اُسے عبادات اور ریاضاتِ روحانی سے آراستہ کرتا ہے۔ تو اس میں ایک قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کا نام "کرامت" ہے۔ ایسی حالت میں وہ روحانیت کے ایک ایسے درجے پر پہنچ جاتا ہے۔ کہ بعض اوقات اُس کی رُوح جسدِ خاکی سے اتنی بیزار اور ذاتِ احدیت میں ایسی منہمک ہو جاتی ہے۔ کہ اُس کے کان خدا کے کانوں سے سنتے۔ اُس کی آنکھیں خدا کی آنکھوں سے دیکھتیں۔ اور اُس کی زبان خدا کی زبان سے بولتی۔ اور اُس کا ہاتھ خدا کے ہاتھ سے کام کرتا ہے۔ ایسی حالت میں اُن سے ایسے فعل وقوع میں آتے ہیں۔ جو عام معمولی انسانوں کی طاقت سے متجاوز ہوتے ہیں۔ لیکن خدا کے ہاں روحانیت کے بہت بڑے قانون کے ماتحت اس کے حیطۂ اختیار کے اندر ہوتے ہیں۔ اُس وقت

وہ جو کچھ کرتا ہوتا ہے اُس کا مبدا خود خدا ہوتا ہے۔ تو پس نبی کے ذریعے سے ایسے فعل کو معجزہ اور کامل انسان کے ذریعے ایسے فعل کا نام کرامت ہے جس کو تصوف کی اصطلاح میں خرق عادت کے نام سے موسوم کرتے ہیں[1]۔

۱۔ حدیث میں آیا ہے:- لَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أَكُوْنَ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ وَلِسَانَهُ الَّذِيْ يَنْطِقُ وَيَدَهُ الَّذِيْ يَبْطِشُ[2] ترجمہ- میرا بندہ ہمیشہ میری طرف نوافل سے مقرب ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اُس کا کان بن جاتا ہوں پس وہ مجھ سے سُنتا ہے۔ اور میں اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں کہ وہ مجھ سے دیکھتا ہے۔ اور زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ اور ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔

۲۔ اَلْحَقُّ يَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ[3] عمر کی زبان پر خدا بولتا ہے۔

۳۔ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ[4]۔ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وُہ نورِ خدا سے دیکھتا ہے۔

انبیائے کرام اس کے اظہار پر مامور رہتے ہیں لیکن مردِ مسلم اس کے کتمان پر مجبور۔ ہاں جذبہ اور محویت کے وقت (جسے سُکر کہا جاتا ہے) کامل مسلم سے ایسے فعل بے اختیار سرزد ہو جاتے ہیں۔ اور جب محویت کا جوش مدہم ہوتا ہے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] ایک دفعہ مولوی دیدار بخش پاک پٹنی نے عرض کیا۔ کہ وہابیوں کا عقیدہ ہے۔ کہ نبی یا ولی کو کچھ قدرت نہیں کہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکیں۔ حضور اس عقیدہ کی تردید میں احادیث یا آیت فرمائیں۔ سُن کر فرمایا۔ سچ ہے۔ نبی یا ولی کو قدرت نہیں کہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکیں۔ اسے تردد پیدا ہوا۔ تو فرمایا اس کا مطلب تم نہیں سمجھے اس کا مدعا یہ ہے کہ جو کچھ ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہ بیچ درمیان نہیں ہوتے۔ چنانچہ مولانا جامیؒ نے "لوامع" میں فرمایا: "رفت او ز میان ہمیں خدا ماند خدا" الفقر اذا تم ھو اللہ۔ یہی ہے اور یہ اشارہ ہے اس قول کی طرف کہ "اذا تم الفقر فھو اللہ"۔ یکون عیشہ کعیش اللہ۔ (جب انسان فقر کو پورا کرتا ہے پھر وہ اللہ بن جاتا ہے۔ اُس کی زندگی اللہ کی زندگی طرح بن جاتی ہے) مناقب المحبوبین صفحہ ۲۸۰۔

[2] صحیح بخاری و مشکوٰۃ باب ذکر اللہ۔ [3] ترمذی و ابوداؤد۔ مناقب صحابہ۔

[4] ترمذی و ابوداؤد۔ صحبت مومنین۔

کہ ان سے وہ فعل واقع بھی نہیں ہؤا۔ پس جس قدر جذبہ غالب، وجدان تیز یا ظرف کم ہو گیا۔ کرامت کا اظہار زیادہ ہو گا۔ اس لئے خاص خاص موقعوں پر خواص سے کرامت یا خرق عادت کا واقع ہونا ویسے ہی لازمی ہے۔ جیسے انبیاء کرام کی زندگی میں معجزات کا۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں۔ "لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ"۔ (میرے لئے اللہ کے ہاں ایک وقت ہے۔ جس میں میرے ساتھ کوئی ملک مقرب یا مرسل نہیں سما سکتا) ؛

ایک انسان کامل کی کرامات کی زیادتی پر اُس کے مدارج علیا کا موازنہ نہیں ہو سکتا۔ کرامت کا اظہار نقص بھی ہے۔ اور کمال بھی۔ قصداً اُس کا اظہار نقص اور کمی ظرف کا ثبوت ہے۔ حالتِ مستی یا وجدان میں بے اختیار اُس کا اظہار کمالِ استغراق کی دلیل ہے[1] ؛

ایک مردِ عارف دن بھر میں بشریت اور حقیقت کے جتنے ارتقائی منازل طے کرتا ہے۔ اتنی بار خرق عادت کا ظہور ممکن ہے۔ اور یہ امر اس شخص کی افتاد پر ہے ؛

پس ایک عارف باللہ کے کمال کو کرامت کی عینک سے دیکھنا ایسا ہے جیسا کہ ایک آدمی چراغ لے کر آفتاب کی تلاش کرے ؛

آپ سے کرامت کا اظہار کیوں ہؤا؟

آپ کا دل نور باطن کا مخزن تھا۔ جس میں کرامت کی کرنیں نورانی جسم میں نور کی مانند لاینفک تھیں۔ حالتِ سُکر اور حالتِ صحو میں آپ ینظر بنوراللہ کا مظہر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا ہر قول اور فعل کرامت کا وہ سحاب تھا۔ جس سے قصد یا ارادہ کے بغیر خود بخود خوارق عادات کی موسلا دھار رہتی تھی۔ لیکن جو لوگ آپ کے گرد جمع تھے۔ وُہ خود بڑے پایہ کے عالم اور صوفی منش بزرگ تھے۔ اُن کا نصب العین آپ سے نور باطن سے ان شعاعوں کا جذب کرنا تھا۔ جن میں اُن کو دائمی سرور اور رُوحانی

[1] آپ آخری زمانہ میں شروع عمر کے وقت اظہار کرامت پر افسوس فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار آپ نے فرمایا۔ اظہار کرامت کامل کا ایک نقص ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ سے بھی تو شروع میں کرامات ظاہر ہوئیں۔ فرمایا مجھ میں بھی نقص تھا۔ مناقب المحبوبین صفحہ ۲۸۰ ؛

لذّت حاصل تھی۔ ان میں سے اکثر خود صاحبِ کرامات تھے۔ اس لئے نہ تو اُن کو کرامات کی تلاش تھی۔ اور نہ ہی آپ کی کرامات کا احصا ان کے لئے ممکن تھا۔

وہ آپ کے ہر قول اور فعل میں روزمرہ کرامات کا ظہور پاتے تھے۔ اس لئے کرامت کا دیکھنا اُن کی نگاہ میں معمولی نظارہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صاحبِ منتخب آپ کے اتنے بڑے تذکرہ میں کرامات کے بیان کو محض تبرکاً چند صفحوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی تمام سیرت میں آپ کے کرامات کے واقعات مبالغہ یا غلو کی چاٹ سے بالکل پاک ہیں۔ برخلاف دیگر اہل اللہ کے تذکروں کے جن کو کرامات کے ذریعے چمکایا گیا ہے۔

آپ کی کرامات میں خصوصی رنگ

حالت محویت میں آپ سے بہت کم خوارقِ عادات کا اظہار ہوا۔ آپ کے تذکروں میں جس قدر کرامات مروی ہیں اُن کی تہ میں رحمتِ عامہ شفقت علی الخلق محبت عشق۔ خودداری کے لطیف جذبے کام کر رہے ہیں۔ اور صرف انہی جذبوں کے اضطرار میں آپ سے خوارقِ عادات کا ظہور ہوا۔ اور کمال یہ ہے کہ ان میں بھی رشتۂ استقامت اور پردۂ شریعت کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ آپ کی زندگی میں بعض خوارقِ عادات اور پیشینگوئیاں جلال کی طرز میں ظاہر ہوئیں۔ اور اسی سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ کی تصویر ایک کامل مرد کی سیرت کے جملہ خد و خال سے مزین تھی۔

باوجود انتہائے کمال عرفان اور جذبۂ عشق کے آپ نے کبھی ایسی کرامت ظاہر نہ ہونے دی۔ جو سنّت نبویؐ یا صحابۂ کرامؓ کی پاک زندگی سے الگ تھلگ ہو۔

حالتِ سُکر اور محویت میں بھی آپ سے کبھی ایسے کلمات کا ایراد نہ ہوا۔ جس میں تعلّی یا الوہیت کی بو آتی ہو۔ بجز ان خاص معاملات کے جن میں کہ وہ مامور من اللہ تھے۔ اور ان کے اظہار میں بھی عامۃ الناس کی مغفرت اور رحمتِ عامہ کا راز مخفی ہوتا تھا۔

جب کبھی کسی خرقِ عادت کا ظہور آپ سے ہوا۔ اس پر کتمان شریعت کا پردہ

پڑا ہوا تھا۔ یہ ایک خاص بات ہے۔ جو آپ کو تمام بزرگانِ سلف سے نمایاں اور ممتاز کرتی ہے ؛

شفائے امراض

جہاں آپ کا منصب روحانی امراض کے لئے شفا کامل کا دینا تھا۔ جسمانی امراض میں بھی آپ کی توجہ باطنی مسیحا ثابت ہوئی۔ آپ کا وجود رحمۃ للعالمین[۱] کا مظہر تھا۔ بنی نوع انسان کی تکالیف کو دیکھ کر سہہ نہ سکتے تھے۔ جونہی ایک درماندہ آپ کی خدمت میں آتا۔ اور گڑگڑاتا۔ آپ کا دل پسیج جاتا۔ اور رحمتِ عالم کا یہ چشمہ فوراً ابل پڑتا ؛

پس خوردہ سے بابو س کو شفا

ایک دفعہ حاجی خان کاتب سخت بیمار ہوئے۔ یہاں تک کہ جینے کی اُمید نہ رہی۔ طبیب نے تدبیر چھوڑ دی۔ اور آپ کی خدمت میں واقعہ بیان کیا۔ فرمایا۔ یہ علم ظنی ہے۔ اور اللہ قادر ہے۔ اپنا پس خوردہ عطا فرمایا۔ جو بمشکل حلق میں اُتارا گیا۔ خدا کی قدرت مریض کو فوراً آرام ہو گیا[۱] ؛

قادر بخش ایک بلوچ مرض دق میں مبتلا ہوا۔ حکما نے اُسے لاعلاج قرار دیا۔ وہ جا کر آپ کی خدمت میں رویا۔ آپ کا جی بھر آیا۔ اور اپنا پس خوردہ عطا فرمایا۔ اُسے شفاء کلی عطا ہوئی[۲] ؛

تپ دق کے مریض کو شفا

گل محمد ایک طالب علم حالتِ شباب میں مرضِ دق کا شکار ہو گیا۔ آپ نے اُسے خربوزہ کی قاش دی۔ فوراً آرام ہو گیا[۳] ؛

یہ ساری مثالیں اتباعِ سنت کی ہیں۔ حدیث میں ہے :۔ "سُؤرُ المؤمنین شفاءٌ"۔ سچے مومنین کا پس خوردہ شفا ہے ؛ آپ نے اسے عملی طور پر سچا کر دکھایا ؛

۱؎ ۲؎ ۳؎ منتخب صفحہ ۱۷۵ ؛

ایک مُہلک مرض سے شفا

مولوی محمد امین صاحب ایک مہلک مرض میں گرفتار ہُوئے زندگی کی اُمید نہ رہی۔ آپ نے اسے حکم دیا! ایک گائے قبلہ عالم کی نیاز خیرات کرو۔ گائے بھی اپنے ہاں سے دی تعمیل کی گئی۔ فوراً شفا ہوگئی[1]

ہاتھ سے سنبل کے مریض کو شفا بخشنا

ایک سفر میں خلیفہ محمد یاران صاحب پیدل تھے اُن کے پاؤں پر پھوڑا ظاہر ہؤا۔ اور اتنا سوج گیا کہ پاؤں چلنے سے رہ گئے۔ لوگوں نے آپ کو اطلاع دی۔ فرمایا۔ میرے پاس لے آؤ۔ آپ نے پٹی پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ پھوڑا کہاں ہے۔ تم غلط کہتے ہو۔ جب کھولا۔ تو کچھ نہ تھا۔ اور ظرافت کے طور پر کہنے لگے۔ ہاں سواری کے لئے بہانہ کیا[2]

میاں عبد المجید خاں پٹھان آپ کا پیارا مُرید تھا۔ زیارت کے لئے آیا۔ اور اُسے سخت بخار چڑھ گیا۔ اور طول پکڑا۔ آپ نے طبیب کو بھیجا۔ کہ جا کر دوائی دے۔ ہر چند حکیم نے منّت کی۔ مگر اُس نے دوائی لینے سے قطعی انکار کر دیا۔ آپ غصّے ہوئے! اور فرمایا۔ میرے پاس لے آؤ۔ آپ نے بھی دوائی پینے کی تاکید کی۔ مگر وہ اپنی ضد سے باز نہ آیا۔ کہا آپ کے سب حکم منظور ہیں۔ مگر یہ نہیں مان سکتا۔ آپ مُسکرائے نبض پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ اِس کو تو بخار ہی نہیں۔ اُسی وقت تکلیف ہٹ گئی۔ اور طاقت عود کر آئی[3]

اندھے کی آنکھیں روشن کرنا

صاحب مناقب لکھتے ہیں۔ میرے روبرو ایک اندھا آپ کی خدمت میں حاضر ہؤا۔ اور تکلیف بیان کی۔ آپ نے فرمایا کثرت سے درود شریف پڑھا کرو۔ اور آنکھوں پر دم کر دیا کرو۔ اُس نے کہا میں نے درود پڑھا۔ مگر کچھ نہ ہؤا۔ آپ نے فرمایا کہ درود ایسا کلام نہیں کہ تو پڑھے اور آنکھیں روشن نہ ہوں۔ اُس نے جا کر پھر پڑھنا شروع کیا ایک ماہ کے اندر آرام ہو گیا[4]

---

[1] منتخب صفحہ ۱۷۶
[2] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۴۵
[3] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۵۱
[4] منتخب صفحہ ۱۲۴

خواب میں ایک مایوس کو شفا

حکیم محمد بخش پاک پٹنی نے مؤلف کتاب کے سامنے بیان کیا کہ ایک بار میری بیٹی بیمار ہوئی۔ یہاں تک کہ جینے کی اُمید نہ رہی۔ میں نے آپ کی خدمت میں عریضہ بھیجا۔ کچھ دنوں کے بعد خواب میں دیکھا۔ کہ آپ تشریف لائے۔ اور بیمار کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دُعا دی۔ جب لڑکی بیدار ہوئی تو اُس پر بیماری کے آثار نہ تھے[1]۔

ایک مایوس کو شفا

غلام محمد جے پوری کا بدن کمر سے نیچے خشک ہو گیا تھا اُس کو کجاوہ میں ڈال کر لے آئے۔ آپ نے پانی دم کر دیا۔ اور حکم دیا کہ بدن پر ملو۔ اور باقی پی جاؤ۔ ایسا کیا گیا۔ آرام ہو گیا[2]۔

ساٹھ سالہ بوڑھے کی داڑھی اُگانا

غلام محمد آوان ایک شخص تھا جس کی عمر ساٹھ برس کی ہو چکی تھی۔ مگر اُسے داڑھی نہیں اُگی تھی۔ وہ اس نیت پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہ مجھے داڑھی اُگ آئے۔ تو مرید ہونگا۔ غلام محمد درباری کو ساتھ لایا۔ تاکہ اُس کی معرفت معروض پیش کرے۔ خادم نے اُسے پیش کر کے عرض کیا۔ کہ قبلہ! یہ ساٹھ سالہ بچہ داڑھی چاہتا ہے۔ مسکرائے اور اُس کے چہرہ پر آہستہ سے تھپڑ لگایا۔ فرمایا اِس کو خوب داڑھی اُگے گی۔ خدا کی شان اُسے ایسی خوبصورت گھنی داڑھی اُگی جسے دیکھ کر طبیعت سیر نہ ہوتی تھی[3]۔

عارضہ جن سے شفا

ایک شخص مرض جن میں مبتلا تھا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا۔ اِس کو فلاں ٹیلہ پر لے جاؤ۔ جہاں "آک" کا درخت ہے۔ درخت کے پاس جا کر میری طرف سے کہو۔ کہ تم نے اِس غریب کو کیوں تنگ کیا ہوا ہے۔ اِسے چھوڑ دو۔ تعمیل کی گئی۔ فوراً آرام ہو گیا۔ وہ شخص کہتا تھا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے کندھے پر سے کئی من بوجھ اُتر گیا ہو[4]۔

ایک شخص کی عورت مرض جن میں مبتلا تھی۔ وہ اُسے آپ کی خدمت میں

[1] منتخب صفحہ ۲۴۷ ۔ [2] منتخب صفحہ ۲۷۹ ۔ [3] منتخب صفحہ ۲۵۰ ۔ [4] منتخب صفحہ ۱۷۹ ۔

لے آیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے جن تُو نے اس عورت کو کیوں تنگ کیا ہوا ہے۔ اُس نے کہا کہ مجھے آپ سے تعویذ مطلوب تھا۔ اور آپ کے موکل مجھے آنے نہیں دیتے تھے۔ اِس عورت کے ذریعے آپ کی خدمت میں پہنچا ہُوں۔ آپ نے تعویذ لکھ کر پتھر پر رکھ دیا۔ تعویذ گم ہو گیا۔ اور عورت نے پھر کبھی شکایت نہ کی[1]۔

میاں محمد امین کی بیوی دردِزہ میں گرفتار تھی۔ جب بچہ پیدا ہُوا تو اوپر سے آواز آئی۔ کہ یا اپنے دو سابقہ بچوں میں سے ایک دے دو۔ یا اس تازہ مولود سے ہاتھ دھو لو۔ ڈر کر آپ کی خدمت میں آیا۔ اور واقعہ بیان کیا۔ فرمایا "یہ جنات کی شرارت ہے۔ جاؤ اور اُن سے کہو۔ سلیمان کہتا ہے کہ اگر تم تونسہ میں رہنے کا ارادہ رکھتے ہو۔ تو آرام سے رہو۔ اور کسی کو رنج نہ پہنچاؤ۔ ورنہ تمہارے ساتھ ایسا سلوک کرونگا۔ جو کرنا چاہیئے۔ مولوی مذکور نے باضابطہ پیامِ سلیمانی ادا کیا۔ تب اُن کی بیوی کو کوئی تکلیف نہ ہوئی[2]۔

دو شخص مرضِ جن میں گرفتار ہو کر آئے۔ آپ نے شادو نام بلوچ سے فرمایا کہ "ان کو سید طاہر شاہ بخاری کی خانقاہ پر لے جا کر کہو۔ سلیمان کہتا ہے کہ دو نو شخص میرے آشنا ہیں۔ اِن کو خلاص کر دو۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ فوراً آرام ہو گیا[3]۔

نزولِ باراں

یہ علاقہ بارانی ہے۔ کوئی نالہ نہیں۔ لوگوں کی روزی کا مدار محض بارانِ رحمت ہے۔ اس لئے یہاں کے لوگوں کی سب سے بڑی حاجت وقت پر نزولِ بارش کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ آپ کا وجود سحابِ رحمت تھا۔ جب چاہتے جھڑ ہو جاتا۔ آپ کا چہرہ وہ روشن چہرہ تھا۔ جس کو دیکھ کر ابرِ رحمت اُتر آتا۔ اور خشک بے گیاہ زمین کا دامن موتیوں سے بھر دیتا۔

---

[1] و [2] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۰۳ و ۲۰۴ ۔ [3] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۰۳ و ۲۰۴ ۔

جونہی مائت گڑھ میں امساکِ باراں ہوتا۔ لوگ جمع ہو کر آپ کی خدمت میں آتے اور بارش کے لئے گڑگڑاتے۔ مُلّا محمد کھوکھر ایک مسکین آپ کی خدمت میں رہتا تھا۔ آپ اُس کی طرف اشارہ کر کے فرماتے۔ میاں محمد کھوکھر جب چاہے گا بارش ہو جائیگی۔ یہ لایتہ سلیمانی کا پہ از دان بھی عرض کرتا۔ ہاں قبلہ! فلاں دن بارش ہوگی۔ فرش خاکی کے یہ روحانی فرشتے جس وقت کے لئے گفتگو کرتے اُسی وقت آسمان دھواں دھار ہو جاتا۔ اور بارش کی جھڑی لگ جاتی۔ (اسی وجہ سے میاں محمد کھوکھر کا عرف "مینہ دساوا" مشہور ہو گیا)[۱]

کبھی عورتیں آکر عرض کرتیں۔ ظرافت سے فرماتے۔ تم آپس میں جنگ کرلو۔ صنفِ نازک کا یہ ہنر شناس گروہ مٹھیوں اور لاتوں سے دست بگریبان ہو جاتا۔ اُسی دن گھٹا اُٹھتی اور ریگستان تونسہ کو جل تھل بنا دیتی[۲]

ایک دفعہ سخت امساکِ باراں ہوا۔ لوگ دعا مانگنے کے لئے جمع ہوئے۔ ایک بڑھیا زیارت کے لئے سامنے بیٹھی تھی۔ فرمایا "یہ عورت مینہ نہیں برسنے دیتی۔ اسے تھپڑ لگاؤ"۔ لوگوں نے اُسے آہستہ سے دو تھپڑ رسید کئے۔ خدا کی قدرت اُسی دن خوب بارش ہوئی[۳]

بہت دفعہ جب لوگ دعا مانگنے آتے۔ اور طبیعت میں استغنا پاتے۔ خدام عرض کرتے قبلہ! آپ کا خیمہ گرد آلود سا ہو گیا ہے۔ اجازت ہو تو اسے باہر نکال کر جھاڑ دیا جائے۔ آپ اجازت دیتے لوگ خیمہ دھوپ میں کھڑا کر دیتے۔ اتنی بارش ہوتی کہ خیمہ دُھل جاتا۔ بایں ہمہ آپ عموماً نزولِ باراں کے لئے صدقات اور خیرات کی ترغیب دیا کرتے۔ جب لوگ آتے تو فرماتے۔ گھر میں جوار کی گھنگھنیاں اُبال کر تقسیم کرو۔ لوگ ایسا کرتے تو بارش ہو جاتی[۴]

ایک بار لوگ جمع ہوئے۔ فرمایا ستر ہزار بار درود شریف پڑھو۔ لوگوں نے تعمیل کی

---

[۱] مناقب المحبوبین صفحہ   [۲] از زبانِ حق ترجمان حضرت خواجہ محمود صاحب

[۳] منتخب صفحہ ۱۵۳   [۴] منتخب صفحہ ۱۷۵

مگر بارش نہ ہوئی۔ آپ کی خدمت میں پہنچے۔ تو فرمایا پھر پڑھو۔ دوسری دفعہ پڑھا مگر بارش نہ ہوئی۔ پھر خدمت میں آئے۔ اور شکایت کی۔ فرمایا۔ تم مجھ سے کیا کہا۔ اب تم ہو۔ اب خدا تمہارا قرضدار ہو گیا ہے۔ خدا کی قدرت اُسی دن شام کو اتنی بارش ہوئی۔ کہ پہاڑی نالے دو ماہ تک جاری رہے۔ اور ملک خوب آباد ہوا[1]۔

زبان میں تاثیر

حدیث قدسی میں آیا ہے۔ بی یسمع بی یبصر بی ینطق بی یبطش[2]۔

آپ حضرت امیر عمر صاحب کے حق میں فرماتے ہیں "الحق ینطق علی لسان عمر[3]۔" مطلب یہ ہے کہ خود نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور نبوت کے سچے آئینہ داران (کامل انسانوں پر) ایک وقت آتا ہے۔ جب کہ وہ محض خدا کا مظہر بن جاتے ہیں۔ وہ خدا کی آنکھوں سے دیکھتے۔ اُس کے کانوں سے سُنتے۔ اور اُس کی زبان سے بولتے۔ اور اُس کے ہاتھوں سے پکڑتے ہیں۔ لِی مَعَ اللّٰہ وَقتٌ میں اس کی تصریح ہے[4]۔ اور "مَا رَمیتَ اِذ رمیتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہ رمیٰ" کا واضح معجزہ اُس کی دلیل ہے۔ تصوف میں "فَاِذا تمّ الفقر ھُوَ اللّٰہ یکون عیشہ کعیش اللّٰہ" کے معنی اَور کچھ نہیں۔

آپ کی زندگی میں سینکڑوں واقعات ایسے ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ آپ اس حدیث قدسی کے مصداق تھے۔ ایک دفعہ حجرہ میں آپ پر عالم محویت تھا۔ قمرالدین خاں پٹھان نادانی سے اندر داخل ہو گیا۔ فرمایا۔ کون؟ کہا۔ قمرالدین۔ فرمایا۔ اس وقت تو فرشتوں کے پَر جلتے ہیں۔ تم کیونکر آ گئے۔ فوراً اُس کے بدن سوزش پیدا ہو گئی اَور وہ مر گیا[5]۔

---

[1] منتخب صفحہ ۱۷۵۔ [2] و [3] حوالے پہلے دئے گئے ہیں [4] لِی مَعَ اللّٰہِ وَقتٌ لَا یَسَعُنِی فِیہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرسَلٌ۔ میرے لئے اللہ کے ہاں ایک وقت ہے جس میں میرے ساتھ کوئی ملک مقرب مرسل نہیں سما سکتا۔ [5] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۰۱۔

ایک دفعہ آپ عالم استغراق میں تھے! احمد نام قوال جو تخلیہ میں جا کر غزلیں سنایا کرتا تھا۔ اندر داخل ہوا۔ فرمایا کس لئے آئے ہو؟ کہا شیر محمد خاں سدوزئی ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے بیٹے! آپ کے منہ سے نکلا" اُورا بکش و ہیچ مگو" (اُسے مار ڈال اور کچھ نہ کہو) خدا کی قدرت اُسی تاریخ دشمنوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اور اُس کی ریاست برباد ہو گئی ہے[۱]

ایک دفعہ علما کی رنج دہی پر نواب جمعہ خاں والئے ڈیرہ پر ناراض ہوئے۔ آپ نے خادم سے تلوار لے کر تین دفعہ گھمائی۔ اور باآوازِ بلند "بسم اللہ اللہ اکبر" کی تکبیر پڑھی۔ فرمایا۔ اے لڑکے! تم تو کہتے تھے۔ میری تلوار کُند ہے۔ اس نے تو نورزئی پٹھانوں کی جڑ کو تحت الثرےٰ تک کاٹ دیا۔ کہ پھر کبھی یہ فرقہ سریر آرائے حکومت نہ ہوگا۔ خدا کی قدرت ایسا ہی ہوا۔ کہ افغانستان میں انقلاب ہوا۔ اور قلمدانِ وزارت نورزئی پٹھانوں کے ہاتھ سے نکل کر مبارک زئی فرقہ کے ہاتھ میں آگیا ہے[۲]

فضلو نام ایک رقاصہ تھی جس کو آپ کی ذات سے بیحد محبت تھی۔ آپ کی برکتِ دُعا سے اُس کو کسبِ حلال نصیب ہوا۔ اور اپنے پیشہ سے توبہ کی۔ اور پائندہ خاں نامی ایک پٹھان سے بیاہی گئی۔ جو اس وقت رنجیت سنگھ کی طرف سے سنگھڑ کا صوبیدار تھا۔ اس کے کسی قصور پر رنجیت سنگھ نے اُسے برطرف کر کے لاہور میں نظر بند کر دیا۔ فضلو بے حد پریشان ہوئی۔ اور روتی ہوئی آپ کی خدمت میں پہنچی۔ اور نہایت دردناک لہجہ میں حافظ کی غزل ؎

الا یا ایّہا السّاقی اَدِر کاساً وناولہا   کہ عشق آساں نمود اوّل ولے اُفتاد مشکلہا

الاپنا شروع کی۔ آپ کو وقت خوش ہوا۔ فرمایا۔ بتا فضلو کیا چاہتی ہے۔ عرض کی۔ میرا خاوند واپس آئے۔ فرمایا (اے رن اے دی تھیا) اے زن یہ تو ہو چکا۔ اور مانگ۔ عرض کی۔ اُسے پہلا بخت اور رتبہ نصیب ہو۔ فرمایا۔ اے زنکہ یہ تو ہو چکا۔ اور مانگ۔ اس نے اور کوئی دنیوی غرض پیش کی۔ جب اس طرح چند بار حضور نے فرمایا۔

---

[۱] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۰۶ ۔   [۲] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۲۴ ۔

کچھ اور مانگ۔ کہا یہ کہ فردائے قیامت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ فرمایا۔ اے زنکو یہ بھی ہؤا۔ اور مانگ۔ کہنے لگی۔ بس۔ فرمایا۔ جا چلی جا۔ مُلّا دیکھیں گے۔ تو تیرا سر مونڈھ لیں گے۔ خدا کی شان اُسی تاریخ سے پائندہ خاں رہا ہؤا۔ اُسے صوبیداری واپس ملی۔ اور تمام دنیوی مطلب اسی طرح بر آئے [۱]

ایک دفعہ منگھڑ میں قحط پڑا۔ اور لوگ بھوک سے بے تاب ہو کر وطن چھوڑنے لگے۔ یار محمد خاں ملغانی بھی تلاش معاش کے لئے چودہوال ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں کو جانے لگے۔ اور رخصت چاہی۔ آپ نے فرمایا۔ چودہویں والے خدا کو سلام کہنا۔ اُنہوں نے نہ سمجھا۔ اور چلے گئے وہاں جاکر ان کو سخت خسارہ ہؤا۔ اور لینے کے دینے پڑ گئے لاچار ہو کر واپس آئے۔ قدمبوسی کی اور معذرت چاہی [۲]

سردار محمد اسد خاں نے آپ کے ایک مرید خاص کی زمین میں نالہ کھود دیا۔ وہ آپ کی خدمت میں رویا۔ آپ کو رحم آیا۔ اور تسلی دی۔ خدا کی قدرت اُسی دن آسمان خشک ہو گیا۔ لوگ تنگ آ گئے۔ خیراتیں کیں منتیں مانیں۔ مگر مہینہ بھر ایک بوند بھی زمین پر نہ گری۔ ایک دن بادل نظر آئے۔ آپ لیٹے ہوئے تھے اور لوگ حلقہ باندھے بیٹھے تھے ایک شخص اندر آیا۔ اور کہا۔ آج بادل ہیں۔ آپ فوراً اُٹھے اور ننگے پاؤں حجرے سے باہر نکلے آسمان کی طرف انگلی پھیر کر کہا۔ بادل کہاں ہیں۔ ابر گم ہو گیا۔ لوگ بدحال ہوئے اور اسد خاں کو لے آئے وہ آیا اور قصور کی معافی مانگی۔ آپ نے فرمایا۔ اِس شرط پر معافی مل سکتی ہے۔ کہ نالہ بند کر دو۔ اس نے وعدہ کیا۔ خدا کی قدرت اسی دن گھٹا اُٹھی۔ اور خوب مینہ برسا۔ الغرض اس قسم کی بیسیوں مثالیں ہیں۔ جو کچھ زبان پر لایا۔ یا دل میں خیال آیا۔ وہی ہوا [۳]

---

[۱] از زبان وحی ترجمان حضرت خواجہ محمود صاحبؒ۔ مناقب المحبوبین صفحہ ۲۳۰ پر ہے لیکن روایت کا اختلاف ہے۔ ہم نے حضرت کی روایت کو ترجیح دی۔

[۲] از زبان وحی ترجمان حضرت خواجہ محمود صاحبؒ۔ [۳] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۷۲۔

اجابتِ دُعا

پس جس شخص کی مقبولیت کا یہ عالم ہو۔ اُس کی اجابتِ دعا میں کیسے شُبہ ہو سکتا ہے۔ خدا کی مخلوق کی حاجت روائی کے لئے آپ کا دستِ دُعا ہر وقت اُٹھا رہتا تھا اور جونہی ہاتھ اُٹھتے درگاہِ حق میں اجابت کے دروازے کُھل جاتے۔ اور سینکڑوں بے نصیب حصّہ پاتے۔ یہی مقبولیّت تھی جس کی بنا پر آپ کو پیر روشنضمیر نے وصیّت فرمائی تھی۔ کہ اپنے دروازے سے خالی ہاتھ کسی کو نہ لوٹانا۔ نغزی شاعر آپ کے اس فیض سے متاثر ہو کر پکار اُٹھا ؎

ہر گوہرِ مُراد کہ گم شُد ز جیبِ دل
زینجا طلب کنش کہ بخاکِ ہمیں دراست

آپ کی قبولیّت دُعا سے روزانہ سینکڑوں مقاصد حل ہوتے تھے۔ اِس لئے غیر ممکن ہے کہ ان سب کا احصا ہو سکے ہاں چند واقعات کا ذکر ضروری ہے ؛

جب انگریزوں نے شاہ شجاع کی امداد سے دوست محمد خاں والئے کابل پر حملہ کیا۔ تو دوست محمدؒ نے آپ کی خدمت میں عرضی لکھی۔ دُعا طلب کی۔ آپ نے اُس کی فتح کے لئے دُعا کی اور یہ شعر لکھا ؎

اگر بر فریدوں زد او بیش برد ہر آں کاستعانت ز درویش برد

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ انگریزوں نے شکست کھائی اور خان کامیاب ہوا[1] ؛

ایک دفعہ نواب صاحب بہاول پور گلے میں رومال ڈالکر حاضر ہوئے۔ اور اپنے لا ولد وزیر محمد یعقوبؒ کے لئے دُعا طلب کی۔ آپ نے دُعا کی اور قبولیّت کا وعدہ دیا۔ خدا نے اُسے تین بیٹے متواتر دِئے[2] ؛

مولوی متین الدین بہاول پوری مقروض ہو گئے۔ تنگ آ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے دُعا مانگی اور کہا۔ لاہور میں میرے سکنی مکانات بھی ہیں۔ اگر فرمائیں تو

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۱۱ ؛ [2] ایضاً صفحہ ۲۶۳ ؛

مَیں اُن کو بیچ دوں۔ آپ نے فرمایا۔ مکان مت بیچو۔ اور فلاں وقت میرے پیر کی قبر پر موجود رہو۔ مَیں تمہارے لئے دُعا مانگونگا۔ جب آپ خانقاہ میں گئے۔ تو سائل کو ساتھ لے گئے۔ سائل کا بیان ہے کہ کچھ پڑھا اور کھڑے رہے۔ پھر فرمایا جاؤ تمہارا مقصد حاصل ہو جائیگا۔ صبر کرو اور گھر میں بیٹھے رہو۔ چند روز بعد نواب صاحب بہاولپور نے اُس کو شہر کا قاضی مقرر کیا۔ اور اُس کا تمام قرضہ اُتر گیا[1]

ایک دفعہ پہاڑی نالہ سے شہر گرنے لگا۔ لوگوں نے آکر فریاد کی۔ آپ اُن کے ساتھ کنارہ پر چلے گئے۔ دُعا مانگی۔ اُسی روز پانی نے کنارہ چھوڑ دیا۔ اور دوسرے کنارے جا لگا[2]

ایک دفعہ قریب کے ایک موقع میں وبا پڑ گئی۔ لوگ حاضر ہوئے۔ اور دُعا مانگی۔ کچھ دنوں کے بعد خواب میں دیکھا۔ ایک شخص نیزہ[4] ہاتھ میں لے کر لوگوں کو قتل کر رہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ مَیں نے اُسے منع کیا۔ اور اُس نے مان لیا۔ آپ نے خواب کا ذکر مجلس میں فرمایا۔ اُسی روز سے وبا بند ہو گئی۔ اور کوئی موت واقع نہ ہوئی[3]

ایک دفعہ آپ بہار شریف کے سفر میں تھے۔ راستہ میں وسیع جنگل تھا۔ لوگ پیاس سے بیتاب ہوئے۔ آپ نے دُعا کی۔ اور فرمایا۔ فلاں جگہ جاکر دیکھو۔ خدا کی قدرت وہاں سرد پانی کا مٹکا پایا۔ اور سب نے پیاس بجھائی[5]

جلالِ سلیمانی

ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ شروع شروع میں آپ کے مزاج میں جلال بھی تھا۔ حق و انصاف کے خلاف جہاں کسی سے کوئی فعل سرزد ہوتا۔ پہلے اتمام حجت کرتے۔ اگر وُہ غرور حکومت کے نشہ میں آکر باز نہ آتا۔ تو افغانی خون رگوں میں دَوڑ جاتا۔ اور

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۷۲
[2] ایضاً ۲۷۶
[3] ۲۷۷
[4] طاعون مشتق ہے طعن سے۔ طعن نیزہ کی انی کو بھی کہتے ہیں
[5] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۷۷

جلالِ سُلیمانی کی شمشیر غرورِ باطل کا کرشمہ توڑ پھوڑ کر سامنے رکھ دیتی۔ ہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ جہاں کہیں ایسے واقعات کا ظہُور ہوُا۔ اُن کی علّتِ غائی حق کی حفاظت پاسِ شریعت مظلوموں کی حمایت کے سوا کچُھ نہ ہوتی تھی۔ جوں جوں کمال آتا گیا۔ جلال گھٹتا گیا۔ اَور جمال بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ آپ کی آخری عمر کی سیرت میں رافت اور جمال کے سوا کچُھ نہ تھا؛

گوہر بردار پر جلالِ سُلیمانی

یار محمد خاں پٹھان آپ کا ایک خاص مُرید تھا۔ اَور شمال سے تونسہ کو آرہا تھا۔ جب موضع ڈونہ کے قریب پہنچا۔ تو اُس نے سرکاری کھیت کے چند خوشے توڑ ے۔ محافظ نے دیکھ پایا۔ تو اُسے علاقہ کے دیوان کے پاس لے گیا۔ جو اُن دنوں نواب اسد خاں کی طرف سے ایک دنی الطبع شخص گوہر نام بردار تھا۔ گوہر نے اُسے گالی گلوچ دیں۔ اور دس روپے جرمانہ لگایا۔ اور کہا کہ اگر کل تک نہ لاؤ گے۔ تو ہم سَو روپے وصول کرینگے۔ کل روپیہ لانا لیکن یہ قصہ اپنے باپ کو نہ سُنانا۔ (باپ سے مُراد آپ تھے) پٹھان آیا۔ اور تمام ماجرا کہ سُنایا۔ اپنے قصُور کا اعتراف کیا۔ اَور جرمانہ کی تخفیف کے لئے سفارش چاہی۔ آپ نے لکھ بھیجا۔ جب قاصد سُلیمانی اُس بدبخت کے پاس پہنچا۔ تو وُہ آئینہ دیکھ رہا تھا۔ آئینہ پھینک کر چلّایا۔ کہ آخر اُس گدھے نے جا کر اپنے باپ کو کہ دیا۔ اَب مَیں پانچ سَو روپے سے کم نہ لونگا۔ اَور اس پر اَڑ گیا۔ قاصد ناکام واپس آیا۔ احوال کہ سُنایا۔ آپ خاموش رہے۔ اتفاقاً اسی دن نواب صاحب کا وزیر خدمات پُوچھنے کے لئے حسبِ معمول حاضر ہوُا۔ آپ نے بہت سے حاجتمندوں کے کام سپُرد کئے۔ لیکن پٹھان کا معاملہ ظاہر نہ کیا۔ یار محمد خاں بلوچ نے (جو اس معاملہ میں قاصد تھے) آہستہ سے عرض کیا۔ کہ قبلہ! پٹھان کے لئے بھی کچھ فرما دیجئے۔ آپ نے قاصد کو دھکا دیا۔ اَور فرمایا۔ یہ کام اس کے متعلق نہیں۔ مَیں نے جہاں کہنا تھا۔ کہ دیا۔ (بارگاہِ ایزدی میں) قاصد کہتے ہیں۔ کہ رات گزری۔ علی الصباح تشریف لائے۔ تو میری طرف مخاطب ہو کر ظریفانہ انداز سے فرمایا۔ رات تمہارے چچا گوہر کو کھوسہ

اقوام نے مار ڈالا - اُس کا دیوان خانہ جلا دیا - اور جس بہی میں اُس کا حساب تھا یشہتیروں میں رکھی ہوئی تھی - وہ بھی جل کر راکھ ہوگئی - دن کو خبر آئی - اور جو کچھ مخبر صادق نے فرمایا تھا - حرف بہ حرف پُورا ہوا[1]۔

جلال سلیمانی کے اور قصّے "مکارم اخلاق" کی سُرخی میں مذکور ہوئے ہیں - وہاں سے ملاحظہ کیجئے۔

ایک تنگدست کو فراخ دست بنانا

صاحب منتخب لکھتے ہیں کہ میرے ایک دوست تنگدستی میں گرفتار تھے۔ اور آمدنی سے مایوس۔ مَیں نے اُس کے لئے دُعا طلب کی آپ نے ایک کلام پڑھنے کا حکم دیا - اُس نے عمل کیا - خدا نے اُسے رزق میں فراخی دی[2]۔

طعام میں برکت

لنگر شریف میں روزانہ دو اڑھائی ہزار اشخاص کے لئے کھانا تیار ہوتا تھا - لیکن اگر تعداد دُگنی بڑھ جاتی - تو بھی کھانا پُورا ہو جاتا - میاں خدا بخش قسام کا بیان ہے - کہ آواز غیبی کے دن جبکہ تو نسہ میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی تھی - مَیں نے روزانہ دستور کے مطابق طعام پکوایا - خدا کی شان سب کو کافی ہوا[3]۔

ملخ کو حکم سُلیمانی

ایک دفعہ زور کا ٹڈی دَل آیا جس نے پیداوار کو برباد کرنا شروع کیا لوگ تنگ آکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے - اور فریاد کی - آپ نے تبسّم کر کے فرمایا " ٹڈی سے کہہ دو - تیرا کھاجا گھاس ہے - تو گھاس کھا اور ہمارا کھانا دانہ ہے - اِسے چھوڑ دے " لوگوں نے ٹڈی کو پیغام سلیمانی دیا - عرصہ تک ٹڈی رہ گئی - لیکن وہ گھاس کھاتی تھی اور دانہ چھوڑ دیتی تھی[4]۔

چیونٹیوں کو حکم سُلیمانی

ایک شخص نے آپ کی خدمت میں آکر شکایت کی - کہ میرے گھر میں اتنی چیونٹیاں ہیں کہ ہم نہیں رہ سکتے۔ آپ نے

---

[1] منتخب صفحہ ۱۸۸ ۔ [2] یہ دُعا کتاب ہذا میں "حاجت روائی خلق" کے بیان درج ہے ۔
[3] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۹۷ ۔ [4] منتخب صفحہ ۱۷۶ ۔

ظرافت کے طور پر فرمایا چیونٹیوں سے کہ دو کہ میرے گھر سے دُور ہوں۔ ورنہ بہاول لنگڑیال کا لشکر چڑھا لاؤنگا۔ اُس شخص نے پل کے نزدیک پیغامِ سلیمانی ادا کیا۔ چیونٹیاں اُسی دن بھاگ گئیں[1]۔

سانپ کو تہدیدِ سلیمانی

صاحبِ مناقب لکھتے ہیں۔ کہ میرے روبرو ایک شخص مہالیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا مجھے سانپوں سے شکایت ہے۔ میں ان سے تنگ ہوں۔ آپ نے مولوی امام الدین (مؤلف مناقب) کو فرمایا۔ کہ اس کو کٹو کا چھیداں معروف "ماراں والا" کی خانقاہ پر لے جاؤ۔ اور کہو کہ اپنے گروہ کو کہیں کہ اس بیچارے کو تنگ نہ کریں۔ مولوی نے تعمیل کی۔ شکایت دُور ہو گئی[2]۔

دریا کو حکمِ سلیمانی

مؤلف منتخب کے والد نے شکایت کی کہ دریائے سندھ سے اس کی زمین بُرد ہو رہی ہے۔ اور اس کا گزارہ محض اسی پر ہے۔ آپ نے ڈھیلے اُٹھا کر دئے۔ کہ خدا کا نام لے کر دریا میں ڈال دو۔ تعمیل کی گئی۔ دریا نے رستہ چھوڑ دیا[3]۔

مولف منتخب
یار محمد خان
ٹبڈو والہ تاج
محمد خان ٹبڈو والہ

بخار کو پیغامِ سلیمانی

صاحب منتخب لکھتے ہیں۔ کہ بارہا ایسا ہوا۔ کہ جب کسی کو نوبتی بخار ہوتا۔ آپ کی خدمت میں دعا مانگی جاتی۔ فرماتے کہ اس کو کہو مجھے چھوڑ دے۔ ورنہ تجھے رشوت خور قاضی کی قبر میں جھونک دونگا۔ ایسا کرنے سے اُس کی نوبت رُک جاتی ہے[4]۔

---

[1] منتخب نمبر ۱۷۷، [2] ایضاً ۱۷۷، [3] ایضاً صفحہ ۱۷۹، [4] ایضاً صفحہ ۱۵۵۔

بابائی دریا کا مشہور واقعہ

آپ کی سب سے بڑی کرامت بابائی دریا کا قصہ ہے۔ جو تواتر کے ساتھ نہایت مستند اور ثقہ روایات سے ثابت ہے۔ آج سے آٹھ نو سال پیشتر وہ لوگ موجود تھے۔ جو خود اس واقعہ میں شامل ہوئے۔ آج وہ نہیں رہے۔ لیکن بیسیوں آدمی ایسے مل سکتے ہیں۔ جنہوں نے شامل اشخاص کی زبانی اس واقعہ کو سنا۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ سفر حاران شریف سے واپس آرہے تھے۔ موسم عین گرمی کا اور دریائے سندھ اپنی انتہائی طغیانی پر تھا۔ جن لوگوں کو گرمی کے موسم میں اس دریا کے عبور کرنے کا اتفاق ہوا وہ اس کی ہیبت ناک طغیانی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ جہاں تک نظر کام کرتی ہے۔ پانی کا امواج سمندر لہریں مارتا دکھائی دیتا ہے۔ بسا اوقات دو دو تین تین دن بلکہ ہفتہ تک ساحل مقصود نظر نہیں آتا۔ دریا کے بلا خیز تھپیڑوں سے جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ بعض جگہ پانی رستہ کاٹ کر دو دھاروں میں بٹ جاتا ہے۔ جن کے درمیان میلوں تک سبز ریت کے تودے چلے جاتے ہیں۔ جو دوپہر کے وقت تپ کر جہنم کی یاد دلاتے ہیں۔ کہیں بھی سایہ کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ اگر کچھ ٹھیرنا پڑے۔ تو بھیجا پگلنے لگ جاتا ہے۔ اگر خدا نخواستہ اس ریگستان کے درمیان راستہ پڑ جائے۔ تو طوفان کی آمد ہلاکت سے یقینی ہوتی ہے۔

الغرض ۱۲۴۴ھ اگست کا مہینہ تھا۔ ایک سو سے زائد گوشہ نشین فقرا کا گروہ آپ کے ساتھ تھا۔ خدا کی یہ عزیز جانیں عین اس وقت دریا کے کنارے پہنچیں۔ جب کہ آفتاب عالمتاب کا آتشین انجن عین سمت الراس پر ریگستان پانی کو تپانے میں اپنی پوری طاقت صرف کر رہا تھا۔ دریا حسب معمول دو دھاروں میں بہ رہا تھا۔ پہلی دھارہ میں کشتی موجود تھی۔ جو خدا کے اس متوکل علی اللہ قافلہ کو

درمیانی ریتلے ساحل پر چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ دوسری دھار میں کشتی تو موجود تھی۔ لیکن سنگھڑ کا بے باک حاکم پرتھی یال آپ کے ورود کی خبر پا کر بھی کشتی کو بہالے گیا۔ جب یہ لق و دق ریتلا خطہ حرارتِ آفتاب میں پیدل طے کر کے پہنچے۔ تو دوسری دھار میں کشتی کو نہ پایا۔ اور متفکر ہو کر بیٹھ گئے۔ ریت تپ کر بھٹی ہو گئی۔ اور بادِ سموم کے تیز جھکڑ تیر کی طرح جسم سے نکلے جاتے تھے بقولِ حفیظ ؎

وہ ابرِ لطف جس کے سایہ کو گلشن ترستے تھے
یہاں گرمی میں اُن کے جسم پر اخگر برستے تھے

ارادتمندوں جاں نثاروں سے رہا نہ گیا۔ چادریں تان کر کھڑے ہو گئے۔ تاکہ گلزار ابراہیمی کا یہ پھول اس مصنوعی سایہ میں آرام لے۔ مگر آرام کہاں سورج کی گرمی سے زہرہ آب اور ہمراہیوں کی بیتابی سے جگر بیتاب ہوا جاتا تھا۔ آخر رحمتِ عالم کا یہ نمونہ اپنے مشتاقوں کے اِس زہرہ گداز سین کو نہ دیکھ سکا۔ اُمتِ محمدیہ کے موسٰی کا دل پگھل گیا۔ اور جذبۂ بے اختیاری میں اعجاز موسوی کرامات بن کر سامنے آیا۔ پھر بھی ناموسِ شریعت کی پردہ دری گوارا نہ ہوئی۔ خلافِ معمول قرآن مجید مانگا۔ اور قبلہ رو ہو کر تلاوت شروع کی۔ غازی خاں گرمانی دریا کے پار کے علاقے کا بلوچ موجود تھا۔ اسے فرمایا کہ پرتھی یال کو تلاش کر کے کشتی لے آؤ۔ ورنہ دو چار تیراک اور شناور تلاش کر کے لے آؤ۔ وہ چلا گیا۔ لیکن ایک دوسرے با اخلاص نے کہا۔ قبلہ! میرے پاس ایک شناور موجود ہے۔ اور میں تیراک بھی ہوں۔ اگر حکم ہو تو عبور شروع کر دیں۔ فرمایا۔ بہتر خدا آسان کر دیگا۔ رمز آشنا دو چار آدمیوں کو ساتھ لے کر دریا میں پیادہ چل دیا۔ کہ جہاں ضرورت ہو شناور استعمال کرے۔ تمام پاٹ کو عبور کر کے واپس آیا۔ لیکن کہیں بھی پانی گھٹنوں سے اوپر یا نیچے نہ تھا۔ طرہ یہ کہ ہر جگہ اور ہر قسم کے قد و قامت کے انسان و حیوان کو ایک ہی ماپ[1] پر آیا۔ یہ دیکھ کر

---

[1] مانور الحسن بہشتی بل تیامت ا در احمد علی بلوچ عرف اوڑہ پست قد تھے پانی دونوں کو ایک ہی اندازہ پر آیا۔

سب نقیر دھم سے کو دپڑے۔ اور دریا کو عبور کر لیا۔ لیکن ابھی تک منبع کرامات معروف تلاوت تھے۔ عرض کیا گیا۔ تو کہا میرے لئے لکڑیوں کا سہارا (سٹریچر) تیار کرو۔ اور اس کے نیچے چار آشنا باندھ دو۔ (جو اس وقت آچکے تھے) آپ اپنے صاحبزادوں سمیت اُس پر سوار ہوئے۔ اور تیر کر پار ہو گئے +

صاحب منتخب لکھتے ہیں۔ کہ اُس روز ہم سب لوگ پیشوائی کے لئے کنارے پر موجود تھے۔ اور اس عمیق دریا میں لوگوں کے پیدل آنے کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ جب آپ کنارے پر تشریف لائے۔ تو سکھا شاہی فوج کا ایک سپاہی نقیروں کو گزرتا دیکھ کر پیدل گزرنے لگا۔ پہلا قدم رکھتے ہی ڈبکیاں کھانے لگا۔ مگر لوگوں نے اُسے بچا لیا۔ عبور دریا کے بعد ستانے کے لئے آپ شیشم کے ایک درخت کے نیچے مجلس آرا ہوئے۔ اور خدام نے ذکر چھیڑا۔ تو فرمایا۔ دریائے نیل فرعون کا فرماں بردار تھا۔ ہم تو کلمہ شریف پڑھتے ہیں۔ اِن الفاظ سے واضح ہوتا ہے۔ جس کا باعث آپ نے اتباع سنت قرار دیا۔ اور عملی رنگ میں اس حدیث کی تصدیق کر کے دکھائی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ :۔ "العلماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" (میری امت کے عالم بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہیں)[1]

آوازہ مژدۂ غفران

ایک اور واقعہ جو اس سے کم دلچسپ نہیں۔ مژدۂ غفران کی آواز کا ہے۔ جو آپ کے معراج روحانی اور تکمیلِ مقصد کی بیّن دلیل ہے۔ یہ واقعہ بھی اُسی صحت کے ساتھ پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے جس کا اظہار پچھلے اوراق میں کیا گیا ہے۔ ۱۲۔ ربیع الاوّل سالِ وفات کا ذکر ہے۔ کہ آپ محلِ عبادت میں جلوہ افروز تھے۔ یکایک خلقت کا ایک دریا اُمڈ آیا۔ یہاں تک کہ تل دھرنے کی جگہ نہ ملتی تھی۔

[1] منتخب صفحہ ۱۸۷ ؛ مناقب المحبوبین صفحہ ۱۹۱ ؛

آستانِ سلیمانی اور باہر کے تودہائے ریگستانی مخلوق سے پٹے پڑے تھے۔ اور لوگ وفورِ جوش اور اشتیاق میں ایک دوسرے پر گرے جاتے تھے۔ خدام حیران تھے۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ دریافت پر معلوم ہوا۔ کہ ۱۱۔ ربیع الاول کی شام بعد جو شخص جہاں تھا۔ ایک آواز سنائی دی۔ کہ جو شخص کل ۱۲ ربیع الاول کو آپ کی زیارت سے بہرہ اندوز ہوگا۔ وہ قطعی بہشتی ہے۔ پس جن کے ناصیۂ قسمت میں یہ نعمت لکھی تھی۔ وہ بلا تحاشا دوڑ پڑے! اور ۶۰۔۷۰ میل کی مسافت طے کرکے حاضرِ آستانہ ہوئے[1]۔ جب لوگوں کا یہ طوفان تھمنے میں نہ آیا۔ اور آپ کے اوراد میں حرج ہونے لگا۔ تو فرمایا کہ کچھ انتظام کرو۔ کہ میرے وظائف قضا نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ حجرہ کے شمالی اور جنوبی دروازے کھول دئے گئے۔ خدام شمع ہمت کے ارد گرد صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ لوگ جوق در جوق ایک دروازے سے آتے اور شمعِ جمال افروز سے آنکھوں کو نورانی کرکے دوسرے دروازے سے نکل جاتے تھے۔ عورتوں کو حکم دیا گیا۔ کہ وہ حرم سرا میں جمع ہوں۔ جب آپ باہر سے فارغ ہوئے تو اندر گئے۔ اور فرقۂ النساء نے مبارک چہرہ سے بہشت لوٹا۔ آپ نے سنا تو فرمایا۔ کہ "اِعْتِقَادُکُمْ یَنْفَعُکُمْ" (تمہارا اعتقاد تمہیں نفع دیتا ہے)[2][3]۔

گفتگوئے روحانی مولوی غوث بخش سکنہ اچ جو نواب صاحب بہاول پور کے معتمد خاص تھے آپ کے پیر قبلہ عالم رح کے مرید تھے۔ جب آپ مہار شریف گئے تو مولوی مذکور آپ کی خدمت میں آئے۔ اور عرض کیا کہ میں بڈھا آدمی ہوں۔ اور ایک سینزدہ سالہ نوجوان لڑکی سے میرا نکاح ہوا ہے۔ دعا کریں۔ کہ خدا اس کو میرے ساتھ محبت دے۔ فرمایا۔ جب میں خانقاہ شریف میں جاؤں۔ تو مجھے یاد دلانا۔ مولوی نے تعمیل

---

[1] مناقب نویسوں نے یہ تاریخ تعین کی۔ صاحب منتخب "فلاں شب" لکھتے ہیں۔ مناقب المحبوبین میں تاریخ کا حوالہ گم ہے۔ یہ تاریخ قیاس سے لکھی گئی ہے۔ کیونکہ دوسری جگہ ہے۔ کہ لوگ آٹھ پہر میں مسافت طے کرکے آئے۔

[2] محمد حسین پشاوری نے اس واقعہ کو منظوم کیا ہے۔ یہ نظم مناقب المحبوبین درج ہے۔

[3] صاحب منتخب لکھتے ہیں۔ کہ بعض عورتوں کے ہاتھ آٹے سے آلودہ تھے۔ اور بعض کے گندھے ہوئے پیڑے بیچ تھے۔ جونہی کسی نے سنا۔ اسے آگ سی لگ گئی فوراً دوڑے۔ رستہ میں جو لوگ ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ سب کے سب ایک دوسرے کی تائید کرتے تھے۔ بعض وہاں ہانپتے ہوئے پہنچے۔ الغرض ایک عجیب عالم رہا۔

کی آپ اندر گئے۔ اور مولوی صاحب باہر بیٹھے رہے۔ جب آپ باہر آئے۔ تو فرمایا۔ قبلہ عالم رح تمہیں سلام دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ تمہیں یاد ہے۔ کہ شید پور میں تم اور ہم اکٹھے تھے اور فلاں جگہ پر یہ اور وہ باتیں ہوئی تھیں۔ (اُن باتوں کا تذکرہ کیا) اب تم بڈھے ہو گئے۔ مگر عورتوں کے عشق کو نہیں چھوڑا۔ خدا تیری مُراد بر لائے گا۔ لیکن خدا کو نہ بھولو۔ یہ سُن کر مولنا پر رقت طاری ہو گئی۔ رونے لگے اور کہا۔ واللہ باللہ شید پور کی سب باتیں درست ہیں۔ اُس وقت سوائے میرے اور قبلہ عالم رح کے اور کوئی بھی نہ تھا۔[1]

خواب میں مشاہدہ احوال قبر بی بی رحیم النسا ایک شریف زادی تھی۔ اُس کا آپ پر احسان تھا۔ کہ عالم سلوک میں اُس کے گھر میں روٹی کھاتے تھے۔ ایک دفعہ اُس نے شکایت کی کہ مجھے قبر کی تاریکی کا ڈر لگتا ہے۔ فرمایا۔ خدا تیری قبر کو روشن کریگا۔ سوئی تو خواب میں دیکھا۔ کہ وہ قبر میں ہے۔ اور اُس کی قبر نور سے معمور ہے۔[2]

کشف قلوب مولوی علی الدین پر قرض تھا۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ نیل کی سوداگری کرے۔ آپ سے استمزاج کے لئے آیا۔ ابھی زبان نہ کھولی تھی۔ کہ آپ نے سوداگری کا ذکر چھیڑ دیا۔ اور فرمایا۔ کہ نیل کی سوداگری میں بہت نفع ہے۔ چنانچہ اُس نے ایماء پا کر کام شروع کیا۔ اور نفع پایا۔

دشمن کے بدن پر لرزہ ایک دفعہ مولوی قطب الدین دہلوی دہلی سے یہاں تشریف آ رہے تھے راستے میں ایک چور ملا۔ اور اُس پر حملہ کیا۔ مولوی صاحب کا بیان ہے۔ کہ مَیں نے غائبانہ آپ کی خدمت میں فریاد کی۔ اور رویا۔ چور پر ایسی ہیبت طاری ہوئی۔ کہ وہ کانپنے لگا۔ چھری ہاتھ سے گر گئی۔ یہاں کہ اُس نے توبہ کی۔[3]

اِس واقعہ میں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قصہ کی پیروی ہے جبکہ آپ درخت کے نیچے سوئے ہوئے تھے۔ ایک شخص قتل کے ارادے سے آپکے پاس آیا۔ اور تلوار کھینچ کر کہنے لگا۔ کہ اے محمدؐ! بتا اب تجھے میری تلوار سے کون بچا سکتا

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۴۴ [2] ایضاً ۲۵۹ [3] ایضاً ۲۷۱

ہے؟ فرمایا۔ اللہ! اُس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی۔ کہ وہ کانپنے لگا۔ تلوار ہاتھ سے گر گئی۔ آپؒ نے تلوار اُٹھائی۔ اور فرمایا۔ اب تجھے میری تلوار سے کون بچا سکتا ہے۔ توبہ کی اور مشرف باسلام ہوا۔

پوتے پیدا ہونے کی تمنّا اور قبولیت ایک دفعہ آپ تہانہ شریف میں تھے۔ کہ خادمہ نے آکر مبارکباد دی۔ کہ آپ کی لڑکی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ فرمایا۔ اے بی بی! مجھ کو دوسروں کی اولاد کی مبارکباد دیتی ہو۔ میں تب خوش ہوں۔ جب مجھے میری اولاد کی مبارک ملے۔ (مطلب یہ کہ میرا پوتا ہو) آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ اور صاحبزادہ محمود سے فرمایا۔ (حضرت قبلہ عالم رح کے مزار پر جاؤ۔ اور میری طرف سے کہو۔ کہ میں آپ کا مہمان ہوں۔ مجھے آپ کی جانب سے اولاد کی بشارت چاہیئے۔ میاں صاحب کہتے ہیں۔ میں اُسی وقت اُٹھا۔ اور مزار پر چلا گیا۔ جب باہر آیا تو ایک شخص نے دو پھول دئے۔ میں نے لاکر آپ کی خدمت میں پیش کئے۔ فرمایا۔ شکر ہے۔ خدا تعالےٰ نے مجھے دو پوتے بخشے۔ ابھی وہاں ہی تھے۔ کہ صاحبزادہ خیر محمدؒ کے پیدا ہونے کی مبارکباد ملی۔ اور جب بابا پھر تشریف لے گئے۔ تو دوسرے پوتے خواجہ اللہ بخش رح کے تولد ہونے کی خوش خبری ملی[۱]۔

مُریدوں کی اعانت و دستگیری

یُوں تو تمام مخلوقِ خدا پر شفقت اور دستگیری کے لئے آپ کا ہاتھ لمبا تھا لیکن مُریدوں کے حال پہ خاص نظرِ عنایت تھی۔ اِس لئے آپ سے اکثر اوقات ایسی کرامات کا ظہور ہوا۔ جو محض مُریدوں کی دستگیری کے متعلق ہیں۔

عمر خاں ماکلی کا ارتداد عمر خاں آپ کے اولین مُریدوں میں سے تھا۔ لیکن بعض اشخاص کے پھسلانے سے فسخ بیعت کرکے کسی نام نہاد سیّد کا مُرید بن گیا۔ جب اُس کی نزع کا وقت قریب آیا۔ تو اُس کی صورت مسخ ہوگئی۔ اور کُفر بکنے لگا۔

[۱] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۸۶

ایک شخص نے متنبہ کیا۔ اور آپ کی رجوع کرنے کی تلقین کی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ فوراً کلمۂ طیبہ اُس کی زبان سے جاری ہوگیا۔ اور چہرہ سے نُور برسنے لگا۔ ٹھیک اُسی دن آپ تاج سرور (بنگلہ) میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ اور مراقبہ میں جُھک گئے۔ کچھ دیر کے بعد سر اُٹھایا۔ اور فرمایا۔ الحمد للہ! ایک مصاحب خاص (نور خاں گربانی) نے وجہ پوچھی۔ فرمایا۔ میرا ایک مرید مرتد ہوگیا تھا۔ اُس نے میری جانب رجوع کیا۔ مَیں نے دُعا مانگی۔ جو مقبول ہوئی۔ واپس آئے۔ وقت ملایا گیا۔ تو آپ کی توجہ اور اُس کی نزع کا وقت ایک ہی تھا۔[1]

ایک مُرید کو خواب میں اولاد کی بشارت

سُلطان محمود خاں تحصیلدار کے بیٹا نہیں تھا۔ آیا اور اولاد کے لئے دُعا مانگی۔ لیکن آپ نے اُسے جھڑک دیا۔ وُہ بیچارہ غمگین ہو کر چلا گیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں۔ بس اتنی بات سے تم غمگین ہو کر چلے گئے۔ گھبراؤ نہیں خدا تعالٰی تمہیں اولادِ نرینہ دیگا۔ سو خدا نے اُسے بیٹا دیا۔[2]

نفس امارہ سے مُریدوں کی حفاظت

اس بارے میں بے شمار قصے ہیں۔ صرف چند ایک اکتفا مناسب ہے۔ میاں محمد عرف مڑل ایک بانکا اور نوجوان شخص تھا۔ اور عشقیہ اشعار بہت عمدہ گاتا تھا۔ باپ سے لڑ کر بھاگا۔ اور فوج میں بھرتی ہونے کے لئے روانہ ہوا۔ آیا اور ایک دوسرے شخص کے ذریعے سے سفارش کی استدعا کی۔ آپ نے اُسے گانے کی فرمائش کی۔ وقت خوش ہوا۔ اُس پر ایسا اثر ہوا کہ اُس نے ملازمت کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور فوراً باپ کے پاس واپس ہو کر معذرت کی۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر آیا۔ اور عشقیہ اشعار گانے لگا۔ آپ پر رقت طاری ہوئی۔ فرمایا ہاتھ بڑھاؤ۔ تاکہ مَیں تمہیں بیعت سے مشرف کروں۔ اُس نے کہا۔ میرا نفس بہت سرکش ہے۔ اور فسق و فجور میں مبتلا۔ اگر مجھے محفوظ رکھیں تو بیعت کے لئے تیار ہوں۔ ورنہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ فرمایا۔ اس شرط پر کہ تم نامحرموں کے گھر جانا چھوڑ دو۔

۱؎ مناقب المحبوبین صفحہ ۱۹۴۔ ۲؎ ایضاً ۲۲۴۔

خدا کی [illegible] شامل حال ہوئی۔ بیعت کی اور تائب ہوا۔ یہاں تک کہ اُس کی معشوقہ بے قرار ہوئی۔ اور کسی حیلے سے اُس کے گھر گھس آئی لیکن اُس نے التفات نہ کی۔ اور پوچھا کہ تجھے میری کس چیز نے مجھ پر فریفتہ کیا ہوا ہے۔ کہا زلف گرہ گیر نے۔ صبح کو بال مُنڈوا کر اُس کے پاس بھیج دیئے۔ اور کہا جو چیز تجھے محبوب ہے اپنے پاس رکھو۔ اور خود تمام تعلقات سے کنارہ کش ہو کر ایک مسجد کی خدمت میں مشغول ہو گیا۔ اتفاقاً اسے ایک دن پیاس غالب آئی۔ پانی لینے کے لئے ہمسائے کے گھر گیا۔ دیکھا کہ اُس کی معشوقہ مرد کے ساتھ ہم جفت ہے۔ اُس پر نفسانیت غالب آئی۔ اُسے بلایا۔ وہ اُٹھ کر اُس کے ساتھ آئی۔ خلوت میں اُسے اپنے پیر کے الفاظ یاد آئے۔ ہیبت سے کانپ گیا۔ اور بُرائی چھوڑ کر مسجد پہنچا۔ سویرے آپ کی خدمت میں گیا۔ تو فرمایا۔ نامحرموں کے گھر جانے کا فائدہ دیکھ لیا۔ کہا کہ میں شرمسار ہوں۔ اور تب سے آستانہ نشین ہو گیا۔ اخیر میں ریاضتِ شاقہ کے ساتھ صاحب ذوق اور صاحب نسبت بزرگوں میں سے ہو گیا[1]۔

میاں حسن شاہ عسکری ایک صاحب نسبت بزرگ تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ غروب آفتاب کا وقت تھا۔ میں آپ کی خدمت میں تصوّف کی ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ کہ یکایک آپ کو جوش آیا۔ اور ہاتھ کو حرکت دی۔ فرمایا۔ چل چل۔ اتنے میں پانی کے چند چھینٹے ظاہر ہوئے۔ جو میرے کپڑوں اور کتاب پر آ پڑے۔ میں حیران ہوا۔ اور اُٹھ کر لوگوں میں آ بیٹھا۔ دُوسرے دن چند زائرین آئے۔ اُنہوں نے بیان کیا۔ کل غروب آفتاب کے وقت ہم دریا میں تھے۔ کشتی ڈوبنے لگی۔ ہم نے آپ کا نام لے کر فریاد کی۔ دریا سے ایک ہاتھ ظاہر ہوا۔ جس نے کشتی کو دھکا دیا۔ اور فرمایا۔ چل چل۔ خدا کی قدرت کشتی بچ گئی۔ اور ہم اُتر کر پہنچے[2]۔

یہ قصہ ایک پہلو سے حضرت امیر عمر صاحب رضؓ کے یا سادیۃ الجبل کے عین مشابہ ہے۔ آپ جمعہ میں خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اور کہنے لگے یا سادیۃ الجبل

[1] راحت العاشقین صفحہ ۱۶۵۔ [2] ایضاً صفحہ ۲۴۱۔

یا سادیۃ الجبل (اے ساریہ پہاڑ پر چڑھ جاؤ) ساریہ آئے تو بیان کیا۔ ٹھیک نماز جمعہ کے وقت ہم محصور تھے۔ کہ حضرت امیر المومنین رض کی اس آواز نے رہبری کی ؞

پیشینگوئیاں

نبی اخبارِ غیب کے لئے مامور ہوتا ہے۔ جو سطحی نگاہ اشخاص کے لئے معیارِ صداقت ہوتی ہیں۔ ولی اگرچہ مامور نہیں ہوتا۔ لیکن اس کا دل نورِ نبوت سے مستنیر ہوتا ہے۔ حالتِ محویت میں اس سے بھی پیشینگوئی کا اظہار ایک فطری جذبہ ہے۔ جس کا اظہار بعض اوقات حالتِ مجبوری میں اُس سے ہوتا ہے۔ بعض پیشینگوئیاں آپ سے بھی مروی ہیں۔ لیکن کوئی پیشینگوئی پیشینگوئی کی نیت یا مقصد سے نہیں کی گئی۔ ہاں جن پیشینگوئیوں کا اظہار آپ سے ہوا۔ اُن کی علتِ غائی وہی ہی جو کرامت کے سلسلے میں ذکر کی جا چکی ہے۔ اِس لئے کرامت کے سلسلے میں چند پیشینگوئیوں کا اضافہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا:۔

ایک دفعہ نواب صاحب بہاول پور نے تسخیرِ قلعہ اختیار خاں کے لئے دُعا طلب کی۔ آپ نے دُعا فرمائی۔ اور فرمایا۔ کہ انشاءاللہ عنقریب وہ تمہارے ہاتھوں سے مُسخر ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا[1] ؞

محمد حسین نام ایک شخص آپکا مُرید تھا۔ مگر فسق و فجور میں مبتلا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ شخص اخیر میں توبہ کرے گا۔ اور تین سال عارضہ تپ دق میں مبتلا رہے گا۔ آخر میں مَیں اُس کا جنازہ پڑھونگا۔ اور خدا اُس کی مغفرت کریگا۔ چنانچہ حرف بحرف پُورا ہوا[2] ؞

جب شاہ شجاع انگریزوں کی کمک لے کر تختِ کابل حاصل کرنے کے لئے جا رہا تھا۔ اور تونسہ سے گزرا۔ تو چند ناشائستہ الفاظ اُس کی زبان سے نکلے آپنے فرمایا یہ خرسِ خراسانی پھر سلطنت کا مالک نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا[3] ؞

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۹۸ ؞ [2] ایضاً ۲۰۹ ؞ [3] ایضاً ۲۱۰ ؞

نواب صبح صادق خاں والئے بہاول پور نے اسد خاں کی بیٹی سے شادی کا ارادہ کیا۔ چنانچہ نواب صاحب کو آپ کے ساتھ بے حد عقیدت تھی۔ آپ نے ایک ملفوف میں اُسے لکھا۔ تم کو یہ شادی نفع مند نہ ہوگی۔ اِس خیال سے باز آؤ۔ مگر اُس نے غرورِ سلطنت میں نہ مانا۔ اور شادی کر لی۔ خدا کی قدرت ایک سال نہ گذرا کہ فوت ہو گیا[1]۔

سکھا شاہی حکومت کی پیشینگوئی جب نواب اسد خاں والئے سنگھڑ کے ظلم و تعدی سے لوگ تنگ آ گئے۔ تو آپ نے اُسے بُلا کر فرمایا کہ تمہاری حکومت میں ہمیں صرف اتنا فائدہ ہے کہ اذان کی آواز سُن لیتے ہیں۔ ظلم و ستم سے ہاتھ اُٹھا لے۔ ورنہ میں تو سکھوں کی فوج کو یہاں دیکھتا ہوں۔ کچھ عرصہ نہ گزرا تھا۔ کہ سکھ آ گئے۔ اور جس ٹیلہ کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا تھا۔ وہیں آکر ڈیرا ڈالا۔ ایک اور موقع پر (جب آپ اپنے خلیفہ اعظم محمد یاران خاں سے ناراض ہوئے) تو فرمایا۔ کہ عنقریب اسد خاں کی حکومت چلی جائیگی۔ اور سکھا شاہی حکومت کا دَور دورہ ہوگا۔

انگریزی حکومت کی پیشینگوئی ایک دفعہ آپ خواب قیلولہ سے اُٹھے اور آہ سرد بھر کر فرمایا۔ کہ ملک سندھ بھی فرنگیوں کو مل گیا۔ مؤلف مناقب لکھتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جبکہ یہاں انگریزی حکومت کا وہم و گمان تک نہ ہو سکتا تھا۔ اور پنجاب میں سکھ شاہی حکومت کا دَور دورہ تھا۔ اِس کے چند روز بعد اوّل لاہور اور پھر ملتان فتح ہو گیا۔ اور انگریزی حکومت کی چھاؤنی ڈیرہ جات میں قائم ہو گئی[2]۔

انگریزی حکومت کے چلے جانیکی پیشینگوئی صرف خبر احاد (ایک ہی روایت) میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا "گئے فرنگی تیں آئے زنگی"۔ اس وقت حسن شاہ صاحب کابلی موجود تھے۔ اس سے پوچھا گیا کہ زنگی کون

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۱۲ [2] ایضاً ۲۲۶ - ۲۵۸

ہیں؟ اور اُن کا وطن کہاں ہے؟ اُس نے اس وقت لاعلمی ظاہر کی لیکن جب وہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں پہنچا۔ تو اُس نے دریافت کرکے اطلاع دی۔ کہ قوم تاجک (ترک) جو افغانستان میں رہتی ہے زنگی کہلاتی ہے اِس کے علاوہ دو اور قبائل بھی زنگیوں کے نام سے مشہور ہیں۔ اِس پر آپ نے فرمایا۔ کہ زنگی خراسان سے آکر فرنگیوں کو قتل کرینگے۔ اور ایک دن فرمایا کہ خراسانی اِن کو دلّی سے آگرہ تک بھگا دیں گے۔

مناقب المحبوبین مطبوعہ صفحہ ۲۷۹ - ۲۸۰ میں یہ روایت صرف ایک شخص میاں غلام رسُول سے مروی ہے وہ لکھتے ہیں کہ حسن شاہ عسکری سے آپ نے دریافت کیا۔ کہ یہ لوگ کون ہیں؟ گویا اس روایت کے الفاظ روایت کو ضعیف کرتے ہیں۔ آپ کا پہلے خبر دینا۔ اور پھر اس خبر کے متعلق دوسروں سے استفسار کرنا ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ آپ کی سوانح حیات میں کہیں بھی ایسا واقع نہیں کہ آپ نے عمداً کہیں پیشینگوئی یا کرامت کا اظہار کیا ہو۔ جب کوئی کرامت آپ سے ہوئی وہ کسی شرعی جذبہ کے ماتحت واقع ہوئی۔ اور اس پر بھی اخفا کا پردا پڑا ہوتا تھا۔ اِس روایت کو ضعیف قرار دینے کی بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ صاحب منتخب نے اِس روایت کو نہیں لیا۔ جو سب سے زیادہ مستند ملفوظ ہے۔ (مؤلف)

لکھّی محمّد خاں کے قتل کی خبر

یہ شخص علی اکبر خاں والئے منگڑوٹھ کا بھائی اور نواب اسد خاں کا چچا تھا۔ اور اپنے بھائی کے مظالم سے بھاگ گیا تھا۔ جب واپس آیا۔ اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو حضورؒ نے اسے فرمایا۔ لکھی محمد خاں اب تم بھائی کے کون سے اعتبار پر آئے ہو۔ وہ تجھے کبھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اُس نے کہا اُس نے ساتھ قرآن کی حلف اُٹھائی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "تم نے نہیں سُنا کہ خراسان کے لوگ کہتے ہیں اگر انسان اپنا بازو تیل سے تر کر کے تلوں کے ڈھیر میں ڈالدے۔ اور ہر دانہ کے مقابل ایک ایک قسم کھائے۔ جب دشمن ہاتھ آتا ہو۔ تو ان تمام قسموں کو توڑ دینا جائز ہے۔ شاید کہ پھر ہاتھ نہ لگے"۔

بہرحال وہ رخصت ہؤا۔ اور دوسرے روز اطلاع آئی۔ کہ بھائی نے اِسے مار ڈالا۔ اور اُس کی تمام جائداد چھین لی۔ اور اُس کے تمام بال بچوں کو نظر بند کر دیا۔

مؤلّف مناقب لکھتے ہیں۔ کہ مَیں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ کہ اسی واقعہ سے ایک دن بعد ٹھیک اسی وقت علی اکبر خاں نواب سرخاں والئے سنگھڑ کے ہاتھوں قتل ہؤا۔ اُس نے اُس کی جائداد چھین لی۔ اور اُس کے بال بچوں کو نظر بند کر کے لے گیا۔

پردل خاں کا انجام

پردل خاں زیر سلطان محمود خاں درانی نے تونسہ کا محاصرہ کیا۔ (زوال آفتاب کا وقت تھا) آپ چارپائی پر قد دراز کر کے قیلولہ فرما رہے تھے۔ کہ کسی نے آ کر محاصرہ کی اطلاع دی۔ فرمایا۔ کہ مَیں بن کر سو رہا ہوں۔ (تدبیر کر کے سویا ہوں) اُس نے چاہا کہ شہر کو غارت کرے۔ فوراً اُس کے پیٹ میں اِس شدّت کا درد اُٹھا۔ کہ لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ چار و ناچار آپ کی خدمت میں حاضر ہؤا۔ فرمایا۔ ابھی ابھی تونسہ سے نکل جاؤ۔ ورنہ مر جاؤ گے۔ اور کچھ دم کیا۔ اُسے آرام ہو گیا۔ اور وہ محاصرہ چھوڑ کر چلا گیا۔

ایک کنچنی کو کسبِ حلال کی دُعا

فضلو کنچنی کی ماں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنی بیٹی کے لئے فراخئ رزق کی دُعا مانگی۔ آپ نے فرمایا۔ خدا اُسے کسبِ حلال سے روزی دیگا۔ وہ رونے لگی۔ اور کہا ہم کدھر جائینگے۔ فرمایا۔ خدا تم سب کو۔ وہ رخصت ہو کر ڈیرہ اسمٰعیل خان پہنچی۔ پائندہ خاں پٹھان اُس لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو گیا۔ لڑکی کو عقد نکاح میں لے آیا۔ اور سب کے لئے وظیفے مقرر کر دئے[1]۔

دیوان ساونمل حاکم ملتان کے قتل کی خبر

کریم داد خاں پٹھان دیوان ساونمل کی طرف سے دہات ملتان کا اجارہ دار تھا۔ اُسے نقصان ہؤا۔ اور اجارہ نہ ادا کر سکا۔ دیوان نے اُس کے بیٹے میر داد خاں کو یرغمال بٹھلا دیا۔ اُس کی عورت حاضر ہوئی۔ اور گریہ زاری کی۔ اور بیٹے کی خلاصی کیلئے دعا مانگی۔ آپ نے

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۳۱۰۔

رحم آیا۔ اور فرمایا " اے عورت! ساون گیا تیں بدرہ آیا "۔ تیرا بیٹا جلدی رہا ہو جائیگا۔ ابھی وُہ عورت گھر نہ پہنچی تھی۔ کہ ایک شخص نے ساون مل کو ریوالور سے ہلاک کر دیا۔ اور میرداد خانؔ رہا ہو کر یہاں سے آ ملا[1] ؎

فتح ملتان کی پیشینگوئی

ابھی مُلتان میں پٹھانوں کی حکومت تھی۔ آپ کا گذر قلعے کے نیچے سے ہوُا۔ فرمانے لگے یہ کیسا مضبوط قلعہ ہے۔ اور قلعے کے مالک کیسے مضبُوط پٹھان ہیں۔ لیکن اس قلعے کے لینے والے ابھی آتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوُا۔ کہ فوراً ملتان پر سکھوں کا قبضہ ہو گیا۔ مؤلف مناقب لکھتے ہیں۔ کہ آپ نے یہ خبر حالتِ سُکر میں دی تھی۔ حالتِ صحو میں جب آپ سے پوچھا گیا۔ تو انکار کر دیا۔ فرمایا " لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ "۔ مَیں کوئی منجم ہوں۔ کہ تمہیں غیب کی خبر دوں[2] ؎

ایک شخص کی شیر افگنی کی اطلاع

صاحبزادہ نور محمدؒ کے بیٹے میاں گنج بخش صاحب لکھتے ہیں کہ مَیں ایک دفعہ آپ کی خدمت میں (تونسہ شریف) حاضر ہوُا۔ تو فرمایا۔ آؤ جوان شیر افگن اور تب سے۔ مجھے اس نام سے یاد فرماتے تھے۔ مجھے اس کی وجہ معلوم نہ ہو سکتی تھی۔ آخر بارہ سال کے بعد میرے ہاتھ سے ایک شیر قتل ہوُا۔ اور خدا نے آپ کی اِس پیشینگوئی کو پُورا کیا[3] ؎

آپ کے کمالات پر اجمالی نگاہ

ایک صاحبِ کمال عارف کو کمال کی بلندی پر صرف وہی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں۔ جو اسی رنگ کے شرابِ عرفان سے مخمُور ہوں۔ ورنہ عام انسانوں کی ظاہری آنکھ ان حقایق اور معارف کے دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے۔ جس سے عارفِ کامل کا پیمانۂ دل لبریز ہوتا ہے۔ بعض دفعہ ظاہر بین آنکھیں ایسا دھوکا کھاتی ہیں۔ کہ رسالت اور نبوت کا روشن آفتاب بھی اُن کے آگے گم ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں عقلِ سلیم اور فطرتِ

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۷۰ ؎ [2] ایضاً ۲۷۸ ؎ [3] ایضاً ۲۸۴ ؎

صحیح چراغ راہ سامنے رکھ کر منور چشم کی چند کرنیں دل پر ڈالتی اور کفر و عصیان کی اندھیری گھاٹی سے نکال کر ایمان اور ایقان کی بلندی پر لا کھڑا کرتی ہیں بس ہمارے لئے بھی غیر ممکن ہے کہ اتنے باکمال عارف اور فرد کامل کے معراج عرفان کو دیکھ سکیں یا اوروں کو دکھلا سکیں۔ ہاں عقل سلیم اور نقل صحیح کی شعاعوں سے جتنا کچھ بھی ہو سکا صفحہ کاغذ پر اس نقش کے دھندلے سے عکس کو لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

بڑے بڑے باکمال عارفوں نے آپ کے کمالات کی بشارتیں دی ہیں۔ جو مستند اور ثقہ روایات سے ثابت ہیں۔ سب سے بڑی بشارت مولٰنا فخر رح دہلوی کی تلقین ہے جو انہوں نے اپنے روحانی شاگرد مولٰنا نور محمد رح کو وصال سے کچھ عرصہ پہلے کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ کوہستان سلیمان کی ویران چوٹیوں پر ایک شہباز بلند پرواز ہے کہ اگر اُسے سدھایا جائے۔ تو اُس کی پرواز سدرۃ المنتہیٰ تک ہو گی۔ جاؤ۔ اور جس طرح ہو۔ اُسے پکڑ کر سدھاؤ۔ چنانچہ مدت کی سرگردانی کے بعد یہ گوہر مقصود اُن کے ہاتھ آیا۔ جب کہ آپ کی عمر سولہ برس کی تھی ؛

مہر ولایت ابھی طلوع نہ ہوا تھا۔ کہ حضرت بی بی صاحبہ کو آپ کے جمال جہاں آرا کی خبریں دی گئی تھیں۔ جس کا ذکر ہو چکا ہے +

آپ ابھی چند برس کے تھے۔ اور قرآن حفظ کرتے تھے۔ کہ آپ کے مربی اُستاد حاجی صاحب نے آپ کے حق میں آنے والے کمالات کی پیشینگوئی کی۔ جس کا ایک ایک حرف آپ کی زندگی میں پورا ہو کر نکلا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ کہ جب مجھے کوئی واقعہ پیش آتا۔ تو مجھے حاجی صاحب یاد آتے ؛

درگ میں ایک حجام آپ کا بندۂ بے دام بنا پھرتا تھا۔ لوگوں نے اُسے ملامت کی تو کہنے لگا۔ کہ یہ شخص قطب الاقطاب ہو گا۔ اور میرا جنازہ پڑھے گا۔ اور اُس سے میری مغفرت ہو گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ جب آپ حصول نعمت کے بعد اپنے وطن مالوف کو آرہے تھے۔ راستہ میں ایک جنازہ پایا۔ جس کا امام کوئی نہ تھا۔ آپ نے امامت کی اور نماز پڑھی ؛

مؤلف مناقب لکھتے ہیں۔ کہ سید احمد مدنی مجاور مزار آں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں حکم ہوا۔ کہ تونسہ میں جا کر آپ سے فیض لو۔ چنانچہ سید الکونین ؐ کا نبیرہ آیا۔ اور نعمت روحانی سے بہرہ پایا[1]۔

ایک شخص اصفہان واقع ایران کا باشندہ تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ نور کی بارش تونسہ پر جاری ہے۔ اتنی دور کی مسافت طے کر کے آیا۔ اور آفتاب ولایت سے نور حاصل کیا[2]۔

حاجی عبد اللہ رشید پوری سفر حجاز میں مؤلف مناقب کے رفیق راہ تھے۔ روایت کرتے ہیں۔ کہ میں ایک دفعہ جنت المعلیٰ کے مزاروں پر زیارت کو گیا۔ وہاں ایک ننگا مجذوب کو دیکھا۔ جو شخص اس کے پاس جاتا۔ پتھروں سے اس کی تواضع کرتا۔ میں گیا۔ مجھے عربی زبان میں اپنے پاس بلایا۔ اور پوچھا۔ "اَیْنَ شَیْخُکَ"۔ (تمہارے پیر کہاں رہتے ہیں) میں نے کہا۔ "فِی بِلَادِ الْمُلْتَان" (ملتان کے دیہات میں) خود بخود کہنے لگا۔ "ہاں ہاں۔ سلیمان"۔ میں نے کہا ہاں۔ اس نے سلام کیا اور کہا۔ "ھُوَ شَیْخُنَا ھُوَ تَاجُنَا ھُوَ شَیْخُ الْمَغْرِبِ وَالْمَشْرِقِ وَلِیُّ اللّٰہِ کَثِیْرٌ لَا خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ وَاحِدٌ وَ ھُوَ خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ"۔ (ترجمہ) وہی میرا شیخ ہے وہی میرا تاج ہے۔ وہی مشرق و مغرب کا پیر ہے۔ ولی اللہ زمانے میں بہت ہوتے ہیں۔ لیکن خلیفۃ اللہ ایک ہوتا ہے پس وہ خلیفۃ اللہ ہے"۔ میں حیران ہوا۔ مگر جب لوگوں کو آتے دیکھا۔ تو مجھے بھی پتھروں سے رخصت کیا[3]۔

میرے جد امجد حاجی محمد خاں کاتب جو ایک صالح اور باخدا شخص تھے۔ روایت کرتے ہیں کہ مجھے پاک پٹن شریف میں شاہ محمد باقر چشتی سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ جو ایک کامل عارف تھے۔ فرمایا۔ "تم کون ہو۔ اور کس کے مرید ہو"۔ میں نے آپ کا نام لیا۔ تو فرمایا۔ "جانتے ہو۔ کہ تمہارے شیخ کا رتبہ کیا ہے۔ قطبی اور غوثی مراتب کو طے کر کے محبوبی کے درجے پر پہنچ چکے ہیں"[4]۔

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۰۹ [2] ایضاً ۲۲۲ [3] ایضاً ۲۴۲ [4] ایضاً ۲۶۸ منتخب ۱۳۶۔

ایک اور شہادت جو نہایت صحت کے ساتھ ثابت ہے۔ مولوی دیدار بخش پاک پٹنی کی ہے۔ مولوی صاحب نے ایک دفعہ جرأت کر کے آپ کی خدمت میں پوچھا۔ "حضرت اس وقت قطب مدار یعنی غوث کون ہے؟" فرمایا "تو ہیں وے توں" اشارہ تھا حضور کی اپنی ذات کی طرف[1]

اِن کمالات کا ارتقاء

فیضانِ قدرت نے آپ کو نہایت بلند فطرت اور اعلےٰ سیرت عطا کی تھی۔ جب پہلی بار آپ کو اپنے پیر روشن ضمیر نے دیکھا۔ تو فرمایا "اے بسیار بلند ہمت و وسیع نہیت نظر مے آید"۔ آپ کی بچپن کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپکے بچپن کا ایک ایک واقعہ اولوالعزمی۔ عالی ہمتی۔ اور تلاش کمال کے کارناموں سے لبریز ہے۔ جستجو کمال میں پانچ سال کی عمر میں مادرِ مشفق کی گود سے جُدا ہوئے۔ اور جب تک گوہرِ مقصود کو نہ پالیا۔ واپس نہ ہوئے۔ ۱۴ برس کے سن میں جب کہ افغانی خون رگوں میں جوش مارنے لگا۔ اور بازو طاقت سے بھرپور ہو گئے۔ تو ایک چھُری بغل میں پکڑ لی۔ اور جہاں غیر شرع کام ہوتا دیکھتے۔ وار کر دیتے۔ یہاں کے زمانہ کے شیخ اجل خواجہ نور محمدؒ کی مجلس میں رقص اور سرود کا چرچا سُنا۔ تو طبیعت کی آزادی نے چین نہ لینے دیا۔ اور ان پر پل پڑے۔ جفاکشی کا یہ عالم تھا۔ کہ ایک دفعہ ۱۸۰ میل کا سفر تین دن میں طے کیا۔ خون اتنا بہا کہ جُوتے سے نکل پڑا۔ پھر بھی چلتے رہے۔ ایک دفعہ آپ کو بچھو نے کاٹا۔ تو کانٹا سمجھ کر چلدیئے۔ بیکانیر کے بے آب لق ودق ریگستان میں روزانہ ۶۰-۷۰ میل چلے۔ سحور و افطار رمضان کے روزے ادا کرتے گئے۔ زرنقد جو کچھ ہاتھ لگتا۔ اوروں کو دیدیتے۔ اس سفر میں ایک امیر نے ہُنڈی لکھ دی۔ تو وہ ایک رفیق کو بخشدی۔ یہی رفیق جب چوروں کے خوف سے کانپنے لگا۔ تو اُس کی جیب سے روپے نکال کر جنگل میں پھینک دیئے۔ اور محض توکّل کے زادِ راہ سے اس خطرناک سفر کو طے کیا۔

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۶۸

بچپن ہی سے ہمت بلند اور خیالات وسیع تھے ۔ دس برس کی عمر میں آپ نے اپنے استاد زادہ سے وعدہ کیا۔ کہ اگر میں بادشاہ بن گیا۔ تو تجھے وزیر بناؤنگا۔ ایک گدائے بے نشاں کو یہ خیال ایسے وقت میں آتا ہے جب کہ اسبابِ ظاہری اس پر قہقہے لگاتے ہیں۔ لیکن تقدیر ہنس کر کہتی ہے۔ کہ بے شک میں تجھے ایسی روحانی سلطنت کا وارث اور امیر بناؤنگی۔ جس کے آگے شاہانِ زمان سر بسجود ہونگے۔ بڑے بڑے والیانِ ریاست کے تاج و تخت اور قسمت کے فیصلے تیری ایک ہاں اور نہیں پر موقوف ہونگے ؛

الغرض بچپن ہی سے نظر آتا تھا۔ کہ بچہ جس سیرت اور فطرت کا مالک ہے۔ وہ معمولی نہیں۔ بلکہ قدرت نے اُس کو کسی نہائی کمال کے لئے خاص کیا ہے ؛

یہ خیال کر لینا غلط ہے۔ کہ وُہ مادر زاد ولی یا بچپن سے صاحبِ کمال تھے۔ ہاں حصولِ کمال کے لئے جن بڑے بڑے نقش و نگار کی ضرورت تھی۔ نقاشِ ازل نے نہایت گہرے رنگ کے ساتھ آپ کی تصویر میں بھر دئے تھے۔ غرضیکہ آپ کا شجرِ معرفت قانونِ ارتقا کے ماتحت رفتہ رفتہ بلند ہوتا گیا۔ اور نہایت جلدی نشوونما پاکر اوجِ کمال پر جا پہنچا ؛

علومِ ظاہری کے خوش نما مگر پیچدار رستوں سے گزر کر جب عالمِ سلوک کے خار دار میدان میں قدم رکھا۔ تو اِتنے تیز چلے۔ کہ بڑے بڑے عارف اِن کی گردِ راہ کو نہ پاسکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عشق کی پہلی منزل میں ہی آپ پر چشمِ معنی کھُل گئی۔ اور تین ماہ کے اندر اندر اُن حقیقتوں کو دیکھا۔ اور عرفان کے اُن مستانہ نعروں کو سُنا۔ جو اس منزل کے منتہی سالک دیکھتے اور سُنتے ہیں۔ سفرِ دہلی میں درختوں کے پرندوں نے "السّلام علیکم یا سُلیمان جی" کے الفاظ میں آپ کا استقبال کیا۔ کھوپڑی زبانِ حال سے بول اُٹھی۔ اندھیری راتوں کے سفر میں نورانی صورتیں آپ کی خضرِ راہ ہوئیں۔ کانو دمیں ایک عارفِ کامل امیری لباس میں آپ سے آکر ملے۔ اور ضیافت کی۔ دلّی میں پہنچے تو عارفِ دلّی کی آخری صحبت دید

کو سُنا! اور قلم کا تبرک حاصل کیا ،،

تکمیل نعمت کا وقت آیا۔ تو معرفت اور حقیقت کے سینہ سے اتنا دُود چوس گئے کہ خود مربی حیران تھے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا " آفرین ہے پٹھانوں کے ہاضمہ اور ہمت پر،، ؛

تکمیل نعمت کے بعد جب آپ پر گناہگار مخلوق کی تلقین اور ہدایت کا بوجھ ڈالا گیا۔ تو آپ کلیمی اصرار کے ساتھ پیش آئے۔ اور یہ بوجھ اُٹھایا۔ تو اِس شان سے کہ جب تک جنابِ سالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مریدوں کے حق میں مغفرت کا وعدہ نہ لے لیا۔ انکار کرتے رہے ؛

شروع میں بیعت کو عام نہ فرماتے تھے لیکن پھر عام بیعت کا دروازہ کھولدیا ؛ نورالدین ڈھنڈوئی (ایک عالم فاضل صاحبِ ذوق وجد شخص تھے) سے شرما گیا۔ وجہ پوچھی تو فرمایا " مجھے حکم ہوا ہے۔ کہ بیعت کرو۔ میں تمہارے ساتھ تمہارے مریدوں کو بخشنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ پس میں نے بخل مناسب نہ سمجھا"[۱] ؛

ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا۔ اور سُوءِ خاتمت کے خوف سے رونے لگا۔ آپ نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا " مریدی لاتخف"[۲] ایک شخص اپنی بدنصیبی پر یہ شعر پڑھ کر رونے لگا ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

آپ نے فرمایا " ایسا مت کہو۔ کہ بدنصیب میرے دروازے پر نہیں آئے گا "[۳] ؛

مقبولیت کے اس درجہ کے بعد آپ افادۂ خلقِ خدا اور ہدایت و تلقینِ روحانی کے کام میں مشغول ہوئے۔ اور رات کا جو کچھ وقت بچ رہتا۔ خدا کی عبادت اور مراقبہ میں بسر کرتے۔ مدارج یہاں تک بڑھتے گئے۔ کہ آپ اس حدیث قدسی کے مصداق بن گئے۔ "بی یسمع و بی یبصر و بی یبطش" چنانچہ ایک وقت آیا۔ کہ آپ جو کچھ مُنہ سے بولتے۔

---

[۱] یہ سب تعات اپنے اپنے موقعوں پر مذکور ہوئے ؛ [۲] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۷۰ [۳] منتخب صفحہ

وہی ہوتا۔ اور جو کچھ دل میں آتا۔ کردگارِ عالم پورا فرماتا۔ اِس بارہ میں قصے کرامات کے باب میں ذکر ہو چکے ہیں۔ ان دنوں آپ پر عموماً مستی اور وجدان کا عالم طاری رہتا۔ اور اس حالت میں ابرِ کرامت سے خوارقِ عادات کا مینہ برسنے لگتا۔ نتیجہ یہ کہ آپ کی ولایت کا شہرہ مشرق سے مغرب تک پھیل گیا۔ اور تونسہ کے بے آب و گیاہ صحرا پر خدا کی رحمت کا یہ سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ ہزاروں لوگ دور دراز سے آتے اور دامن کو ہر مقصود سے بھر کر چلے جاتے۔ سینکڑوں مستقل طور پر آکر بیٹھ گئے۔ تاکہ آفتابِ ولایت سے دل کو منور کریں۔ اور چونکہ آپ کی تلقین و ہدایت زیادہ تر شریعت اور احیائے سنت کے بغیر نہ تھی۔ اِس لئے ان میں اکثر چیدہ اور برگزیدہ علما تھے۔ جو علم و عمل کے ساتھ ذوقِ روحانی کے نشہ میں چور تھے ؂

مدارجِ ولایت کے ارتقائی منازل میں آپ پر ایک وقت آیا۔ کہ سید حسن عسکری رح دہلوی نے (جو بڑے مرتاض اور صاحبِ کمال بزرگ ہو گزرے ہیں) آپ سے وظیفہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔ "یہ کہ مجھے دیکھتے رہو"۔ یہ بھی عین شریعت تھی حدیث قدسی میں ہے۔ "النظر علیٰ وجہِ علی عبادۃٌ"۔ (حضرت علی کے چہرہ پر دیکھنا ہی عبادت ہے)[۱] ؂

مولوی دیدار بخش پاک پتنی نے ایک دفعہ جرأت کر کے آپ سے پوچھا۔ "کیا آپ خدا کو دیکھتے ہیں"۔ فرمایا۔ "ہاں دیکھتا ہوں۔ ہر وقت اور حاسۂ بصر سے"۔ اور فرمایا۔ "اے مولوی یہ سفید داڑھی کس لئے کی ہے۔ کیا اِتنا بھی نہ ہو۔ کہ میں اُس کا جمال دیکھ سکوں[۲]" ؂

ایک شخص نے آپ سے پوچھا۔ کہ یا حضرت! رسول کریمؐ فرماتے ہیں۔ "مَنْ رَاٰنِی فَقَدْ رَاَءَ الْحَق"۔ یعنی جس نے مجھے دیکھا۔ اُس نے خدا کو دیکھا۔ ہم رسول کریمؐ کو کیونکر دیکھیں"۔ "فرمایا۔ تم مجھے دیکھ لو۔ سمجھو۔ کہ تم نے رسولِ کریم کو دیکھ لیا[۳]۔ تصدیق میں ہے۔ "فَاذَا اتمّ الفقر هُوَ الله - یکون عیشه کعیش الله" ؂

برسوں آپ اس کوچہ میں رہے۔ ایک دفعہ لوگ بارش سے تنگ تھے۔ اور حضور میں

---

[۱] منتخب صفحہ ۱۵۰ [۲] ترمذی مناقب حضرت علیؓ [۳] مناقب المحبوبین صفحہ ۲۵۵/۲۶۸ [۴] منتخب صفحہ ۱۲۱ ؂

فرمادیے کر آئے۔ ایک بڑھیا سامنے بیٹھی تھی۔ فرمایا "یہی بارش نہیں ہونے دیتی۔ اسے تھپڑ لگا دو"۔ لوگوں نے آہستہ سے تھپڑ لگا دیا۔ اُسی دن اتنی بارش ہوئی۔ کہ تونسہ کا میدان پانی سے بھر گیا ؏

قمرالدین خان قصوریہ اور شیر محمد خاں سرو زئی کی زندگی کا چراغ آپکے ایک نقطہ سے فوری طور پر گل ہوا۔ (چنانچہ قصہ مذکور ہے) ؏

یا یہ حالت تھی۔ یا اور ایک زمانہ تھا۔ جب کہ تسلیم و رضا کے بغیر کچھ نہ تھا۔ لوگ دعا مانگنے کے لئے آتے۔ تو پتھر کھینچ لیتے۔ قاضی نور محمد کی عورت سخت بیمار تھی۔ اُس نے دلیری سے کہا۔ کہ "اسے شفا دو۔ اسی وقت آپکا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ اور فرمایا "کیا تم مجھے خدا کا شریک قرار دیتے ہو" ؏

گھر میں عُسرت تھی۔ خلیفہ محمد باران صاحب نے کچھ وظیفہ بتلایا۔ تو کچھ فتوح آگئی۔ شام کو گھر تشریف لے گئے۔ تو فرمایا "مجھے بدبو آرہی ہے"۔ جو کچھ آیا تھا نکلوا دیا ؏

صاحبزادہ گل محمد صاحب بیمار ہوئے۔ لوگوں نے دُعا مانگی۔ آپنے انکار کر دیا۔ فرمایا "جو خدا کو منظور ہے۔ وہی ہوگا"۔ چنانچہ شدت مرض میں راہئے ملک بقا ہوئے ؏

جوں جوں ثمرِ ولایت پختہ ہوتا گیا۔ مزاج میں تسلیم کا رنگ چڑھتا گیا۔ اِس عرصہ میں جب کبھی کرامت، وجد اور رقص کا ذکر ہوتا۔ فرماتے سالک میں یہ کمی ہے۔ ایک دفعہ لوگوں نے عرض کیا۔ کہ آپ بھی تو شروع میں خون کے آنسو روتے تھے۔ فرمایا۔ مجھ میں بھی کمی تھی۔ یہیں سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپکا شجرِ معرفت قانونِ ارتقا کے ماتحت بتدریج بلند ہوا۔ مدتِ دراز کے مجاہدے۔ عبادت ریاضت کے بعد وقت آیا کہ تیرھویں صدی کے ورثۃ الانبیاء کو ملک سلیمانی، دم عیسوی اور اعجاز موسوی بخشے جاویں۔ اور وہ جنابِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قدسی "العلماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل" کی عملی تصدیق دنیا کو دکھا دیں ؏

شوکتِ سلیمانی چنانچہ ایک وقت آیا۔ کہ اگر اُس وقت آپ چیونٹیوں کو، سانپوں کو، جنوں کو، مُردوں کو اور ٹڈی کو صرف پیغام سلیمانی بھی بھیج دیتے۔

تو یہ غیر ذی عقول ہستیاں تابع فرمان ہو جائیں ؛

اس وقت میں آپ فرماتے ہیں۔ کہ "اِس راہ کی بدولت اب میری یہ حالت ہے کہ اگر مَیں دنیا کو سونے اور چاندی کی روٹیاں تقسیم کروں۔ تو بھی ممکن ہے۔ لیکن لوگوں میں ظرف نہیں پاتا"۔ اِن دنوں ملتان شاہ کابلی نے ایک قیمتی ہیرا پیش کیا۔ آپ نے اسے چور چور کر کے پھینک دیا۔ اور جائے نماز کا دامن اُٹھا کر دکھایا۔ اُس کے نیچے اس قسم کے ہزاروں لعل وجواہر کی نہر جاری تھی ؛

دمِ عیسوی کشف و کرامات کے تذکرے میں آپ نے سینکڑوں مثالیں پڑھ لیں۔ کبھی ہاتھ کے تماس سے کبھی لب سے۔ کبھی پس خوردہ سے، خالی نظر سے دعائے بے ریا سے وظیفہ یا کسی معمولی دوائی سے، لاکھوں مریض آتے۔ اور اعجاز عیسوی سے شفا پا کر واپس جاتے ؛

اعجازِ موسوی آخر میں آپ کی زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آنے والا تھا۔ جب کہ آپ نے اپنے قافلہ کو بحرِ مواج سے اِس طرح صحیح وسالم پار اُتار دیا۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کے سب سے بڑے اولو العزم پیغمبرؑ نے قوم کو ساتھ لے کر عبور کیا ؛

ایک دفعہ آپ نے دریا کو اور دوسری دفعہ رودِ کوہی کو پیغام بھیجکر منوایا۔ کمال کی یہ وہ جھلک تھی جو ہم اسوۂ حسنہ فاروقِ اعظم رحؒ میں پاتے ہیں ؛

سب سے آخری رنگ جو آپ کی زندگی میں تھا۔ وہ شفقتِ علی الخلق اور رحمۃ للعلمین کا ظہور تھا شفقتِ علی الخلق کے سینکڑوں قصے مذکور ہو چکے ہیں ؛

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں آپ رحمت کا مجسم نمونہ بن گئے یہاں تک کہ آپ کے وجود کے دیکھنے سے گناہ زائل ہوتے ۔ اور مغفرت لازم آتی ۔ اِس ضمن میں آپ کی عمر کا سب سے آخری واقعہ ازدحامِ خلق اور صدائے مغفرت کا ہے ۔ یہ قصہ اس تواتر اور صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ انکار نہیں ہو سکتا ۔ اِس کی تفصیل آ چکی ہے ۔ اِس کا اجمال یہ ہے کہ آپ ایک دفعہ محلِ عبادت میں جلوہ افروز تھے ۔ صبح کا وقت تھا ۔ کہ آستانِ سلیمانی اور قریب کے تمام ٹیلے مخلوق سے بھر گئے ۔ اور فرطِ شوق سے ایک دوسرے پر

گرے پڑتے تھے دریافت سے معلوم ہوا۔ تو سب نے باتفاق کہا۔ کہ رات شام اور عشا کے درمیان ہمارے کانوں میں ایک آواز گونجی۔ کہ جو شخص ۱۲ ربیع الاول کو حضرت خواجہ حافظ محمد سلیمان رح کی زیارت کریگا۔ آتش دوزخ اُس پر حرام ہے۔ پس جس کے ناصیۂ قسمت میں یہ سعادت لکھی تھی۔ وُہ بے خود چل پڑے! اور میدان تونسہ ان بہشتی ارواح کے قدموں سے پٹ گیا۔ آپ کو اس ہجوم میں تکلیف ہونے لگی۔ تو خدام آپکے ارد گرد پگڑیاں لے کر کھڑے ہو گئے! اور لوگ ایک دروازہ سے آکر جھانکتے۔ اور دوسرے دروازہ سے چلے جاتے۔ رات تک یہی عالم رہا! اور رات کو مستورات نے اندرون خانہ سایۂ رحمت سے بہشت حاصل کیا۔

اس حالت کو دیکھ کر آپ کے پیارے اور رمز شناس شاگرد روحانی حاجی محمد خان[1] کاتب رو پڑے۔ اور کہا "ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کے وصال کے ایام قریب آگئے۔ جیسا کہ سُورت "اذا جاء نصر اللہ" کے نزول کے بعد آنسرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تھا۔ خدایا میں اس وقت کو نہ پاؤں۔ اور تو مجھے اُس وقت سے پہلے اُٹھا لے"۔ مقبوں کے پیرو کار بھی مقبول ہوتے ہیں۔ دُعا قبول ہوئی کہ خانصاحب حضرت اعلیٰ سے چھ ماہ پہلے چل دئے۔ یہ واقعہ بالکل اُسی طرح کا ہے جیسا کہ نزول آیت کے وقت یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رو دیا تھا۔ کہ اس سے مجھ کو یار کی دائمی فرقت کی بو آتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ اس کے بعد کوئی دوسری آیت نازل نہ ہوئی۔ اور وہ آیت رحمت سرائے فانی کو چھوڑ کر اعلےٰ علیین میں جا پہنچے۔

حقیقت میں یہ ساری باتیں کرامات کی نہیں تھیں۔ اور خوش اعتقادی خواہ ان کا نام کرامات رکھے یا خوارق عادات۔ لیکن یہ سب کچھ کیا تھا۔ ہمارا خیال ہے۔ کہ محض اتباع شریعت کی سچی اور عملی زندگی کے نتائج تھے۔ چنانچہ جب آپ دریا عبور کر کے کنارے پر آبیٹھے۔ تو آپ نے یہی فرمایا۔ کہ دریائے نیل فرعون کا حکم مانتے

[1] ان دو بیانات میں جہاں حوالے درج نہیں وہ سب قصے حوالہ جات کے ساتھ تفصیل لکھے جا چکے ہیں۔

ہم تو کلمہ شریف پڑھتے ہیں۔ آپ کی تمام زندگی اتباع شریعت اور احیائے سنت میں بسر ہوئی۔ اور اس کو دنیا کے سامنے عملی رنگ میں دکھلایا۔ شروع میں جب آپ پر سکر کی حالت طاری ہوئی۔ تو جب کبھی صحو میں آتے۔ تو فرماتے۔ کیا مجھ سے کوئی کلمہ خلاف شریعت یا کوئی خلاف سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ظاہر نہیں ہؤا۔ جب سب اطمینان دلاتے۔ تو آپ الحمدُ لِلّٰہ فرماتے۔ آپ کو اتباع شریعت کی ایک دھن تھی۔ اور یہ دھن آخر عمر تک بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ ایک رات آپنے خواب میں دیکھا۔ کہ میرے دونو پاؤں قرآن مجید پر ہیں۔ گھبرا کر چونک پڑے۔ علما کو جمع کیا۔ اور تعبیر پوچھی۔ مولوی محمد عابد نے جو علامۂ روزگار اور نہایت متقی پرہیزگار شخص تھے۔ تعبیر کہی۔ کہ آپ کے دونو عملی قدم احکامِ الٰہی اور شریعتِ حقہ پر ہیں۔ الغرض یہ سارے کرشمے آپ کے اتباع شریعت کے تھے۔

قدرت نے آنے والی مسلمان نسلوں کو دکھلایا۔ کہ آج بھی دور نہیں کہ اگر مسلمان شریعت بیضا کی صحیح تابعداری کریں۔ تو شوکتِ سلیمانی۔ دمِ عیسٰے۔ اعجازِ موسٰے کی روحانی وراثت کے ورثہ دار ہو سکتے ہیں۔ عین اس زمانہ میں جب کہ مغرب کی مادہ پرستی کی کالی گھٹا روحانیت کے چراغ کو گل کرنے والی تھی۔ جس کے باعث اسلام کے مغرب پرست سپوت روحانی کمالات کے انکار پر مجبور ہونیوالے تھے۔ ایسے وقت میں آپ کے ظہور سے قدرت نے دکھلا دیا کہ آپ کی زندگی ان کیلئے شمع راہ ہے۔

تلقین و تعلیم

آپ کی تعلیم قرآن اور آپ کی تلقین شریعت تھی۔ مگر وہ شریعت جس نے اولین زمانہ میں ایسے روحانی فرشتے پیدا کئے۔ جو ابر بلا ئیں تو وہ گریاں اتر آئے۔ آپکا مخاطب زیادہ تر علما کا گروہ تھا۔ آپ کے مدنظر اس گروہ کے اختلاف کو مٹانا اور ان کو روحانیت کے رنگ میں رنگ دینا تھا۔ کیونکہ آپکا خیال تھا۔ کہ اس گروہ کی

اصلاح اور تزکیہ باطن سے احیائے ملت کا کام ممکن ہے۔ فقر کے ساتھ آپ کو گہری دلچسپی تھی۔ لیکن اتنی جس کا تعلق سچی متابعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ؛

آپ کی علمی صحبتیں۔ اُن میں ذکر اذکار۔ اقوال آپ کی تعلیم و تلقین کا آئینہ ہیں۔ تیرھویں صدی تک علم شریعت اور طریقت کے آئینہ پر جو غبار آلود زنگ چڑھ چکا تھا۔ آپ کے اقوال نے اُس کو پاک صاف کیا۔ امتدادِ زمانہ سے صوفی اور عالم یکساں طور پر اپنی اصلیت بھلا چکے تھے! آپ نے دونو فریقوں کو یہ بھولے ہوئے سبق پھر یاد دلائے ؛

جس طرح سنّت قول اور فعل کا نام ہے۔ آنسرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی کارنامہ یہی ہے۔ کہ شارع نے جو فرمایا۔ وہ کر کے دکھایا۔ اور اپنے پاک نمونہ سے صحابۂ کرام رضہ کو بھی اس عملی رنگ میں رنگ دیا ؛

ٹھیک یہی صورت ہم سلیمانی تعلیم میں پاتے ہیں! آپ کے اقدام آثار عافیت اور چراغ ہدایت تھے۔ جن کی روشنی میں ہزاروں عالم اور سالک چل کر منزل مقصود پر پہنچے۔ غرض کہ آپ کی مجلس علم اور فقر کا وہ مقدس نمونہ تھی۔ جس کی نظیر خیرالقرون کے بعد مشکل سے ملتی ہے ؛

آپ کی علمی سرپرستی آپ کی علمی سرپرستی کا اندازہ یہاں سے کر لیجئے۔ کہ ایک دفعہ تمام طلبہ اور اساتذہ کی دوائی کا خرچ ایک ماہ میں سائٹھ روپے نکلا۔ اِس چھوٹے سے گاؤں میں بیسیوں حلقۂ درس قائم تھے جن میں دینیات کی ابتدائی اور انتہائی تعلیم کا انتظام تھا! اساتذہ اور طلبا کے تمام اخراجات کا بوجھ صرف آپ پر تھا۔ بحساب اوسط ڈیڑھ ہزار صرف طالب علم صبح و شام آپ کے خوانِ کرم سے پیٹ بھرتے تھے۔ کپڑا۔ مالش اور مطالعہ کے لئے تیل گھی کا خرچ۔ کتب درسی کا خرچ اِس کے علاوہ تھا۔ حجامت کے لئے حجام اور معالجہ کے لئے تنخواہ دار حکیم مقرر تھے۔ اِس زمانہ کی ضروریات کے مطابق علما کو اِن کی عزت اور قدر مراتب کا خیال کر کے معمولات ملتے تھے۔ جو اِن کے تمام کنبہ کے لئے مکتفی ہوتے تھے نقد اور جنس سے ان کی قدردانی مزید براں تھی خاص صورتوں میں شادی کے لئے نقد

روپیہ اور عروس کے لئے کپڑے اور زیور بھی دربار سلیمانی سے عطا ہوتے تھے یہاں تک بس نہ تھی۔ بلکہ ان میں سے ذہین اور ہونہار طلبہ کو منتخب کرکے دُور دُور بھیجتے تھے۔ تاکہ وہاں سے بے بدل عالم بن کر اپنے فیض سے دُنیا کو مستفید کریں ۔

یہ سب چھوٹے بڑے درس آپ کی نگرانی میں چلتے تھے حقیقت میں آپ نہ صرف ان درسگاہوں کے منتظمِ اعلےٰ اور مُدیر تھے ۔ بلکہ عبادت اور معمولات سے آپ کا جتنا وقت بچ رہتا۔ درس تدریس میں صَرف فرماتے ۔

علما کی قدردانی

عالموں کی بیحد قدر فرماتے تھے ۔ اور اُن کی معروضات کو نہایت غور سے سُنتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر اُن کی دنیاوی حاجات اہلِ دول کے متعلق ہوتی تھیں ۔ تو علما کی حاجت برآری کے لئے دنیا داروں کے پاس بہ نفس نفیس جانے سے دریغ نہ کرتے تھے ۔ اگر امراء بدقسمتی سے نشۂ دولت میں انکی کاربراری سے انکار کرتے تو شمشیرِ دُعا سے اُن کی تقدیر کا فیصلہ کرکے آتے ۔

اگر کسی امیر یا والئے ریاست کے متعلق یہ ثابت ہوتا۔ کہ اس نے کسی عالم کی بے توقیری کی۔ تو اُس سے ہمیشہ کے لئے مُنہ پھیر لیتے۔ جب تک کہ وہ تلافی نہ کرتا۔ چنانچہ مولوی عبیدالرحمٰن بھنڈوار کی جاگیر ضبط کرنے پر نواب صاحب بہاول پور سے قطع تعلق کر لیا تھا ۔ الغرض آپ علما کی ذات کے شیدائی تھے۔ کیونکہ آپ کا خیال تھا۔ کہ صرف اسی گروہ کے تزکیۂ نفس سے دین و سنت کا احیا ممکن ہے ۔

آپ کا علمی توغل

یہ سب چھوٹے بڑے درس (جس کا ذکر آیا ہے) آپ کی نگرانی میں چلتے تھے۔ آپ نہ صرف اُن کے سرپرست اور مدیر تھے ۔ بلکہ عبادت اور معاملات سے جتنا وقت بچ رہتا خود درس تدریس میں صرف فرماتے ۔ آپ کا خیال تھا۔ کہ "علم فقر سے افضل ہے"۔ مولوی محمد عمر صاحب کو (جو منتخب علامۂ روزگار اور دربار سلیمانی کے مایہ ناز عالم تھے) آپ نے بیعت کی اجازت دی تھی۔ مولوی صاحب نے عرض کیا۔ کہ تدریس اور اشاعتِ بیعت میں سے کونسا کام اختیار کرے۔ فرمایا "جس کا نام تم نے پہلے لیا۔ افضل ہے"۔ مولوی صاحب نے عرض کیا۔ کہ مجھے دُوسرے کی حاجت

نہیں۔ چنانچہ اخیر دم تک تدریس کے شغل کو ہاتھ سے نہ دیا۔[1]

احیائے علوم شرعی

تمام صوفیائے کرام اور مشائخ کبار کے صحائف زندگی کی ورق گردانی کی جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ مقدس گروہ ہمیشہ علماء ظاہر کا محسود رہا۔ عالموں اور ملاؤں کے شمشیر فتاوے سے بعض کے سر کاٹے گئے۔ اور بعض پر تکفیر کے آرے چلے۔ سُولی پر چڑھے۔ گویا باطنی اور ظاہری علوم ہمیشہ دست بگریباں رہے۔ لیکن سلیمانی کمالات کی امتیازی خصوصیت یہی تھی۔ کہ عامۃ النّاس اور فقرا کی نسبت علما کا گروہ آپ کی روحانیت کا زیادہ معتقد تھا۔ بڑے بڑے متبحر عالم دربار سلیمانی میں زانوئے ادب تہ کرتے۔ اور جمال جہاں آرا کی نورانی شمع پر پروانہ وار گرتے تھے۔ آپ آگے چل کر دیکھیں گے کہ علمائے زمان بڑے پیچیدہ اور معرکۃ الآرا مسائل لے کر آتے۔ اور سر تسلیم خم کر جاتے۔ مشکل سے مشکل علمی مسائل کی گتھیاں آپ اِس طرح زبانی سلجھاتے کہ علما عش عش کر کے رہ جاتے۔ بعض اوقات علما امتحان کے طور پر سوال بنا کر لاتے۔ اور تسلی بخش جواب پا کر حلقۂ ارادت میں داخل ہو جاتے۔ الغرض دربار سلیمانی علماء ظاہر کا مامن تھا۔ سینکڑوں کی تعداد میں علماء آکر آستانہ نشین ہو گئے جن کا کام دن بھر سرچشمۂ علوم کا بہانا۔ اور فارغ اوقات یا رات کو اِس شمع شبستان عرفان سے نور کا چُرانا تھا۔ علم اور فقر کا یہ اجتماع ضدین اُس مقدس اور پاک تعلیم کا نتیجہ تھا۔ جو بزم رسالت سے آج تک طاق نسیاں ہو گئی تھی۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کہ بظاہر آپ کی تعلیم قطبی تک تھی۔ لیکن بڑے بڑے مختلف فیہ مسائل کو آپ اس طرح فیصلہ کر دیتے کہ فارغ التحصیل علما میں مجال مقال نہ ہوتی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کا سینہ علم لدُنّی کا خزینہ تھا۔ کہ عالم تیار ہو ہو کر مسائل لے آتے۔ اور آپ صرف یاد سے اُن کا جواب دیتے جاتے۔ آیات اور احادیث۔ اقوال۔ اشعار اپنے بیان کی تائید میں زبانی پڑھتے جاتے۔ اور ساتھ ساتھ کتب کا حوالہ

[1] مولوی صاحب مؤلف اوراق ہٰذا کے جدامجد ہیں۔ یہ قصہ اگرچہ کتب میں مرقوم نہیں لیکن مَیں نے اپنے والد سے اور میرے والد نے اپنے والد کی زبانی خود سُنا۔

دیتے جاتے۔ علما عموماً بے ساختہ سوال لاتے۔ اور بعض اوقات امتحان کی حیثیت سے آتے۔ مگر فی البدیہہ جواب پا کر قلب سلیم کے ساتھ واپس جاتے ؛

آپ بعض اوقات آیات و احادیث۔ اشعار کے الفاظ سے ایسے علمی نکات استنباط کرتے۔ جو حقیقت میں مضمون کی جان ہوتے تھے ؛ آپ کا زمانہ دینی مسائل کے انحطاط اور تاریکی کا زمانہ تھا۔ علما نے احادیث و اقوال کی تاویل سے دین کو ایک گورکھ دھندا بنا دیا تھا۔ اور اسلام کے سادہ اور روشن مسائل کا چہرہ علما کی کج بحثیوں کے غبار میں گم ہو گیا تھا۔ آپ کی تعلیم و تلقین کی روشنی سے اُس کی اصلی جھلک نظر آنے لگی۔ جیسا کہ علمی تبحر کے بیان میں آپ پڑھیں گے ؛

علم با عمل کی ترغیب علما کے سفید دامن پر سیاہی کا سب سے زیادہ بدنما دھبہ یہی ہو سکتا ہے۔ کہ ان کا علم عمل کی توفیق سے خالی ہو۔ آپ کی سرپرستی میں جو سب سے زیادہ مشکور اور جو بات سب سے زیادہ ممتاز نظر آتی ہے۔ وہ یہ کہ آپ نے جتنے عالم پیدا کئے وہ عملی زندگی کا نمونہ اور روحانیت کا مجسمہ تھے ؛

اصل یہ ہے کہ جادۂ شریعت و طریقت پر آپ کا ایک ایک قدم دعوتِ عمل کی ترغیب اور صدائے حق پر لبیک تھا جس سے علماء اور فقرا نے یکساں طور پر از سر نو عملی اور روحانی زندگی کا سبق لیا۔ اس بارے میں سینکڑوں اقوال آپ کے تذکرے میں بھرے ہوئے ہیں۔ جن کو آپ نے ۹۴ سالہ زندگی میں بار بار دہرایا۔ اور سچ کے دکھایا۔ انہیں میں سے چند یہ ہیں :-

اوّل۔ علم عذاب کا باعث بھی ہے۔ اور ثواب بھی۔ ثواب تب جبکہ اسی کے ساتھ ہدایت شامل ہو۔ ورنہ وہ سر کا بوجھ ہے ؛

دوم۔ عالم دوزخ یا بہشت میں اکیلا نہیں جائے گا بہشت میں جائے گا۔ تو سینکڑوں کو ہمراہ لے کر۔ دوزخ میں پہنچے گا۔ تو ایک جتھے سمیت۔ کیونکہ ہدایت اور گمراہی کا مدار عالم کے نمونہ پر ہے ؛

سوم۔ علم ایک تلوار ہے۔ کہ اگر عالم کے بازو میں قوتِ عمل ہے۔ تو اُس سے

دشمن (شیطان) کا کام تمام کریگا۔ ورنہ وہی شخص (دشمن) اس کی تلوار سے اُس کا سر اُڑا دیگا ۔

چہارم۔ اے بیٹا! ہدایت علم میں نہیں۔ اِس کا تعلق نصیبۂ ازلی اور قوتِ عمل پر ہے۔ اگر اِس کا مدار علم پر ہوتا۔ تو علامہ زمخشری کا سا ہمیشہ عالم معتزلی نہ ہوتا۔

پنجم۔ اے بیٹا! تسلی کر۔ کہ اگر ہدایت تیرے نصیب میں ہے۔ تو علم تیرے عمل کا زیور رہے گا۔

ششم۔ خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ انا لا نُضِیعُ اجر من اَحسَنَ عملا۔ (ہم نہیں کھوتے بدلہ اُس کا جس نے بھلا کیا کام) سالک کو چاہیئے کہ جہد بلیغ اور عمل میں سرگرمی اپنا نصب العین رکھے[1]۔

عشقِ الٰہی کی ترغیب

علما کا فرقہ عموماً اور خشک زاہد خصوصاً اس نعمت سے بے بہرہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ علما کی صحبتوں میں عشق کی فضیلت پر مستقل وعظ ملتے ہیں۔ اِن مواعظ اور آپ کی عاشقانہ زندگی کا یہ اثر تھا۔ کہ سب سے سب عالم جو آپ کے دربار میں رہتے تھے۔ یا آئے۔ چشم تر لے کر جیئے۔ اور آہِ سرد لے کر گئے۔

مکھڈ میں مولنا محمدؐ علی ایک بڑے پایہ کے عالم تھے۔ آپ کی شہرت سُن کر کمال کے طالب ہوئے۔ آئے۔ اور آپ نے آنے سے پہلے ایک عرضی لکھ بھیجی۔ مقصد یہ تھا۔ کہ آپکے مشن زندگی کا پتہ لیں۔ آپنے فی البدیہہ یہ رُباعی لکھکر بھیجدی ؎

صوفی مبا کہ شرب رنداں است مہیا	این جا چہ کار داری کز رنداں است مہیا
ناموسِ پارسائی کردی زمدتے	این جا شراب خواری رنداں است مہیا

رباعی کیا تھی ایک چنگاری تھی۔ جو مولوی صاحب کے بارود خانہ فطرت میں

[1] یہ سب اقوال کتاب نافع السالکین سے لئے گئے۔

پڑی۔ فوراً اچل پڑے۔ اور اس جواب کے ساتھ اپنے تئیں پیش کیا ؎

من برائے دیں فروشی سُوئے تو آمدم تا دین دہم بر رُوئے تو
نام و ناموسم نمانده حبّۂ تا که پا انداختم در کُوئے تو

فوراً آپ کی مکمل توجہ کے مورد ہوئے۔ اور کمال باطن کے ساتھ واپس گئے۔ آپ عشق و محبت کے بادل تھے۔ عشق کا نام سُن کر ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگ جاتے تھے۔ آپ کا مشرب یہ تھا۔ کہ عشق الٰہی کے بغیر زہد اور علم بیکار ہے۔ آپ کا خیال تھا۔ کہ جس طرح روحانیت کا معراج عشق ہے۔ دنیا میں امتحان زندگی کا تمام راز عشق کے لفظوں میں بند ہے۔

عشق کی ترغیب میں آپ کے بے شمار اقوال ہیں۔ حدیث میں آیا ہے۔ العشق من غیر ربہ کفارۃ الذنوب۔ پس جب غیر رب کا عشق کفارہ گناہ کا باعث ہے۔ تو لوگو! سوچ لو۔ کہ خدا اور نبی کا عشق کس رتبہ پر پہنچا سکتا ہے۔ کسی نے پوچھا۔ کہ حضرت یہ اختیاری بات نہیں۔ فرمایا۔ اہل عشق کے ساتھ بیٹھو تاکہ تمہیں عشق حاصل ہو۔ لوگو! خدا تک پہنچنا لازم ہے۔ مگر یہ عشق کے بغیر محال ہے ؎

کارِ من از عشق مشکل مے شود خانمانم در سرِ دل مے شود
ہر زماں خواہم کہ بگریزم ز عشق عشق پیش از من بمنزل مے شود

فرمایا۔ عشق کا کمال یہ ہے۔ کہ معشوق کو اپنی ذات میں اور اپنے تئیں معشوق میں بھلا دے یہاں تک کہ نہ اُمیدِ وصال رہے۔ اور نہ غمِ ہجراں ؎

چوں از تو بجز عشق نجویم بجہاں ہجران و وصلِ تو مرا شد یکساں

کبھی ہجومِ غم میں فرماتے ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

ندارم اختیارِ خویش با تو سپردم جملہ کارِ خویش با تو
الٰہی جملۂ عالم بندۂ تست بزیرِ منت و افگندۂ تست
کرم بخشی بہ تنہا جانِ غریباں دہی مقصد مرادِ بے نصیباں

فرماتے ہیں۔ کہ جو لوگ خدا کے عشق میں گداز ہوتے ہیں۔ ان کا تصرف دنیا کی ہر ایک

چیز پر ہوتا ہے ؎

ہر دل کہ درو مہر تو آمیختہ شد عاقبت از کنگرۂ عرش آویختہ شد

فرمایا "سلیم القلب وہ ہے۔ کہ معشوق کے آگے چپ چاپ رہے۔ نہ اپنی خواہش کا اظہار کرے۔ اور نہ دوسروں کا سوال پیش کرے۔ کہ "الفقر لا یحتاج الا اللّٰہ" کسی نے عرض کیا کہ اگر ایسا ہو۔ تو ہم کہاں جائیں تسلیم کا وقت تھا۔ فرمایا "کوئی مرے کوئی جیوے سُتھرا گھول بتاسے پیوے" خواہ کوئی مرے یا جیئے۔ ہمیں لذّت عشقِ الٰہی سے کام ہے۔

عشق کے معاملات میں چھیڑنے کا بہانہ ہوتا۔ تو شعر و اشعار کی جھڑی لگ جاتی تھی۔ ایک دن مولوی نور جہانیاں بہاولپوری نے پوچھا حضرت! عشق کیا ہے۔ فرمایا "العشق نار یحرق ماسوی اللّٰہ" یعنی آگ جو سوائے محبوب کے سب کچھ جلا دے۔ قرآن پاک میں آیا ہے۔ کہ "نار اللّٰہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ" ایک عاشق کہتا ہے ؎

آسودہ دلا حال دل زار چہ دانی خونخوارئے عشاق جگر خوار چہ دانی
ہرگز نہ خلیدہ بہ کف پائے تو خارے آزردگیٔ سینۂ افگار چہ دانی

امیر خسرو فرماتے ہیں ؎

عشق چو آتش عشق چو ہیزم عشق چو شمشیر عشق چو غازی
عشق بسوزد عشق ببرد عشق نباشد طفلک بازی

میں نے ایک کتاب میں دیکھا۔ کہ عشق میں ع سے مراد "عنایت" ش سے مراد "شکر" اور ق سے "قناعت"۔ عنایت یہ کہ خالق کی فرمانبرداری میں جان تک دیدے اور مخلوق میں اپنی محبوب ترین چیز ایثار کر دے۔ شکر، یہ کہ ہر آزار میں معشوق کی یاد کے بغیر دل پر کچھ نہ لائے۔ قناعت، یہ کہ اس کا شکوہ یا اظہار کسی حال میں کسی کے آگے نہ کرے۔ اکثر عشق کو خطاب کر کے یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

مرحبا عشقا بیا خوش آمدی در دلم جا کن۔ کہ دلکش آمدی

آمدی و بردی از ما صبر و تاب　　خانمان آباد۔ اے خانہ خراب

لیکن آپ کتمانِ عشق کی ہمیشہ تاکید فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا: "من عشق وعف و کتم فقد مات شہیدا"۔ (جس نے عشق اختیار کیا۔ اور پاک دامن رہا۔ نیز اُسے چھپایا یقیناً وہ شہید مرا) فرمایا فقیر وہ ہے۔ جو عشق میں ثابت قدم ہو کاملین ثابت قدم رہ کر اپنے دل کو روشن کرتے ہیں۔ آپ فرطِ شوق میں عربی کا ایک شعر پڑھتے تھے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "میرا شوق آپ کی طرف ایسا ہے۔ جیسا کہ بیمار کا صحتِ نفس کی طرف"۔ فرمایا: "فطرت کا تقاضا۔ طبائع کی ترکیب۔ قیاس۔ فہم اور حس کی رُو سے یہ غیر ممکن ہے۔ کہ ایک شخص کو دوست رکھیں۔ اور اُس کی محبت اُس کی طرف نہ ہو۔ یہی حال سالک کا ہے"۔ لوگوں نے حضرت محبوبِ الٰہی رحؒ سے پوچھا۔ عاشق کے اضطرابِ دل کا اثر معشوق پر کیا ہوتا ہے۔ فرمایا: "اس کا باعث ہی وہی ہوتا ہے"۔ اس پر آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

عاشقاں ہرچند مشتاقِ جمالِ دلبر اند

دلبراں با عاشقاں از عاشقاں عاشق تر اند

آپ امراضِ روحانی کے حکیم تھے۔ اور قسوتِ قلبی کے جراح۔ لوگ حصولِ عشق کے لئے عرض کرتے۔ تو آپ دعا تلقین فرماتے:۔

اللھم انی اسئلک حبك وحب من یحبك والعمل الذی یودی الی حبك۔ اللھم اجعل حبك الی من نفسی واھلی ومالی کالماء البارد الی العطشان ؛

اور بعض کو یہ دعا سکھلا دی۔ اللھم حلاوۃ الحب فی محبت اللہ ؛

اگر کوئی عشق کی تمنا کرتا۔ خوش ہوتے۔ دعا کرتے اور آہ سرد بھر کر فرماتے کاش! ہمیں عشق کی گدھی کی لات ہی لگ جاتی۔ تو کیا اچھا ہوتا۔ مفصل قصہ مذکور ہوا[1] ؛

---

[1] عشق کے متعلق تمام اقوال مندرجہ ملاحظہ ہوں منتخب صفحہ ۸۰ اور ۱۱۴ تا ۱۱۷ ؛

تقدیر و عمل

تقدیر کا مسئلہ مسخ ہو کر آج جس شکل میں مسلمانوں کا عقیدہ بن گیا ہے۔ اس سے قوم کے اعضا شل ہو کر عملی طاقت کھوئی جا چکی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ مسلمان مقابلہ کے میدان میں اقوامِ عالم سے بازی ہار رہے ہیں۔ اگرچہ ان مباحث سے آپ کو احتراز تھا تاہم آپ نے اِس مسئلہ کو پُوری طرح واضح کیا۔

آپ کی تلقین تھی۔ کہ قسمت اگرچہ حق ہے۔ لیکن انسان کے عمل ہی اُس کی اچھی قسمت پیدا کرتے ہیں +

ایک شخص[1] نے آپ کی خدمت میں پُوچھا۔ کہ حضرت! خدا عمل سے ملتا ہے یا قسمت سے۔ فرمایا۔ "قسمت سے مگر عمل شرط ہے"۔ اور یہ شعر پڑھا ؎

بہ جستجوئے نیابد کسے مُراد دلی کسے مُراد نیابد کہ جستجو نکند

خوب! شعر کی بلاغت اور پھر اُس کا مَوقع ملاحظہ ہو +

آپ کی تلقین تھی۔ کہ بہشت اور دوزخ در اصل خالی ہیں۔ انسان کے اچھے اعمال بہشت (آسائش) اور بُرے اعمال دوزخ (زحمت) بن جاتے ہیں +

فرمایا۔ "ایک بزرگ نے دوزخ کو خواب میں دیکھا۔ کہ وہ خالی ہے۔ حیران ہوا اور خدا سے عرض کی۔ کہ مَیں تو اِس کے خلاف سمجھتا تھا۔ الٰہی اِس میں حکمت کیا ہے؟ فرمایا کہ جب نیک انسان مر جاتا ہے۔ تو اُس کے اعمالِ حسنہ ہی باغ و بہشت اور حُور و قصور بن جاتے ہیں۔ اور جب بُرا آدمی مرتا ہے۔ تو اُس کے بُرے فعل ہی سانپ اور بچھو بن جاتے ہیں۔ (بہشت اور دوزخ اعمال کی تمثالیہ شکلیں ہیں۔ نہ کہ الگ الگ مقامات) +

آپ کے تربیت یافتہ فاضل اجل مولانا صابرؒ وصایا میں فرماتے ہیں۔ کہ "بہشتی و دوزخی اگرچہ مقسوم است۔ امّا از اعمال ہا معلوم" +

فرماتے ہیں "جب تمہیں کوئی بیماری ہو۔ تو فوراً علاج کرو۔ کیونکہ یہی سنت ہے۔ ہاں اسباب پر بھروسہ نہ کرو۔ اور حق تعالیٰ ہی کو مؤثر حقیقی جانو۔ کیونکہ اگر صرف دوا میں شفا ہوتی۔ تو کوئی دولتمند مرنے نہ پاتا۔ پس نافع اور ضار محض خدا کی ذات ہے +

[1] یہ شخص ہندو تھا۔ اور حق کا طالب +

کسبِ حلال کی ترغیب

یہی وجہ ہے کہ آپ کی بڑی ترغیب کسبِ حلال کی تھی۔ اس بارہ میں سب سے بڑی نمائش آپ کا نمونہ تھا۔ کہ باوجود خزانہ غیب سے انبار در انبار نعمت کے بھی صرف اسی زمین کی پیداوار سے کھاتے۔ جو جدّی ورثہ سے ملی تھی۔ آپ اپنی پاک صحبتوں میں ہر وقت کسبِ حلال پر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اور مختلف حکایات سے اسے دلچسپ بناتے۔ فرماتے۔ اے لوگو! حلال کی کمائی میں اس قدر برکت ہے۔ کہ کاسبِ حلال جو کچھ مُنہ پر لاتا ہے کردگارِ عالم پُورا فرماتا ہے ؛

فرمایا کرتے تھے کہ "پہاڑ میں ایک شخص تھا۔ جس نے اپنے بیل حلال چارہ سے پال رکھے تھے۔ اتفاق سے وہ چوری ہو گئے۔ اور چور میرے پاس پکڑے ہوئے آئے۔ انہوں نے اصل مال دینے سے انکار کیا۔ وہ شخص طیش میں آیا۔ اور تین دفعہ ایک چھڑی کو زمین پر دے مارا۔ اور کہنے لگا۔ اے رب تعالےٰ! اگر مَیں نے یہ بیل حلال چارہ سے ہی پالے ہیں۔ تو میرے ایک بیل کے عوض چور کے تین بیٹے سنبھال لے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ چور کے تینوں بیٹے تھوڑے ہی دنوں میں مر گئے [۱]

فرمایا۔ ایک عالم کسی خطرناک بیماری میں مبتلا تھا۔ مایوس ہو کر ایک فقیر کے پاس گیا۔ فقیر نے سورت الحمد پڑھ کر دم کی۔ اور اسے شفا ہو گئی۔ پوچھا گیا۔ کہ یہ رتبہ تم نے کہاں سے پایا۔ کہا لقمۂ حلال سے ؛

لوگو! تم نہیں دیکھتے کہ جو مزدوری پیشہ لوگ کڑکتی دھوپ میں کام کرتے ہیں وہ کبھی نہیں تھکتے۔ یہ طاقت اُن میں کسبِ حلال سے ہے ؛

عالموں کو ترغیب دی کہ بہت خفیف سے خفیف اُجرت بھی مسئلہ شرعی کے عوض کچھ نہ لیں۔ فرماتے تھے۔ کہ پہاڑ میں ایک عالم تھا۔ جو ہل چلا کر بسر اوقات کیا کرتا تھا۔ ایک دن وہ ہل چلا رہا تھا۔ کہ ایک شخص کسی مسئلہ شرعی کے دریافت کرنے کیلئے حاضر ہوا۔ اور قاضی جی سے ہل لے کر چلانے کا ارادہ کیا۔ تاکہ اُسے امداد مل جائے عالم جس لکڑی سے بیل چلا رہا تھا۔ اُسے پیٹنے لگا۔ اور کہا۔ دور ہو کہ تو مجھے رشوت میں ملوث کرتا ہے۔ الگ ہو کر بیٹھ گیا۔ اور مسئلہ بتلا دیا ؛

[۱] منتخب صفحہ ۷۵ ؛

فرماتے۔ قرآن کریم میں جو اعمال صالحہ کے اُٹھائے جانے کی بشارت ہے۔ اس سے مراد کسبِ حلال کا لقمہ ہے۔ سلطان ابراہیم بلخی نے ایک شخص کو خواب میں دیکھا۔ کہ وہ ریاضت و مجاہدہ میں خود اِن سے بھی بڑھ کر ہے۔ لیکن اُس کی تمام عبادت ضائع جا رہی ہے، حیران ہو کر وجہ پُوچھی۔ تو جواب ملا۔ کہ یہ شخص لقمۂ حرام سے پیٹ بھرتا ہے۔ الیہ یصعد الکلمُ الطیّبُ وَالعملُ الصّالحُ یرفعہ ط میں اعمال صالح کے رفع کا جو ذکر ہے۔ اس سے مراد کسب حلال کا لقمہ ہے۔ آپ نے اُسے متنبہ کیا۔ اَور وُہ خدا کا مقبول ہُوا ؛

فرمایا۔ شروع میں شاہانِ اسلام دہلی کی عادت تھی۔ کہ اُن کے مطبخ (باورچی خانے) دو قسم کے ہوتے تھے۔ عام۔ خاص۔ خاص کچن میں صرف وہ کھانا پکتا تھا۔ جو وہ خود یا ان کے اندرونِ خانہ کفش دوزی یا کتابت قرآن وغیرہ سے حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ شاہانِ دہلی کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے کلام مجید کے قلمی نسخے اب تک چشتیہ بزرگوں کی خانقاہوں میں موجود ہیں ؛

اگرچہ سحابِ کرم نو دردں پر فشا۔ اَور پیر روشن ضمیر کی ہدایت تھی۔ اور سائل کو خالی ہاتھ کبھی نہ لوٹاتے۔ تاہم سوال سے آپکو بے حد نفرت تھی۔ یہاں تک کہ طلبہ جو زمانہ سابق میں دن بھر محنت اور مطالعہ میں بسر کرتے۔ اور رات کو گداگری سے پیٹ بھرتے آپنے بند کر دیا۔ شروع میں جب آپکو آپ کے اُستاد نے گداگری کے لئے بھیجا۔ تو بھیک مانگنا منظور نہ ہُوا۔ ایک گھر میں گھس گئے۔ اَور روٹی چھین لائے۔ اُن کے مُربّی کا قول تھا کہ دہیلہ گداگری نہیں جانتا ؛

توکّل کی تلقین

توکّل کی ترغیب دی تو اِس طریقہ سے کہ کام کئے جاؤ۔ اَور خدا پر بھروسہ کرو۔ نہ یہ کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہو۔ یہ شعر بارہا فرماتے ؎

کار ہا بر خواہشِ خود ساختن کارِ خدا است
بندہ باشی اے تو ناداں پس چرا گردی خدا

آپ عجز کا نام توکّل نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔" جب ابراہیم علیہ السّلام کو

آگ میں ڈالنے لگے۔ تو جبرئیلؑ اُترا۔ اور کہا کہ نہیں کچھ حاجت ہو۔ تو کہہ دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے تیری کچھ حاجت نہیں۔ اور جس کے ساتھ ہے اُسے کہنے کی ضرورت نہیں۔ خدا کو رحم آیا۔ اور فرمایا۔ یَا نَارُ کُونِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ (ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈک ہو جا۔ اور آرام ابراہیم پر) ترجمہ مولنا محمود الحسن ؀

آپ کا خیال تھا۔ کہ اِس بارہ میں مذہب کی قید نہیں۔ خدا کی مخلوق کا جو فرد اُس پر بھروسہ کرتا ہے۔ اور امداد چاہتا ہے تو اُسے فطرت الٰہی اپنے امن میں چھپا لیتی ہے۔ (چنانچہ ایک ہندو کا ذکر ہے۔ کہ کسی جنگل میں جا رہا تھا۔ رستہ میں چور ملے۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ اسے مار ڈالیں۔ اور مال لوٹ لیں۔ یہ شخص اُن کے ارادہ سے مطلع ہوا۔ اور گریہ و زاری کے ساتھ خدا سے اپنی نجات کی دُعا مانگی۔ اتفاقاً ایک کنواں نظر آیا۔ چور پیاسے تھے۔ اُن میں سے ایک نے تلوار اُٹھائی اور اُس کی انی سینہ پر رکھ کر پانی پینے لگا۔ خدا کی قدرت تلوار کی انی میان سے نکلی اور سینہ سے پار ہو گئی۔ ہندو نے شکر ادا کیا اور اُسے تائید سمجھا۔ خنجر پکڑا اور دُوسرے چور پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا) ؀

فرماتے ہیں ”غیر حق پر تکیہ کرنا ایک حادث (فانی) بھروسہ ہے۔ پس بھروسہ اُس ذاتِ باری پر کرنا چاہئیے۔ جو ازلی اور ابدی ہے“ ؀

یار محمد خاں ملغانی کا قصہ آپ پڑھ آئے ہیں۔ کہ جب اپنا وطن مالوف چھوڑ کر غیر ملک میں جانے لگے۔ تو فرمایا ”چودھویں والے خدا کو میرا اسلام دینا“[1] مطلب یہ تھا کہ یہیں محنت کرو۔ اور خدا پر بھروسہ رکھو۔ اسباب ظاہر پر بھروسہ چھوڑ دو۔ غرض اس قسم کے ہزاروں اقوال و مثال سے آپ توکل کا یہ سبق لوگوں کو سمجھاتے رہے۔ اور خود اُس کا عملی نمونہ بن کر دکھلایا[2] ؀

حُبِّ دنیا سے پرہیز

حُبِّ دنیا مہلک ترین رُوحانی مرض ہے۔ اور اس سے مراد وہ ہے۔ جو حق و باطل کے دیکھنے میں اندھا کر دے۔ گھر میں ہزاروں روپے ہوں

---

[1] کتاب ہذا ؀ [2] باقی روایات کا ماخوذ کتاب نافع السالکین ؀

لیکن انسان ان میں منہمک نہ ہو۔ اور اُن کی محبت اُسے یادِ خدا اور دینداری سے باز نہ رکھے۔ تو اُسے حُبِّ دنیا نہیں کہتے۔ آپ نے نہایت پُر زور اور شاندار طریقہ سے اُس کی تلقین کی ؞

صحیح روایات سے ثابت ہے۔ کہ ایک مشنری آپ کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کیا۔ کہ میں آپ کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کس زبان میں میرے ساتھ باتیں کریں گے۔ فرمایا "ہندکو (ملتانی اردو وغیرہ) پشتو۔ فارسی۔ عربی انگریزی بگوئی۔ ہم بگو۔" اُس نے فارسی کو پسند کیا۔ اور سوال کیا۔ کہ فقر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ اگر لاکھ روپے کا فائدہ ہو جائے۔ تو اُسے خوشی نہ ہو۔ اور اگر لاکھ خسارہ آ جائے۔ تو اُسے ملال نہ ہو۔ اُس نے کہا۔ یہ غیر ممکن ہے۔ فرمایا ممکن ہے۔ کہا ناممکن ہے آپ نے فرمایا ممکن ہے۔ اُس نے کہا اچھا میں کیونکر قائل ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ امر حال سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ قال سے۔ اُس نے کہا۔ اچھا حال سے دکھایئے۔ آپ نے فرمایا۔ اِس کے لئے اسلام شرط ہے۔ اُس نے کہا مجھ سے تو نہیں ہو سکتا آپ نے فرمایا۔ پھر اس کے بغیر مجھ سے بھی نہیں ہو سکتا۔ اور چل دیا ؞

وارثِ سلیمانی حضرت خواجہ اللہ بخش صاحبؒ فرماتے ہیں۔ "اگر وہ اس وقت اسلام لاتا۔ تو آپ پر ایفائے وعدہ لازم آتا۔ اور چونکہ فقر و ولایت کا یہ آخری درجہ ہے۔ اِس وقت ایک اور سلیمان دنیا کو میسر آ جاتا۔ لیکن افسوس کہ اُس کا تعصب یاور نہ ہُوا ؞

آپ کا نمونہ آپ کی اِس تلقین کے عین مطابق تھا۔ ہزاروں کی گنج بخشی کے باوجود آپ فرماتے تھے۔ کہ مجھے اپنی خیرات سے کچھ فائدہ نہیں۔ کیونکہ مجھے اِس کے ساتھ محبت نہیں۔ غرض متعدد واقعے ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے۔ کہ آپ اِس کے اصلی عامل تھے ؞

آپ فرماتے تھے کہ تمام برائیوں کی جڑ حُبِّ دُنیا ہے۔ سالک کے دل میں جب تک یہ باقی ہے۔ غم باقی ہے۔ یہ شعر عموماً پڑھا کرتے تھے ؎

یا رب ہمہ خلق را بہ من بدخو کن　　از جملہ جہانیاں مرا یک سو کن

آپ حُبِ دنیا کے خلاف فرمایا کرتے تھے۔ جو چیز تمہارے نصیب میں ہے وہ تمہیں مل رہتی ہے۔ اور جو چیز نہیں ملتی۔ وہ تمہارے نصیب میں نہیں۔ پھر حرص کا کیا فائدہ ؛

بعض دفعہ بہت چھوٹے چھوٹے واقعات سے حاضرین کو اعلےٰ نکتوں کی طرف مائل کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک کتیا دیوانی ہو گئی۔ لوگ اُس کے مارنے کیلئے دوڑے۔ معلوم ہوا کہ وہ دیوانی نہیں۔ بلکہ کسی نے اُس کے بچے چھپا دئے جس سے وہ سرگرداں ہے۔ ایک آہ سرد کھینچی۔ اور فرمایا۔ خدا تعالےٰ کو خلقت کے وجود کے ظہور میں بڑی دلچسپی ہے۔ اِسی کا نتیجہ تھا۔ کہ فرمایا۔ کُنْتُ کنزاً مخفیاً اَحْبَبْتُ ان اعرف فخلقتُ الخلق ؛

قصہ لمبا ہو کر اسوہ صحابہ تک پہنچا۔ اور تاریخ و سیرت کا ایک باب بن گیا۔ سچے مسلمانوں کی پاک سیرت اور اعلےٰ کیریکٹر پر ہمیشہ گفتگو رہتی جس سے مقصود طبائع میں اسلامی سیرت کا بھرنا تھا۔ فرمایا شروع شروع میں خواجہ نظام الدین دہلوی پر کسی کا قرض تھا۔ اور اُس کے ادا کرنے میں ہمیشہ لیت و لعل کیا کرتے تھے۔ پھر جب اجودھن میں جا کر حضرت بابا فرید الدین گنجشکرؒ کی بیعت اور صحبت سے مشرف ہوئے۔ تو واپس آئے۔ اور پہلا کام یہی کیا۔ کہ قرض خواہ کو بلا کر قرضہ ادا کر دیا۔ قرض خواہ ہندو تھا۔ وہ کہنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم اسلام کے مقام سے آئے ہو۔ آپ نے اجودھن کا نام لیا۔ اور رو دیا۔ گویا اُس وقت اسلامی اخلاق کا غیر مذہب پر اتنا اثر تھا۔ کہ اُس نے خود بخود کہہ دیا ؛

الغرض بے شمار اقوال ہیں۔ کہ اگر سب کو یکجا کیا جائے۔ تو ایک الگ تالیف کی ضرورت ہے۔ جن سے پایا جاتا ہے۔ کہ آپ نے اپنے کامل نمونہ اور رنگین مجالس کے ذریعے اپنے مصاحبین کو اسلامی اخلاق کا نمونہ بنا کر دکھلا دیا ؛

نوٹ:۔ تعلیم و تلقین کے بعد جس قدر بیانات ہیں۔ اُن میں اکثر روایات کتاب

نافع السالکین سے لی گئی ہیں۔ جو آپ کا بہترین ملفوظ ہے۔ فاضل مصنف نے اس کتاب میں آپ کے بیشتر اقوال اور مواعظ کو جمع کر دیا جس سے آپ کی تلقین اور تعلیم پر پوری روشنی پڑ سکتی ہے یہاں اُس کے چند اقتباس لئے گئے۔ کاش کہ یہ کتاب پورے طور سے ترجمہ ہو کر ملک و ملت کے پیش ہو جاتی۔ تو علمی دنیا کی بہترین خدمت ہوتی۔ ہمیں بڑی تلاش کے بعد صرف اِس کی ایک مطبوعہ جلد میسر آئی۔ جس کے اوراق پارینہ ایسے منتشر اور بوسیدہ ہیں کہ ہاتھ لگانے سے ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگ جاتے ہیں۔ متن کی عبارتیں اور صفحات عموماً پڑھے نہیں جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ہر ایک آیت پر الگ الگ نمبر دینے سے عاجز رہے۔ اے کاش اگر اس کی تجدید اور ترجمہ پر فوراً توجہ نہ کی گئی۔ تو چند دن میں یہ دُرِ نادرہ حسرت کی آنسوؤں کے ساتھ مٹی میں مل جائیں گے ٭ (مؤلف)

فیوضِ باطنی

آپ کے فیوضِ باطنی کا سلسلہ بہت وسیع تھا۔ سید احمدؒ مدنی عرب میں۔ سید مستان شاہ کابلی افغانستان میں خلیفہ محمد باران صاحب فیر نیٹر میں مولوی محمد علی صاحب مکھڈی شمالی ہند میں۔ مولوی دیدار بخش صاحب پاک پتنی جنوب میں مولوی خیر پوری سندھ میں۔ مولوی نجم الدین چھینجوٹی دہلی میں۔ سید محرم علی چشتی اورنگ آباد جنوبی میں۔ حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب سنگھڑ میں +

یہ وہ بزرگ ہیں۔ کہ جہاں گئے اور جہاں رہے اُن سے الگ الگ ایک چشمۂ رشد و ہدایت پھوٹا۔ اِن کے علاوہ بیسیوں کی تعداد میں تھے۔ جو تقریباً تمام اسلامی دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے۔ اور اپنے مقدس نمونوں سے ملتِ اسلام کو فروغ دیا ٭

ہمارا فرض تھا کہ ہم اِن بزرگوں کے کارنامے گنتے۔ کیونکہ یہ کام اِس تذکرے کے ساتھ ایسا وابستہ ہے۔ کہ اِن بزرگوں کے حالات چھوڑ دئے جائیں۔ تو سیرت سلیمانی کا ایک بڑا حصہ ناتمام رہ جاتا ہے۔ لیکن حسرت ہے کہ اِن اوراق میں اِن کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ خدا نے اِس تذکرے کو قبولیت دی۔ تو ہمیں یا کسی اور کو اِس کی تکمیل کی توفیق بھی دیگا ٭

اِن میں اکثر وہ لوگ ہیں جنہوں نے مختلف اکناف عالم میں بیٹھ کر حلقۂ درس قائم کئے۔ اِن کی عملی زندگی نہایت پاکیزہ اور دیندارانہ تھی۔ اور اِن کا نمونہ سچی اسلامی زندگی کا نمونہ تھا۔ پس جو لوگ اِن کے حلقۂ اثر میں آئے۔ سب کو اُسی رنگ میں رنگ دیا۔ بعض اُن میں وہ لوگ تھے۔ جو دنیائے اسلام میں گھر گھر پھرتے اور اصلاح عامۃ الناس کا فرض انجام دیتے رہے۔ جو آپ کی زندگی میں ہی پھیلے اور اکناف عالم میں پھر کر تزکیۂ نفوس کیا۔ سب سے بڑی چیز اُن کی اپنی زندگی کا نمونہ ہوتا جسے دیکھ کر لوگ راہ راست پر آتے۔ اور اُن روحانی شعاعوں سے دلوں کو منوّر کرتے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا۔ جب کہ ہند میں اسلام کی کوئی باقاعدہ سلطنت نہ تھی۔ اور نہ ہی اسلامی دُنیا میں کہیں خلافت کبریٰ کا عَلَم موجود تھا۔ جس کے نیچے جمع ہو کر یہ روحانی فرشتے جہاد فی سبیل اللہ کرتے۔ لیکن بدعت اور ضلالت۔ طوفانِ بدتمیزی بداَمنی اور اخلاقی پستی کا جو اندھیرا چھا چکا تھا۔ اُس میں تزکیہ نفوس اور صلاح کار کے ساتھ اُن لوگوں نے جہادِ اکبر کا حق ادا کیا۔

یہ لوگ سال بھر کام میں لگے رہتے۔ اور سال میں ایک بار دربار سلیمانی میں پہنچ کر گلچینِ عرفان سے مشامِ جان کو تازہ کرتے تھے۔ لیکن اگر یہ لوگ سفر میں ہوتے تھے۔ تو بھی آپ کی توجہ ان پر خضر کی طرح شامل رہتی۔ جس کے متعلق بیسیوں قصّے ہیں۔

آپ کی مثال کا اثر

آپ کے فیضانِ تلقین میں سب سے بڑا اثر آپ کی مثال کا تھا۔ علما اور فقرا سے لے کر عوام تک آپ کی محبت میں اتنے رنگے ہوئے تھے۔ کہ ان کے ادنیٰ سے ادنیٰ اشارہ پر جان و مال تک نثار تھی۔ آپ کے ساتھ آپ کے حلقہ اثر عوام کو جو محبت تھی۔ یہاں ہم صرف ایک دلچسپ مثال پر اکتفا کرتے ہیں:۔

اُن دنوں جعفر قوم میں ایک چکرانی قبیلہ ایک زبردست قبیلہ تھا۔ اتفاقاً اُس قبیلہ کا ایک آدمی کسی دوسرے جعفر کے ہاتھ سے مارا گیا جو چکرانی قبیلہ میں سے تھا

قاتل اور اُس کا خاندان خوف زدہ ہو کر حضور کی خدمت میں آیا۔ کہ آپ فریقین میں صلح کرا دیں۔ اپنی قوم اور پھر اصلاح بین الناس۔ آپ نے فوراً تیاری کی۔ اور روانہ ہوئے۔ اور مقتول کے ورثا کے پاس جا کر اُترے۔ اُنہوں نے بڑی تکریم کی اور تشریف آوری کی وجہ پُوچھی۔ آپ نے اپنے آنے کی غرض و غایت بیان کی۔ مقتول کا والد اپنے خاندان میں ایک ذی اثر اور مقتدر شخص تھا۔ اُس نے اپنی قوم کے عمائد کو مشورہ کے لئے طلب کیا۔ عام رائے یہ تھی۔ کہ مقتول بے گناہ ہے۔ قصاص لیا جائے۔ بعض نے خوں بہا لینے کی رائے دی۔ مقتول کا والد چپکے چپکے سب کی باتیں سنتا رہا۔ آخر میں کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ لوگو! مَیں نے تم سب کا مشورہ سُن لیا۔ مگر میری تمنا یہ ہے۔ کہ میرے ہاں بارہ بیٹے ہوتے۔ اور ہر ایک باری باری سے مارا جاتا۔ تاکہ حضور اِس تقریب سے میرے کاشانۂ غربت میں قدم رنجہ فرماتے۔ اب مَیں نے مقتول کا خون معاف کر دیا ؛

یہ سُن کر آپ اُس کی عقیدت اور ارادت سے متاثر ہوئے۔ فرمایا جو کچھ خدا سے مانگتے ہو مانگو۔ مگر اُس نے صرف اتنا عرض کیا۔ کہ میری کچھ زمین پہاڑ میں واقع ہے۔ دُعا کریں۔ کہ وہ ہمیشہ آباد رہے۔ آپ نے دُعا دی۔ اللہ تعالےٰ کی شان ہے کہ آج تک (خواہ پہاڑ پر بارش ہو یا نہ ہو) وہ زمین ہمیشہ آباد رہی ہے ؛

آپ کا علمی تبحّر اور مجلسیں

سب سے زیادہ قابل قدر آپ کی مجلسیں تھیں۔ علمائے زمان کا ایک بڑا گروہ آپ کا حاشیہ نشین تھا۔ اِس سے ہر وقت آپ کی مجلسیں طرح طرح کے علمی تذکروں سے گرم رہتی تھیں۔ یہ مجلسیں کیا تھیں۔ آئینۂ حقیقت نما تھیں۔ تفسیر حدیث۔ فقہ۔ تاریخ۔ سیرت۔ سلوک کے ضروری اور معرکۃ الآرا مسائل کا حل اور یادداشتیں تھیں۔ جمہور علما کی ایک جمعیت تھی۔ جس کے آپ صدر تھے۔ علماء تمام مختلف فیہ مسائل

لے کر آتے۔ اور ایک صحیح اور ناطق فیصلہ کے سامنے سر جھکا کر جاتے جس میں حقیقت کا چہرہ بے نقاب ہو جاتا۔

اِن علمی گرانمایہ موتیوں کا ذکر مناقب نویسوں نے جابجا کیا ہے۔ اور مؤلف مناقب المحبوبین نے ایک علٰحدہ کتاب کی طرز میں تدوین کی کوشش کی ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ سب بزرگ آپ کی ۶۲ سالہ علمی مجالس کے تمام یا اکثر اذکار کو جمع کرنے سے قاصر رہے۔ ورنہ روحانی اور ظاہری علوم کا وہ گنجینہ بِنتا جن کی قیمت مغرب کا بازار بھی ادا کرنے سے تہی دست رہتا۔

تاہم جتنا کچھ بھی ہے۔ افسوس کہ اس مختصر سوانح حیات میں اُن کی گنجائش نہیں۔ ایک آدھ مثال شاید آپ کے علمی تبحر کے اندازہ لگانے کیلئے کافی ہو۔

علم فقہ کی تشریح فرمایا۔ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علم فقہ کو افضل العلوم قرار دیا۔ علم فقہ کی فضیلت میں احادیث قدسی میں آیا ہے:۔

۱۔ ماعند اللہ شئ افضل من الفقہ فی الدین[1]	اللہ تعالےٰ کے نزدیک کوئی بھی شئے فقہ فی الدین سے بہتر نہیں
۲۔ الفقیہ الواحد فی الدین اشد علی الشیطان من الف عابد	ایک فقیہ (عالم) شیطان پہ ہزار عابدوں کی نسبت زیادہ بھاری ہے
۳۔ لکل شئ عماد وعماد الدین فقہ فی الدین	ہر ایک چیز کا ایک ستون ہوتا ہے دین کا ستون فقہ فی الدین ہے

اِن حوالوں کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں۔ کہ فقہ فی الدین سے مراد معرفت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ شانہٗ ہے[2]

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مُلّا علم فقہ کے چند مسائل سیکھ کر اپنے اوپر اینٹھتے تھے۔ فقہ فی الدین کی اِس طرح تفسیر کرکے آپ نے علماء مدعی کا غرور توڑ دیا۔ علم معرفت کو ہی افضل العلوم قرار دے کر واضح کر دیا۔ کہ شیطانی حکومت کا مقابلہ عرفانِ الٰہی کے بے پناہ

---

[1] رواہ الترمذی وابن ماجہ باب العلم۔ [2] منتخب صفحہ ۴۷

آلات حرب سے ہی ہو سکتا ہے۔ علم فقہ کا دوسرا نام "عرفان" رکھ کر آپ نے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا۔ علما امت بھی علم معرفت کے عالم یعنی صوفیائے کرام ہی ہیں۔ جو صحیح معنوں میں ورثۃ الانبیا کہلانے کے مستحق ہیں ؂

جہاد کے متعلق آپ کی رائے

اس وقت معرکۃ الآرا مسئلہ جہاد کا تھا۔ اور قوم کو پیش آنے والے ملی مصائب کے حل کے لئے اس کے صحیح فیصلہ کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ اور علما اب تک مختلف الرائے ہیں کہ موجودہ وقت دارالحرب ہے یا دارالامان ؂

الغرض ایک بار علما نے جہاد فی سبیل اللہ اور امر معروف کے متعلق حکم طلب کیا۔ اس کے جواب میں آپ نے فوراً تین آیتیں پڑھیں :-

۱- قَدْ جَاءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۙ یَّھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِہٖ وَیَھْدِیْھِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ پ ۶ ع ۶

بے شک تمہارے پاس آئی ہیں اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی جس سے اللہ ہدایت کرتا ہے اُس کو جو تابع ہوا اُس کی رضا کا سلامتی کی راہیں اور اُن کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے اور اُن کو چلاتا ہے سیدھی راہ ؂

۲- یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (پ ۶ ع ۹)

اے ایمان والو۔ ڈرتے رہو اللہ سے اور ڈھونڈو اُس تک وسیلہ اور جہاد کرو اُس کی راہ میں تاکہ تمہارا بھلا ہو ؂

(ترجمہ مولانا محمود الحسن)

۳- لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۝ کَانُوْا

ملعون ہوئے کافر بنی اسرائیل میں کے۔ داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ بیٹے مریم کے۔ یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گزر گئے تھے۔ آپس میں منع نہ کرتے برے

لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْ یَفْعَلُوْنَ د پ ۱۴۶	کام سے جو وہ کر رہے تھے ۔ کیا ہی برا کام ہے جو کرتے تھے ۔ (ترجمہ مولانا محمود الحسن)

آپ نے فرمایا ۔ آخری آیات سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ علماء اور زاہدین کے ذمے ہے کہ باندازۂ توفیق لوگوں کو امرِ غیر شرعی سے منع کریں ۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو اُن کے حق میں سخت وعید ہے ۔

نیز فرمایا :۔ مَیں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے ۔ کہ امر معروف کے تین طریقے ہیں :۔

اوّل ۔ اگر ایک شخص غزا یا جنگ کی توفیق رکھتا ہے ۔ تو جنگ جاری رکھے ۔ اور یہ ایمان کا مضبوط درجہ ہے ۔ مگر یہ امیر سے مخصوص ہے ۔

دوم ۔ اگر امیر اسلام نہیں ۔ یا جنگ کی توفیق نہیں رکھتا ۔ تو زبانی وعظ و ہدایت کرے ۔ اور یہ ایمان کا اوسط درجہ ہے ۔

سوم ۔ اور اگر زبانی تہدید کی توفیق نہیں رکھتا ۔ تو دل میں غصہ رکھے ۔ اور خود اختلاط نہ کرے ۔ اور یہ ایمان کا ضعیف درجہ ہے ۔ اور اگر اس کے دل میں شرعی غیرت بھی نہیں ۔ تو ایمان کے ساقط ہونے کا اندیشہ ہے ۔

آپ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں " ذٰلِکَ اضعف الایمان " کا لفظ ہے اور اضعف یہاں بالکسر ہے ۔ اور ضِعف سے مشتق ہے جس کے معنی دوچند کے ہیں ۔ چونکہ امر معروف اور نہی عن المنکر یہ ہے ۔ کہ کسی کو نیک کام میں لگاویں اور برائی سے باز رکھیں ۔ اس لئے یہ دعا توجہ باطن (روحانی طاقت) کے بغیر ممکن نہیں اگر ایک شخص میں قوتِ دلی نہیں تو ضعفِ ایمان کیونکر لازم آتا ہے ۔ جب کہ اسلام میں تکلیف مالایطاق جائز نہیں ۔ اور اگر توجہ باطن (روحانی طاقت) کے ساتھ ایسا کرنے کے قابل ہے ۔ تو وہ مردِ کامل ہے ۔ چنانچہ شیخ سعدیؒ نے بوستاں میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

چو دست و زباں را نماند مجال ــــــ بہ ہمت نمایند مردے رجال [1][2]

---

[1] منتخب صفحہ ۸۴ ـ ۸۵ ۔ [2] یہ روایت صاحب منتخب قاضی محمد حسین ڈڈوالے سے لیتے ہیں ۔ اسے شبہ ہے یا تو قاضی صاحب کو اس طرح معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی ۔ یا حضور نے جو کچھ فرمایا کسی اور سے منقول ہے ۔ جیسا کہ تمہید میں فرماتے ہیں ۔ ـ مَیں نے ایک کتاب میں دیکھا ۔ واللہ اعلم ۔

(باقی صفحہ آئندہ پر)

ایک دفعہ ایک عالم نے آپ سے سوال کیا۔ کہ "مَن عرف نفسہٗ فقد عرف ربّہٗ" حدیث ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مَیں نے جواہر اسرار میں دیکھا ہے۔ کہ یہ کلام بعض بزرگان کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے۔ اور بعض اسے حدیث کہتے ہیں! امام نووی اِس کی عدم صحت کے قائل ہیں۔ سو اگرچہ یہ حدیث نہیں لیکن قرآن مجید کی بعض آیات اور دیگر احادیث اس کی مؤید ہیں۔ قولہٗ تعالیٰ:۔

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ؁ پ۲۶ ع۱۸	اور خود تمہارے اندر۔ سو کیا تم کو سوجھتا نہیں ؁
سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ پ۲۵ ع۱	اب ہم دکھلاویں گے اُن کو اپنے نمونے دنیا میں اور خود اُن کی جانوں میں یہاں تک کہ کھل جاوے اُن پر کہ یہ ٹھیک ہے ؁

اور انبیاء علیہم السلام کے اخبار میں آیا ہے:۔

حاکیا عن اللہ تعالیٰ
عرف نفسك حتی عرفت ربّك ؁

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

اعرفکم بربکم اعرفکم بنفسکم ؁

الغرض اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ جو آپ کے علمی رتبے کا پتہ دیتی ہیں۔ اگرچہ یہ سب مسائل کتب احادیث و فقہ میں موجود ہیں۔ اور ایک قابل آدمی مختلف کتب کی ورق گردانی کے بعد لکھ سکتا ہے۔ لیکن جو بات آپ کے علمی تبحر کو سب سے زیادہ ممتاز کرتی ہے۔ وہ آپ کا استحضار عبور اور یادداشتیں ہیں۔ کہ لوگ ہمیشہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۳: لیکن ہمارا ذاتی خیال ہے کہ ترجیح نہایت صحیح اور عمدہ ہے۔ اور حدیث شریف کا مقصد یہی ہے۔ کہ تینوں حالتوں میں امر معروف بہتر کام ہے۔ کیونکہ اوسط کے معنی بہتر کے بھی ہوتے ہیں۔ قولہٗ تعالیٰ: "جعلنا کم اُمۃً وسطًا" صرف طریقہ ادا کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔ کہ پہلی صورت میں قوی دوسری صورت میں اوسط اور تیسری صورت میں کمزور کہا گیا ؁

پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل تلاش کر کے سوال کی صورت میں پیش کرتے اور آپ اُن کے جواب مع حوالہ جات یاد سے دیتے چلے جاتے تھے ؛

قاضی محمد علی اور اُن کے مُرید آپ کے کمال کو رقابت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور اس لئے مختلف فیہ مسائل تلاش کر کے لاتے۔ اور آپ کو مات دینے کی کوشش کرتے تھے لیکن علم کے اس بحر مواج میں ہمیشہ ڈبکی لگا کر جاتے تھے ؛

سب سے بڑا معرکۃ الآرا مقابلہ اس وقت تھا۔ جب کہ آپ ایک دفعہ بہار شریف میں تشریف فرما تھے۔ ایک عالم بھری مجلس میں چند سوال بنا کر لایا۔ اور آپ سے جواب کی درخواست کی۔ آپ فوراً جواب دیتے گئے۔ اور اپنے جواب کی تائید میں حوالے بھی پیش کرتے گئے۔ وہ لوگ آپ کی حاضر جوابی اور علمی استحضار سے ایسے متاثر ہوئے کہ جوابات کو ترتیب وار لکھنا شروع کیا۔ اور ایک رسالہ کی صورت میں محفوظ رکھا ؛

مؤلف مناقب لکھتے ہیں۔ کہ اس کی صدہا نقلیں مختلف سمتوں میں علمائے وقت لے گئیں۔ اور ایک نقل کاتب منتخب نے بھی لی۔ جس کے خاص خاص موقعوں کو آپ نے اپنی تالیف منتخب المناقب میں ذکر کیا ہے ؛

ہم ان اوراق کی طوالت سے ڈر کر حسرت کے ساتھ اس علمی ذخیرے کو چھوڑ جاتے ہیں ؛

اَورادِ اَور دُعائیں

سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا پر اس روحانی حکیم نے جن ظاہری اور باطنی امراض کے لئے اوراد کے نسخے بتلائے۔ یا دُعائیں تلقین کیں۔ وہ سب کی سب مختلف مناقب میں بکھری ہوئی شکل میں ملتی ہیں۔ اُن میں سے ہم بعض کو لوگوں کے فائدے کے لئے جمع کر دیتے ہیں :۔

۱۔ ادائے قرضہ کیلئے۔ فرمایا تین بار سورۃ مزمل عشا کی نماز کے بعد قرضہ اُتارنے کی نیت سے پڑھا کرو ؛ (مناقب المحبوبین صفحہ ۲۵۳) ؛

۲۔بینائی کیلئے۔ ایک اندھے کو کثرت سے درود شریف پڑھنے کا حکم دیا۔ وہ ایک ماہ کے اندر شفایاب ہوگیا[1]

۳۔نزول باراں کے لئے۔ستر لاکھ بار درود شریف پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے[2]

۴۔حل مشکلات کے لئے۔ فرمایا سلسلہ چشتیہ تین دن متواتر ایک سو تیس بار پڑھ کر اپنے پیر کی نیاز بخش دے۔ اور درود مستغاث ہر روز تیرہ بار پڑھے[3]

۵۔مسرت دارین کے لئے۔ ایک فقیر کو فرمایا ہمیشہ پڑھا کرو۔ دن میں سو بار دین و دنیا میں مسرور ہوگے:۔ اللّٰھم انی اسئلك برکۃً فی العمر و صحۃً فی البدن و زیادۃً فی العلم و وسعۃً فی الرزق[4] و ثباتاً علی الایمان و نورًا قلوبنا فی العرفان بحرمت نبی اٰخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم برحمتك یا ارحم الراحمین

۶۔تنگدستی دور کرنے کیلئے یہ دعا تلقین فرمائی:۔ اللّٰھم یا رب الارباب یا مسبب الاسباب یا مقلب القلوب یا غیاث المستغیثین و یا اھل المسخرات نصر من اللہ و فتح قریب یا مبشر المومنین فا للہ خیر حافظا و ھو ارحم الراحمین۔ سو بار روزانہ

۷۔حصول مطلب کے لئے۔ ۱۷ دفعہ روزانہ:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سبحانک لا الٰہ الا انت۔ علیك توکلت و انت رب العرش العظیم۔ ماشاء اللہ کان و ما لم یشأ لم یکن و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم و اعلم ان اللہ تعالیٰ علیٰ کل شیءٍ قدیر۔ و ان اللہ قد احاط بکل شیءٍ علما۔ اللھم انی اعوذ بك من شر نفسی و من کل شر کل دابۃ انت اخذ بناصیتھا ان ربی علیٰ صراط مستقیم[5]

۸۔عشق الٰہی کیلئے یہ دعا پڑھتے اور تلقین فرماتے: اللّٰھم انی اسئلك

---

[1] منتخب صفحہ ۱۷۴ [2] ایضاً ۱۷۴ [3] ایضاً ۱۳۱ [4] ایضاً ۱۳۱ [5] ایضاً

حبك وحب من يحبك وَالعمل الذی يودی الی حبك احبّ الی من نفسی و اهلی و مالی ومن الماء البارد للعطشان [1]

بعض کو یہ دعا تلقین فرماتے۔ اللھم ارزقنا حلاوت الحبّ فی محبت اللہ

۹۔ اجابت کے لئے آپ کی ایک مناجات نہایت اکسیر ہے۔ جو آپکے مذاق شعری کے ضمن میں مفصل درج ہے

۱۰۔ بارہا فرمایا کرتے تھے۔ کہ پاس انفاس سے بہتر اور کوئی شغل نہیں
آپکا دستور تھا کہ ہر خاص و عام کے لئے پہلے سورۂ فاتحہ آہستہ سے پڑھتے۔ پھر بلند آواز سے پڑھتے۔ اللھم افتح لنا بالخیر واختم لنا بالخیر وَ اجعل عواقب امورنا بالخیر برحمتك یا ارحم الراحمین [2]

مذاقِ سخن

آپ شاعر نہیں تھے! اور نہ ہی ان کا کوئی دیوان ہے۔ تاہم عمدہ شعر سے آپکو دلی رغبت تھی۔ بہت پیچیدہ اشعار اور غزلیں آپ کو یاد تھیں۔ جو احسن موقعوں پر بولتے۔ جب طبیعت بھر آتی تو کسی خوش الحان کو بلا کر سن لیتے۔ اور بعض دفعہ ذوق میں آکر مدھم سُر میں خود ہی الاپنا شروع کر دیتے۔ بعض رباعیاں اور مناجاتیں تاثیر کے وقت خود کہی ہیں۔ جن میں بعض نہایت مشہور اور پُردرد ہیں۔ یہ مناجات آپ کی ہے۔ جو تاثیر اور اجابت کے لئے اکسیر ہے

یاالٰہی عفو کن تقصیرِ ما	نیست جز تو کو کند تدبیرِ ما
مقتضیٰ طبیعتِ ما چیست خبث	مقتضیٰ طبیعتِ تو چیست قدس
ما ز جلبتی کارِ خود کردیم خام	تو ز قدسی کارِ ما را کن نظام
گر سگے کردیم سگی ام را مبیں	شیرئی کن زانکہ تو شیری مہیں

واحدا بر وحدتت ہر شے گواہ	زانکہ جز واحد نباید است اِلٰہ
آنچہ مارا مے سزد آں را نگیر	داں شمارا مے سزد آں را پذیر[1]
نفس و شیطاں می برند از رہ مرا	تا بیند از زند اندر چہ مرا
دستگیری کن مرا یا دستگیر	زانکہ جز تو نیست مارا دستگیر
دستگیری کن چناں اے دستگیر	تاکہ ہر کس گویدت ہاں دستگیر
کن نگشتہ از درِ تو نا اُمید	اے اُمید و اے اُمید اے اُمید
بندہ دارد بر درِ تو جز اُمید	صد امید و صد امید و صد امید
اے کریم العفو ستار العیوب	انتقام از ما مکش اندر ذنوب

چو سلیماں تم بکر دی اے کریم
حفظِ ایماں کن ز شیطانِ رجیم

یہ رباعی آپ کی ہے ؎

اے خداوند اخدا بنما مرا	وحدت اندر کثرتت بنما مرا
رندم و مستم ز رندی بے خودم	آنچہ رنداں مے کنند بنما مرا

آپ نے یہ رباعی مولنٰا محمد علی کھنڈی کے جواب میں فی البدیہہ لکھوائی تھی ؎

صوفی بیا کہ مشربِ رنداں است مہیا	اینجا چہ کار داری کہ زنداں است مہیا
ناموسِ پارسائی کردی زمدتے	اینجا شراب خواری رنداں ست مہیا

عشق کا نام لینے کی دیر ہوتی عشقیہ اشعار کی جھڑی لگ جاتی۔ جو سمجھنے میں نہ آتی تھی۔ ایک ہی ضمن میں ہندی۔ عربی۔ فارسی اشعار کے انبار لگ جاتے تھے۔

عالمِ سلوک میں آپ کو جن اشعار پر وجد آیا۔ وہ دہی تھے۔ جو اس غزل میں شہ بیت تھے۔ مثلاً ایک دفعہ مولنٰا جامی رح کی غزل تھی ؎

اے ترکِ شوخ ایں ہمہ ناز و عتاب چیست
یا دل شکستگاں ستم بے حساب چیست

جب اس شعر پر پہنچے۔ تو آپ کو ایسا وجد آیا۔ کہ خون کے آنسو نکل پڑے۔

[1] بعض نسخوں میں یہ شعر نہیں ۔

از مدرسہ بکعبہ روم یا بہ سے کدہ
اے پیر راہ بگو کہ طریق صواب چیست

ایک اور بار حضرت خسروؒ کی غزل تھی ؎

جاں زتن بردی و در جانی ہنوز
دردہا دادی و درمانی ہنوز

جب اس شعر پر پہنچے تو آپ پر ایسا وجد طاری ہوا کہ بے ہوش ہو گئے ؎

ریختی خونِ عزیزاں را بخاک
یوسفِ ما پاک دامانی ہنوز

دیکھئے تمام غزل میں چوٹی کا شعر ہے ۔

حسب موقعہ جو شعر پڑھتے ۔ نہایت برمحل ہوتے ۔ مثلاً ایک بار ایک سید نے پوچھا کہ حضرت خدا قسمت سے ملتا ہے یا عمل سے تو یہ شعر پڑھا ؎

بہ جستجوئے نیابد کسے مراد دلی
کسے مراد نیابد کہ جستجو نکند

دیکھئے شعر تصوف اور فلسفہ کی جان ہے ۔

مستی میں آتے تو چیدہ شعر زبان پر لاتے جس سے اُن کے ذوقِ سخن کا اندازہ ہوتا ہے ۔ شعر کا یہ ذوق آج تک آپ کی اولاد میں جار ہا ہے ۔

آپ کی چوتھی پشت میں مولٰنا محمد محمود رحمۃ اللہ علیہ وہ بزرگ ہیں ۔ جو کمالات صوری اور معنوی خوبیوں کے جامع تھے ۔ علم ادب اور شعر اُن کی ذات پر جتنا فخر کرے کم ہے ۔ اور ان کا مذاق شعر مسلم ہے ۔

عموماً دیکھا گیا ہے کہ فقہا اور تفسیر کے علما کو شعر کا مذاق کم ہوتا ہے ۔ لیکن آپکے دربار کے بیشتر عالم ایسے تھے ۔ جو شعر کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے ۔ اور بعض خود لکھتے تھے ۔ مولوی محمد حسین صاحب پشاوری تاریخ نویسی اور بدیہہ گوئی میں مشہور تھے ۔ مولانا خدا بخش صابرؒ "نصاب ضروری" کے مؤلف صاحب دیوان بزرگ تھے ۔ واقعاتِ کربلا کو نظم کیا ۔ روضۃ الصابرین کے نام سے اُن کی مثنوی بے بدل ہے ۔ انہوں نے اپنے بیٹوں کے نام رسالہ لکھا جس میں گلستانِ سعدی کے باب ہشتم کی طرح نصائح ہیں ۔ مگر ایک ایک وصیت ادبی اعتبار سے موتیوں کا تول ہے ۔ جدِ امجد مولوی

محمد عمر صاحب بمثل فقیہ اور عالم تھے بایں ہمہ مذاق شعر ہیں بیگانہ تھے[1]۔ ان کا شاگرد نغزیؔ پشاوری وہ شخص ہے۔ جس کے قصائد انوری اور خاقانی کی یاد کو تازہ کرتے ہیں ؛

محمد نغزی خجندی پشاور قصبہ اکبر پور کا باشندہ تھا علوم دینیہ عشر بیہ کی تحصیل مؤلف اوراق کے جد بزرگوار مولوی محمد عمر صاحب سے کی۔ بہت بڑے پایہ کا منجم اور عدیم المثال شاعر تھا۔ نغزی تخلص کیا کرتا تھا عین عالم شباب میں راہئے ملک بقا ہؤا۔ موت نے مہلت نہ دی ورنہ آسمانِ شہرت پر ستارہ بن کر چمکتا۔ اب بھی اُس کا کلام شہادت دیتا ہے۔ کہ وہ بلند پروازی میں متقدمین قصیدہ گو انوری اور خاقانی سے کسی صورت میں کم نہیں ؛

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نغزی نے یہ قصائد آپکے وصال کے بعد لکھے جس میں ایک خالص مرثیہ اور باقی روضۂ اطہر کی شان میں ہیں۔ اتفاق سے ہم کو نغزی کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہؤا بیاض ہاتھ آگیا جس میں اُس کے تین قصائد درج ہیں۔ یہ بیاض نہایت خوش خط اور مطلا حواشی سے مرتب کیا گیا ہے۔ آخر میں ان سطور پر ختم ہوتا ہے :-

"ایں ہر سہ قصیدہ و دو قطعۂ تاریخ حسب الایماء اوغان انتمامی خدمت گرامی مولانا صاحب مولوی محمد عمر صاحب دام افاضاتہ مطابق سلخ شہر رجب المرجب ۱۲۷۰ھ بخط احقر محمد نغزی پشاوری ارقام یافت" ؛

ہر شعر میں بین السطور ان صنائع و بدائع کے نام درج ہیں۔ جن میں وہ شعر لکھے گئے۔ یہ قصائد روضۂ اطہر پر سرمئی قلم سے کندہ ہیں۔ اگرچہ نہایت خوش خط اور اہتمام سے لکھوائے گئے۔ مگر بعض موقعوں پر پڑھے نہیں جاتے۔ نغزی کے اپنے ہاتھ کا نسخہ زیادہ واضح اور اصح ہے۔ مگر اُس کی زبان اتنی مشکل اور خیالات اتنے بلند ہیں۔ جن کی تشریح کے لئے الگ رسالہ کی ضرورت ہے۔ اس لئے ہم نے ان میں سے صرف عام فہم اشعار کو چھانٹ کر لکھ دیا ہے :-

[1] ان کا ایک قطعہ تاریخ مسجد سلیمانی کے شرقی طرف برآمدہ کے درمیان محراب پر کندہ ہے ؛

قصیدۂ اوّل

این روضه ایست اینکه مشامِ نسیم خلد ... از نفحۂ شمیم حریمش معطر است
این کعبه ایست اینکه ملک را بگاه طوف ... هر دم بہ جبہتش بہ لب اللہ اکبر است
این قبہ ایست اینکه بفرش قباب چرخ ... چوں اوہن البیوت عناکب محقر است
این منظر ایست اینکه سوادِ عیونِ فیض ... از پر توِ بیاضِ جنابش منور است
این حضرتے ایست اینکه ردائے پاک را ... در صفہ ہائے پیش درش طرفہ مخفر است
افلاکیاں بہ مژدہ کہ آفاکیساں ہلا ... آئید و درشوید کہ فردوسِ انور است
یارب سرم ز خاکِ جنابش جدا مباد ... کاں را کہ شد جدا ازیں خاک بر سر است
ہر گوہرِ مراد کہ گم شد ز جیبِ دِل ... زاینجا طلب کنش کہ بخاک ہمیں در است
یاک صبح ہر کہ سر بنہد بر درش بخاک ... خورشید ساں بہر دو جہاں صاحب افسر است
این روضۃ العلا کہ بادجِ ستائشش ... مرغِ بیاں فگندہ چو تیر فلک پر است
این کعبۃ الہدائے کہ بہ سالِ وصال باز ... رضوانِ روضہ اش بہ خلیلے مقرر است
نغزی ز جوشِ حیرتِ شانش طلب نمود ... تاریخش از فلک کہ آیا تا چہ در خور است

آمد سروش گفت کہ ذاتُ العماد پاک (۱۲۷ھ)
بر کش ازاں کہ این نہم ہشت منظر است

قصیدۂ دوم

قصیدۂ محمد نغزی پشاوری در تعریف روضہ مقدسہ در مدح ممدوح العارفین
مصباح السالکین حضرت قدسی منقبت سلیمان الاولیاء رضی اللہ تعالے عنہ

"مطلع مشتمل بر صفت تجاہل و تعارف و استعارہ و مراعاۃ النظیر"

یارب چہ درگاہ است بایں رفعتِ اساس ... کاستانہ اش نہ سود لب بوسہ قیاس

(اشتقاق)

ہر صبحدم بہ مکنس مرغولِ حور یاں ... رضواں بہ صحنِ صف نعالش در اکتناس

(مراعاۃ النظیر و ترجمۃ اللفظ)

میخورد اگر حسد فلک از آستانہ اش — ما ناکہ دل کفیدہ شدے ز امتلائے پاس

(تجنیس منفصل)

ہر ماہ ماہ بیہدہ قالب تہی کند — تا گردوش بہ حیلۂ زرفیں دربواس

اِسی طرح مغلق فارسی میں چلا جاتا ہے چند صاف شعر عرض ہیں :-

(تشبیہ کنایہ و متضاد)

تا چشم معصیت ز غبارش بہ سرمہ خفت — زانکہ دگر بخواب نہ دیدہ خیالِ یاس

(سوال و جواب)

گفتا فلک چراغ فروش منم کہ عرش — گفتش کہ ہیں چہ مے فگنی مہرہا بہ طاس

(تشبیہ کنایہ و متضاد)

ہندوئے سال خوردۂ ہفتم رواق گفت — بختِ جواں کجا کہ بوم بر درش بہ پاس

(مقلوب بعض)

روح الامین ز غرفۂ خلوت سرائے قدس — از طیرۂ نجاسرش آمد بہ ارتجاس

(مدح موجہ)

فالِ دعا زند کہ ز اقبالِ جودِ تو — نقش غنا نشستہ بگرد دنش التماس

بادا چراغ دل ز ضمیرِ تو مستنیر — چندانکہ شمع مہ کند از مہر اقتباس

ایضاً

ایں انبیائے قدس نشیمن گرِ جے ست — رکش ہدہدی کنند ملک با صد التماس

(حسن تخلص سجع مطرف تنسیق الصفات۔ مراعاۃ النظیر تجنیس خطی۔ اشتقاق۔ جمع سیاقۃ الاعداد)

سلطانِ چار طاق و سلیمانِ نہ رواق — خانِ جہان و جانِ جہانبانِ جن و ناس

(مراعاۃ النظیر)

آں خیرہ پر درے کہ تیاف حما ئیتش — عنقا بہ پرِ مور کند لا بہ از ہراس

ایضاً

آں قلزم یقیں کہ بہ طوفانِ سرّ او — ذوالنون ز ژندہ فیل بود کمتر از خناس

(تعرض و تعریض)

شاہا چہ احتیاج کہ در پیش گاہِ تو چوں ناکساں بلاف فرد گسترم پلاس

نے شاعرم نہ قاضیم ہمیں یا بیام بستد کاندر جہاں شدم بہ دلائے تو رو شناس

(تجنیس)

نغزیؔ اگر بہ لطف کنی خود متش قبول منت نہد بجان و بجا آورد سپاس

قصیدۂ سوم

قطعہ در تاریخ وصال مراحم اقبال شہنشاہ ارم بارگاہ ممدوح رضی اللہ تعالےٰ عنہ

قطب زمانِ ماہ زمیں عروۃ المتیں نورِ جبین و چشم یقیں کعبۂ خطر

شمع ہدٰی امینِ خدا نائبِ نبیؐ کاندر جہانش بودہ ورائے جہاں مقر

غوثِ امام۔ فخرِ کرام آں امامِ حق کانار روشن اش ز فلک رفتہ آستر

تاج العلاء بہ شاہ سلیماں کہ دائرش میگشت طائرانِ بہشتی بہ گرد سرؔ

بال عقاب چرخ شکستے ز صد متش مورے اگر بہمتِ او مے کشاد پر

ابرِ کرم سپہر جہانِ ہمم کہ بود ہر قطرہ ایش قلزم و ہر اختریش خور

پہلوئے ہمدمے بہ مسیحا ہمے زدی عظمِ رمیم اگر ز دمش یافتے اثر

قافِ جہانِ حلم و محیط و سخا و علم بدرِ سپہر قدر و خدیو سواد فر

بر درگہ حریم و لش کاسہ در بغل خورشید مے رسید بہ دریوزہ ہر سحر

گفتا بسال وصل شہنشہ بری سراغ وضع بیکے ز خلد مکرر کنی اگر

نغزیؔ ز داغ دل شدہ جویا کہ شاہ من

کے رفت گفت کے بسفر ہفتم صفر

۱۲ ۹۶ ۷

انہی بزرگوں میں بعض وہ لوگ ہیں جنہوں نے بے شمار مناجاتیں اور قصائد آپ کی شان میں لکھے۔ یہ مناجاتیں اور قصائد کیا ہیں عقیدت و ارادت کی تصویریں ہیں۔ جو کاغذ پر کھینچ دی گئی ہیں۔ ان میں بیشتر ملتانی زبان میں ہیں۔ اس لیے ان کو چھوڑتا

ا؎ آپ کے جلال پر انواع و اقسام کے چھوٹے سے پرندے اس قدر پرواز تھے کہ لوگ کام نہ کر سکتے تھے ٭

پڑ گیا - ہاں اِن بزرگوں کے فارسی کلام کے چند اقتباسات ہدیۂ ناظرین ہیں:

حکیم محمد بخش اجودھنی لکھتے ہیں ؎

یہ عالم جلوہ گر شد صورتِ اسرارِ رحمانی
بایں فخر و بایں نور و بایں شانِ سُلیمانی

تعالی اللہ تمہے شانے کہ ذاتِ پاکِ او دارد
نمے دانم کہ سبحانی و یا محبوبِ سُبحانی

ہماں نورِ جہاں آرا کہ شد اندر عرب پیدا
ہماں در عجم آمد بہ کرّ و فرِ افغانی

جہاں پر شور چوں فرہاد از گفتارِ شیرینت
ہزاراں خسرو آمد بندۂ ایں بزمِ سلطانی

یہ سودائے زلیخا عالمے النقد جاں در کف
ز ہر سو گرمیِ بازارِ حسنِ یوسفِ ثانی

نگردد قطرۂ کم از محیطِ قلزمِ رحمت
کہ ایں لبِ تشنہ را از تلخ کامے باز برہانی

صاحبِ منتخب غالباً ذوقی تخلّص کرتے ہیں ؎

ای شاہِ شاہانِ جہاں	وے آفتابِ مُلکِ جاں	شہبازِ اوجِ لامکاں	عنقائے مغربِ بے نشاں
	"خواجہ سلیماں دستگیر"		
ہم شرع را برہاں توئی	ہم قبلۂ عرفاں توئی	ہم رہبرِ ایماں توئی	ایں جملہ را ہم جاں توئی
حکمِ سلیمانی بتو	نورِ سلیمانی بتو	اسرارِ رحمانی بتو	انوارِ رحمانی بتو
ایں پردۂ پندارِ من	شد در نہاں خونخوارِ من	نالم ازیں آزارِ من	رحمے بحالِ زارِ من
تو شاہِ شاہاں من گدا	جاں بر قدم سازم فدا	گویم کہ از بہرِ خدا	از آستاں نکنی جدا
از من خطاہا و جفا	وز تو عطاہا و وفا	ایں عادتِ اہلِ صفا	بل کارِ خاصِ مصطفٰے
ایں خستہ را دلشاد کن	از درد و غم آزاد کن	یا لطفِ خویش ہم شاد کن	راہِ خودش ارشاد کن
ذوقی گدا بیچارہ ام	مغلوبِ نفسِ امّارہ ام	احوالِ خود آوارہ ام	جز تو کہ داند چارہ ام
چارہ بکن اے چارہ گر	باشم ز لطفت بہرہ ور	در دامنت دارم مقر	دنیا و در عقبےٰ حشر
	"خواجہ سلیماں دستگیر"		

اِسی طرح بہت سی دیگر نظمیں ہیں - جو بخوفِ طوالت چھوڑ دی گئیں
مولوی خدا بخش بغلانی کی ایک ہندی مناجات نہایت مقبول ہے - جب یہ

مناجات مصنف نے آپ کی خدمت میں پڑھی۔ فرمایا۔ جو کچھ تم چاہتے ہو تمہیں مل گیا۔ اگرچہ یہ مناجات ملتانی زبان میں ہے۔ اور ملتانی زبان کی بیشتر نظمیں ہم نے عمداً چھوڑ دی ہیں۔ تاہم اس کی مقبولیت اور تاثیر کا خیال کر کے ہم اس کا چھوڑنا مناسب خیال نہیں کرتے۔ وہ مناجات یہ ہے :-

اکھاں ثنا رب پاک دی جیں بھیجیا ہے مصطفیٰ
اصحاب عالیشان ہن اُمت کیتے نور الہدیٰ
حضرت سلیمانؒ تونسوی افغان قطب الاولیا
سنگھڑ تھیا روشن جڈوں اُٹھ ابھریا چن تونسو
گجرات پورب لکھنو چین و مچین و ماتنسوی
مشرق کنوں مغرب تئیں ہر جاہ تے پہتا ونجیہ شعا
سُورج تھیا ظاہر پیا پر توجہاں تے نور دا
اختر قمر کوں پہتیا آخر زوال ضرور دا
لمّا تجلّی ربہٗ فخرّ موسیٰ صاعقا
غوث الخلائق قطب حق ہن مظہر نور نبیؐ
مکہ کنوں آیا نبیڈہ مدنی خلیفہ عربی
اکسیر کامل گھن گیا جس دا ا وہو طالب اہا
شملہ فخر دا نور توں حضرت سلیماں سر بدھا
تونسے تے برسے ہر دم دہ فیض رحمانی سدھا
کیتی کریمی کرم سی مخلوق تیں خالق خدا
خاتم سلیمانی جڈوں اللہ ڈیوایا ہتھ تجھے
فرمان تیڈا سر منن اربع عناصر جیہ کہے
ہانڈ آتھیا دریا جڈوں کندھی ادتے توں آلتھا

عربی محمدؐ ہاشمی شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ
صدیقؓ تے فاروقؓ بھی عثمانؓ حیدرؓ مرتضیٰ
توں کریں امداد میڈی خواجہ حضرت صاحبا
بہرہ لدھا پنجاب ہندوستان دکن دہلوی
قندھار کابل بلخ تے نالے بخارا غزنوی
توں کریں امداد میڈی خواجہ حضرت صاحبا
خفا عدن وچ چھپ گیا جلوہ جمالی حور دا
چمکن کیویں جو ہا ایہو جلوہ سچا کوہ طور دا
توں کریں امداد میڈی خواجہ حضرت صاحبا
اللہ ذاتوں تو تے کیتی ذات عالی منصبی
پارس لدھیس جلدی کیتو لوہے کوں سونا مغربی
توں کریں امداد میڈی خواجہ حضرت صاحبا
سنگھڑ یقینی مرتبہ مُلک سلیمانی لدھا
آدم فرشتہ جن پری ہر ہک انھوں حصہ گدھا
توں کریں امداد میڈی خواجہ حضرت صاحبا
معلوم کر دیویں تنکوں اسرار عرفانی گجھے
منقاد ہیوئی خلق کل درگاہ تیڈی دو لجھے
توں کریں امداد میڈی خواجہ حضرت صاحبا

بڑی تیڈی دربار دی اظہار کر دی عرض دا
دارو کرو رحمت دے لدی اندر باہر دی مرض دا
اِسْمَعْ اَجِبْ حُسْنِ تَعِیْفَاْلِیْ عَنْ جَنَابِ الْمُلْتَجَاْ
کملی تو لی لوک دی من لگی لجپال دی
لائق کجھی ہی نہیں تڑے سہاگ وصال دی
ڈیو وسہاگ نہاگ کوں لکھیاں ایہ ڈگا تڑا
ہر دم کہیندی سس مینڈی طعنہ کنوں دل ساڑی
سینگیاں تے سیاں ہتّھ بداں آکھن اللہ دی ماری
بھالو مہر دی اِک نظر العنیں کنوں میکوں چھڑا
سیاں کتن بچھیاں بھرن شہ کوں جھا دن میدم
ہک میں نکمّی ڈھڑیاں ہک تل جتیں کیتم نہ کم
دامن لگیدی کر شفاعت ہیٹھ دے امن دے لوکا
شیطان ملعون میدم مارے تنی دے اہ کوں
خچ خچ کرال جیکاں بھران ڈٹھاں سجنڑی دا کوں
یَا مُرْشَدَ اللّٰہِ اَخْرِجْنِیْ مِنَ الظُّلْمِ الدُّجیٰ
ڈونڈی عمل بدکار دی آئی نہ چالے ویڑھ دے
کیتیوس نگ ہیٹ گیا جی ونجہ بیا وچہ جھیر دے
کر غور بکڑ لاہنہ کوں نے یار ڈونڈی کوں پچا
ہاں میں نقابل جگ کنوں گالھی تمامی لوک دی
نیکی نہیں کائی تلے یا جھوں تساڈے شوق دی
نیکی بدی میڈی لگی ذمیں تساڈے ہادیا
جیواں جیاتی تال پر ایں جگ وچالے جے تیٹس
محتاج نہ تھیواں کڈی میں خویش بگانے تیٹس

ہادی مہر کرکے سنو مقصد میڈی غرض دا
بخشالو ہا گردن کنوں بہیا بار ری قرض دا
توں کریں امداد میڈی خواجہ حضرت صاحبا
کوجھی نے کانڑیں گل پئی صاحب جمال کمالدی
خالی تہیں ولدے ولی سائل سخی لکھپال دی
توں کریں امداد میڈی خواجہ حضرت صاحبا
ڈیون نناں بھجائیاں مہنیں تے کرن خواری
بردی کیہنی سنگ تیڈی آخر تھئی بیچاری
توں کریں امداد میڈی خواجہ حضرت صاحبا
مارن سہاگ نے بھاگ نت خوشیاں کرن کھاون غم
کیویں کریساں میں اتھاں جیتھاں اگوں تلکن قدم
توں کریں امداد میڈی خواجہ حضرت صاحبا
ہین تے پچھائیں نفس گتی شوخ تے بدخواہ کوں
ادھر پئی حیران تھئی سوواں توں شہنشاہ کوں
توں کریں امداد میڈی خواجہ حضرت صاحبا
سیتھے گھاٹریں ہتھ رہے تھئی غرق گھمر گھیر دے
مشکل خلاصی سجھدی ہا جھوں مدد تو شیر دے
توں کریں امداد میڈی خواجہ حضرت صاحبا
سینگیاں سہیلیاں سیدیاں ہن تے بنی چاٹوک دی
لیکن جلد بن ضامن توں ہیں حاجت نہیں گندھ رو کدی
توں کریں امداد میڈی خواجہ حضرت صاحبا
نشادان گزاراں عمر کوں ڈکھاں کشالے ڈکھ نہیں
خواجہ سنبھال نکار دی توں دم مدد لہندار ہیں

ہر گز وسارین مُوں ناں اے بیکساں دا آسرا
جس وقت آوئے ت سر تیں ورکر جولان دا
وانگے عمر خطاب دے چنبہ بھنتیں شیطان دا

توں کریں امداد میڈی خواجہ حضرت صاحبا
امداد میڈی توں کریں حافظ تھیویں ایمان دا
کلمہ شہادت دے ادلوں تھیوم بیان تاں بان دا

بندی خدا بخش آپنی کوں رب کنوں گھن ڈے عطا
توں کریں امداد میڈی خواجہ حضرت صاحبا

آخر میں یہ گدائے بے نوا عقیدت اور ارادت کے چند پھول مزار سلیمانی پر چڑھاتا اور انتہائے عاجزی کے ساتھ قبولیت اور اجابت کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے ؎

من اگرچہ مستم و رندم جنابت و نامہ سیہ
ہزار شکر کہ یاران شہر بے گنہ اند

مناجات بحضور حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ

بند اول در صنعت تلمیح ؎

اے مظہر جمال محمدؐ کمال تو
وے غازۂ بروئے حقیقت جمال تو

اے آنکہ دید روئے تو دیدار روئے حق[1]
وے ہاتفے مبشر اوج کمال تو[2]

اے آنکہ کردہ پیش اباسین[4] چو رود نیل[3]
معجز نمودہ جلوۂ موسیٰ خیال تو

[1] آپ نے سید حسن عسکری کو اس سوال کے جواب میں فرمایا۔ کہ تم مجھے دیکھ لیا کرو۔ سمجھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہے ہو۔ اور حضرت رسول اللہ علیہ وسلم کا دیدار حدیث شریف کے مطابق خدا کا دیدار ہے۔ قصہ ملاحظہ ہو "مراتب علیا"۔

[2] "آوازہ مژدہ غفران" کی طرف اشارہ ہے۔ قصہ ۱۲ ربیع الاول جو اسی سُرخی کے ماتحت بیان کرامات میں مذکور ہوا۔

[3] آپ نے اپنے خیال مبارک سے دریائے سندھ کو پایاب کر دیا تھا۔ ملاحظہ ہو "پایابی دریا کا واقعہ" (باب کرامات)۔

[4] "اباسین" دریائے سندھ کا دوسرا نام ہے۔ کتب جغرافیہ ٹیکسٹ بک کمیٹی۔

[1] پہلوئے ہمدمی بہ مسیحا ہمے زدی / صد مردہ زندہ گشتہ ز آبِ زلالِ تو
[2] نانے ز سیم و زر بتوانی دہی بہ خلق / عالم رہینِ منتِ دستِ نوالِ تو
[3] دانم چہ وعدۂ بہ خلافت گرفتۂ / از قدسیاں شنیدہ ام این قیل و قالِ تو
[4] ابلیس را کہ وعدۂ غفراں دہی توئی / گر در شدے بہ عرقِ ندامت ز قالِ تو
[5] آنی کہ بر تو ردِّ سوالے حرام شد / زاں رو پذیرِ حق شدہ نوالِ سوالِ تو
[6] اے شہسوارِ عزم و توکل کہ نقد شود / انداختہ بہ جیبِ زباں است حالِ تو

دانم کہ کیستی و بدانی کہ کیستم
در بحرِ بیکرانِ تو موجیم و نیستم

اے آنکہ بر درِ تو فلک را کشادِ کار / وے مفلساں ز زادِ عمل از تو مایہ دار
اے آنکہ دیدِ روئے تو جنت نشیمنے / رضواں ز سیر چشمِ رضائے تو نامدار
صد تیرہ دل ز صحبتِ پاکِ تو پاک شد / خاکِ پشیز را کہ کنی دُرِّ شاہوار
اے ہمتِ بلند تو مصروفِ عالمے / اے آنکہ از دعائے تو اعدا امیدوار

حال ز ما مپرس و بہ حالِ بدم بہ بیں
آنکس کہ آں تست بنائشت اینچنیں

[1] باب کرامات میں مذکور ہوا کہ آپ کی دعا۔ دم۔ توجہ یا معمولی چارہ کار سے سینکڑوں مریض شفایاب ہوگئے۔
[2] آپ نے فرمایا اس ستہ کی برکت ہے۔ کہ خدا نے مجھے یہ توفیق دی کہ اگر چاہوں تو تمام دنیا کو بھنے چاندی کی روٹیاں دے سکتا ہوں۔ مگر لوگ ان ماجرا بھی ہضم کرنے سے قاصر ہیں۔ "استغنا اور سیر چشمی" کا بیان ملاحظہ ہو۔
[3] آپ کو جب خلافت دی گئی تو آپ نے انکار کیا۔ اور جب تک وعدہ مغفرت نہ لیا راضی نہ ہوتے۔ دیکھو۔ "امانت کے بوجھ سے انکار"۔
[4] ایک دفعہ ابلیس مجسم ہو کر آپ کی خدمت میں آیا۔ اور گفتگو کی۔ اثنائے گفتگو میں آپ نے فرمایا۔ کہ اگر اب بھی نادم ہو جاؤ تو تمہاری بخشش کا ذمہ وار ہوں۔ مگر اس بدبخت نے نہ مانا۔ اور کہا اب مجھے شرم آتی ہے۔ محبوبین صفحہ ۲۵۳۔
[5] آپ کے پیر نے آپ کو چند وصیتیں فرمائیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ اپنے دروازہ سے کسی کو نامراد نہ لوٹانا۔ ملاحظہ ہوں۔ پیر کی وصیتیں۔
[6] ایک راہب کا قصہ جس نے آپ سے ولایت کی تعریف پوچھی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر لاکھ روپے کا نقصان ہو جائے تو ملال نہ ہو۔ اگر لاکھ روپے کا فائدہ پہنچ جائے تو خوشی نہ ہو۔ دیکھو۔ "بیان توکل کی تلقین"۔

دیگر

این مایۂ گدائے درت سوختہ رواں — افگندہ بجانِ نہادش چنیں فغاں

رختِ عزیزِ عمر بہ عصیاں فروختہ — وین مایۂ عزیز سپردہ بہ کافراں [1]

فسق و فجور حاصلِ عمرِ عزیزِ وے — آدرخ بہ صالحے کہ بود ننگِ عاصیاں

در حقِ بدترینِ جہاں گر دعا کنی — حقا کہ این دعا نبود بہرِ دیگراں [2]

ناموسِ خود دریدہ بجرمِ سیاہِ خویش — در دامنِ امانِ تو جوید ہمے اماں

ہرچند جرمِ بیش عطائے تو بیش جو

نازم کہ جرمِ ماست فراخورِ عفوِ تو [3]

خطاب بآں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم [4]

اے آنکہ ذاتِ حضرتِ حق باخیارِ خویش — درزید ذکرِ صلِّ علےٰ بر تو کارِ خویش

مسلم ببیں زغزدۂ روضِ مزارِ خویش — کو مبتلائے کشمکشِ انتشارِ خویش

وین سوخت رختِ خانۂ خود از چراغِ خود — رحمے! بایں مسافرِ ملکِ دیارِ خویش

مسلم بدستِ دشمنِ دیں داد تیغِ دیں — مددے! کہ آبرو شدہ از اختیارِ خویش

خیر الامم کہ فخرِ جہاں بودہ ایم ما — ننگِ جہان و ننگِ جدیم و عارِ خویش

---

[1] مؤلف اوراق ہذا سرکاری ملازم ہے۔

[2] یعنی اگر تو دعا مانگے۔ کہ اللہ تعالے دنیا میں سب سے بڑے آدمی پر رحم کر۔ تو مجھے یقین ہے کہ یہ دعا میرے اوپر صادق آئیگی۔ کسی دوسرے کیلئے نہیں ہوگی۔ کیونکہ سب سے برا میں ہوں۔ مجھ سے برا شخص اور کوئی نہیں۔

[3] میرے گناہ سب سے زیادہ ہیں۔ اور تیری رحمت کی خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ گناہ گار شخص پیش کرو۔ فردائے محشر صرف مجھے ہی فخر ہوگا۔ کہ میرے گناہ تیرے عفو اور جود کی پیاس کو بجھا سکیں گے۔ باقی سب کے گناہ تیری رحمت کی خواہش سے کم ہونگے۔ اور یہ ناز صرف میرے لئے ہوگا۔

[4] ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

آں گلینے کہ از چکشِ خونِ قدسیاں پروردۂ بجانِ خودش در کنارِ خویش
پامالِ نجسِ بولہبی گشت حسرتا اینک ببیں سمومِ خزاں در بہارِ خویش
قبلہ چہ گوئمت کہ چگونہ فتادہ ایم نظرے! کہ درگزشت ز تدبیرِ کارِ خویش

بفرست در جہاں سلیمانِ دیگرے
سوزِ دگر بہ سازِ دگر شان دیگرے